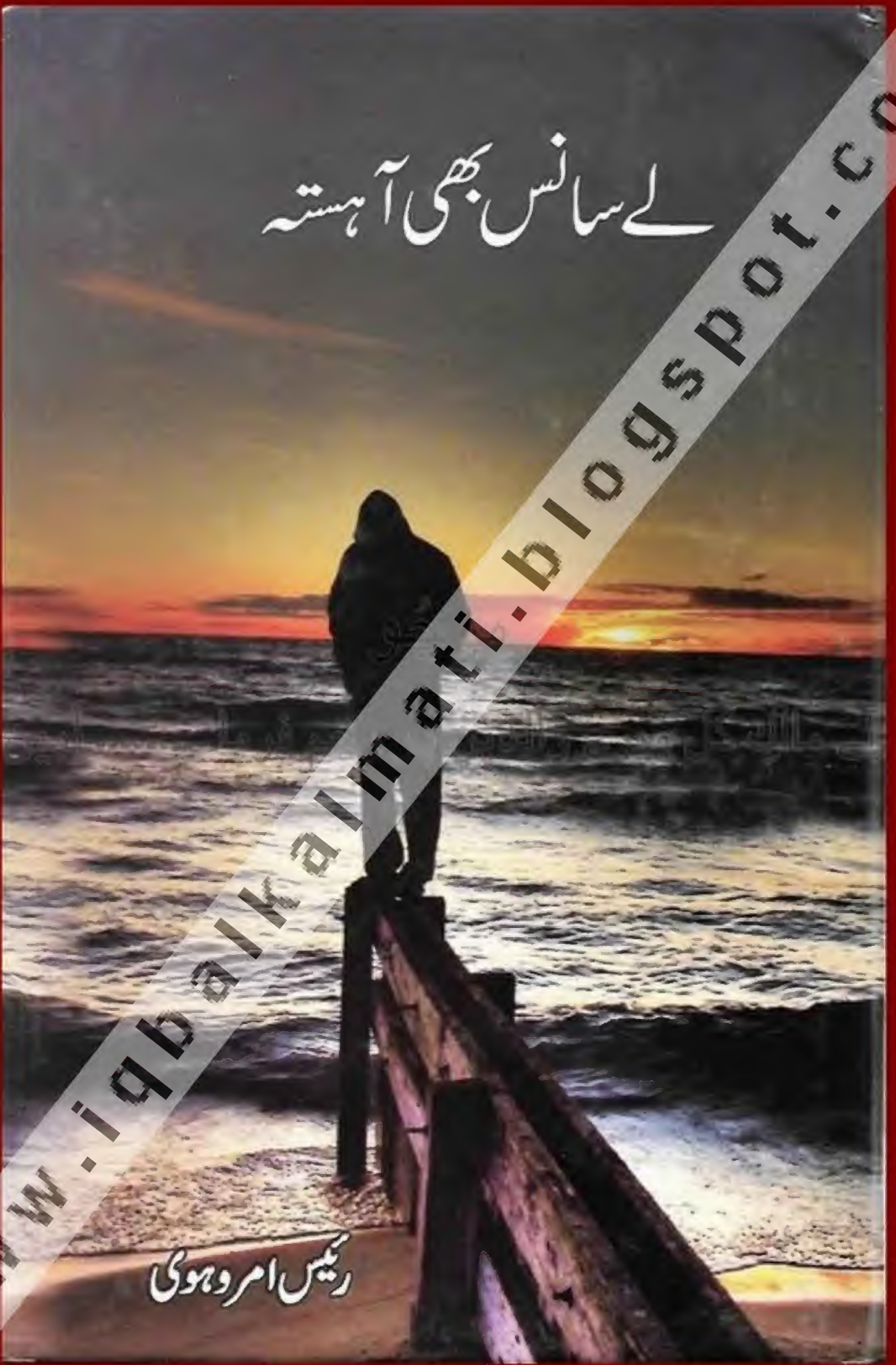


لے سانس بھی آہستہ

رئیس امر وہوی



لے سانس بھی آہستہ

حصہ اول - دوئم (مکمل)



مرچو

اے مالکِ کُل میرے والدین پر رحم فرما پس امر وہوی۔ آمین



ویکم بک پورٹ

اُردو بازار کراچی، پاکستان

فہرست

- 7..... ٹیٹس لفظ
15..... ٹیس و ٹیس
17..... تادم و ابیس
22..... زمین اور انسان
24..... روح حیات
29..... تنفس کے فوائد
33..... ارتقا کا دھارا
40..... مشق تنفس نور
47..... متبادل طریقہ تنفس
49..... لاشعوری مزاحمت
55..... قبض و ضبط
57..... برقی مقناطیسی توانائی
77..... تنفس و تندرستی

جملہ حقوق بحق پبلشر "ویکم بک پورٹ" محفوظ ہیں
اس کتاب کے کسی بھی حصے کی فوٹو کاپی، اسکننگ یا کسی بھی قسم
کی اشاعت پبلشر کی تحریری اجازت کے بغیر نہیں کی جاسکتی۔
قانونی مشیر: وحید نور

اشاعت : اکتوبر 2013ء
اہتمام : قمر زیدی
کمپوزنگ : محمد آصف
قیمت : 550/- روپے

ناشر
ویکم بک پورٹ

مین اردو بازار کراچی - پاکستان

فون : 021-32639581-32633151

فیکس : 021-32638086

ای میل : welbooks@hotmail.com

wbp@welbooks.com

ویب : www.welbooks.com

لے سانس بھی آہستہ

4

79.....	جسم پر اثرات
84.....	مجسمہ رنگ و نور
102.....	نفس مطمئنہ
107.....	گمیار ہو جس
109.....	وجدان
113.....	الہام والقا
114.....	علاج بذریعہ وجدان
115.....	مکاشفے
118.....	حرف بحرف
120.....	حیران کن پیش گوئی
122.....	ماضی کی طرف
124.....	شب قدر
127.....	صاحب کشف خاتون
131.....	میرا تجربہ
132.....	مار آتشیں!
135.....	بال اور بنی جذبہ
138.....	روحیت پسند
141.....	تو مہدی ہے
146.....	خواب اور بیداری
150.....	عملی شعور اور مشقیں
154.....	چند اور تجربات

لے سانس بھی آہستہ

5

159.....	جسم روشن ہو گیا
161.....	متبادل طرزِ نفس
163.....	قبض و بسط
168.....	بنیادی تہذیبیاں
172.....	کیفیت پرواز
176.....	ظاہری کیفیت
177.....	اشعوری مواد
178.....	معمودیت کامل
182.....	روحانی ترقی
182.....	کہانی دورے
184.....	ہرکس
185.....	لکھنؤ کی تاریخ
185.....	امصابی حسابیت
187.....	سیرت کی بُن
189.....	غوش آوازی
190.....	عجیب مناظر و محسوسات
194.....	لہروں کا اخراج
196.....	تو سی قزح
198.....	عجیب و لطیف جذبہ
199.....	عجیب نظارہ
201.....	لوائے سروش

مرچو

اے مالکِ کل میرے والدین پر رحم فرما..... آمین

202.....	روشنی کا گولہ
203.....	ترجمی فقرے
203.....	عالم استغراق
205.....	صوبی کے بعد
207.....	قاتل کا خوف
208.....	مقتل کی اثرات
212.....	افسانے کا ہیرو
216.....	ثبوت اور منفی
223.....	گہرے کنویں میں
231.....	جذبات کی اہمیت
235.....	روشنی سانپ بن گئی
236.....	نشر اور جنسی پیمان
243.....	بے سکتے خواب
247.....	مختصر یہ کہ

☆☆☆

پیش لفظ

شاہانہ رئیس امروہوی

دہلی کے شمال مشرق میں اتنی (80) میل دور ایک بستی ہے۔ بستی کیا ہے اسرار کا مجموعہ ہے۔ اس کی زمین، اس کی ہوا، اس کی فضا میں معنی خیز پراسراریت ہے۔ اس عجیب بستی کا نام امروہہ ہے۔ اب سے تقریباً ہزار سال پہلے عرب سے ایک بزرگ سید شرف الدین شاہ ولایت یہاں آئے اور انہوں نے امروہہ میں قیام کیا۔ امروہہ کی ستر (70) فیصد آبادی ان ہی کی اولاد ہے۔ جس طرح امروہہ پراسرار و عجیب ہے اسی طرح وہاں کے لوگ بھی عجیب ہیں۔ وہ روایات جو روز اول سے رائج ہو چکی ہیں آج بھی تقریباً جوں کی توں زندہ ہیں۔ امروہہ کی دو پہریں میرے لحاظ سے بڑی ڈراؤنی ہیں۔ لمبی گرم دو پہریں جب ہر طرف سنائے کا راج ہوتا ہے، ریت کے بگولے ایسے چکراتے پھرتے ہیں جیسے کلومی چڑیلیں، بڑی بڑی حویلیوں پر خاموشی پہرہ دیتی رہتی ہے۔ مگر امروہہ کی شام، اس کے سامنے عیرس کی شام بھی ماند پڑ جاتی ہے۔ آنکلوں میں چھڑکاؤ ہونے سے مٹی کی سوندھی خوشبو ہر طرف پھیل جاتی ہے۔ رائیل، چنبیلی، رات کی رانی کی مدھوش کن خوشبو نشہ سا طاری کر دیتی ہے۔ اندھیرے میں جگمگ کرتے پت پیچنے (جگنو) عجیب بہار دکھاتے ہیں۔ ستاروں سے گندھا آسمان جس پر نظر تک کر رہ جائے اور آدی پر سحر طاری ہو جائے۔

اسی امروہہ کے ایک محلے دربار شاہ ولایت کے ایک علی گھرانے میں رئیس

امردہوی کا جنم ہوا۔ ان کا نام سید محمد مہدی رکھا گیا۔ وہ دادا سید شفیق حسن ایلیا کی دوسری اولاد تھے۔ پہلا بیٹا پیدا ہوتے ہی مر گیا تھا، اس لئے ان کی پیدائش پر بڑی مٹیں مانی گئیں تھیں۔ ان کے 4 لڑکے اور ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ یہ بچپن سے بڑے نازک مزاج تھے۔ بہر حال قصہ مختصر یہ جیسے جیسے بڑے ہوتے گئے ان کی ذہانت کے جوہر کھلنے لگے۔ یہ بھی واضح ہو گیا کہ یہ سنہری آنکھوں اور سنہرے بالوں والا بچہ شاعر ہے۔ جب دادا (علامہ شفیق حسن ایلیا جو خود بھی بہت بڑے عالم تھے) نے انہیں محمد مہدی سے رئیس امردہوی بنا دیا۔ شاعری ان کی بنیاد اور روح تھی۔ پراسراریت ان کا مزاج اور روحانیت وراثت تھی۔ چونکہ دادا شاہ ولایت ایک پائے کے درویش تھے ان کی اولاد میں روحانیت کا ہونا تعجب خیز نہیں ہے۔

جب وہ بیس سال کے ہوئے تو لاڈ میں آکر ان کی شادی ان کی ماموں زاد بہن زینب سے کر دی گئی۔ ہماری امی اس قدر خوبصورت تھیں کہ آج تک لوگ ان کی تعریف کرتے ہیں۔ بہر حال شادی کے سال بھر بعد ہماری بڑی باجی (ریحانہ) پیدا ہو گئیں۔ وہ ان سے بلیا یا ابا کہلاتے ہوئے شرماتے تھے۔ بڑی باجی سب کی دیکھا دیکھی انہیں بھائی کہنے لگیں۔ اس طرح وہ اپنی اولاد کے بھائی ہو گئے اب میں انہیں بھائی ہی کہوں گی۔

بھائی شاعر تھے یہ تعجب خیز بات نہیں ہے۔ تعجب خیز بات یہ ہے کہ بہت بعد میں شاید 1964ء وغیرہ میں انہوں نے مراقبہ اور یوگا شروع کیا۔ مگر وجدان کی حالت ان تمام کاموں سے پہلے ہی عروج پر تھی۔ ان کی نظم ”لبو سے اپنے نہلایا گیا ہوں“ اس بات کا ثبوت ہے کہ انہیں اپنے بارے میں معلوم ہو گیا تھا کہ ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ بھائی نے جب مراقبہ اور یوگا شروع کیا تو وہ ذہنی طور پر بہت پریشان تھے۔ وہ یہ مشقیں گھنٹوں کرتے رہتے اور رفتہ رفتہ ان پر عالم غیب کے دروازے کھلنے لگے۔ نفس مطمئنہ کی دولت حاصل ہو گئی جب انہوں نے اس علم کو عام کرنے کا ارادہ کر لیا۔ وہ جانتے

تھے کہ دنیا کے لوگ ذہنی طور پر مر رہے ہیں، انہیں سکون کی تلاش ہے۔ اس طرح رئیس اکیڈمی کی پیدائش ہوئی۔ ہماری حویلی کے باہر کے کمرے میں ان کا دفتر قائم ہو گیا اور سکون حاصل کرنے کے متلاشی لوگ جوق جوق در جوق ان کے پاس آنے لگے۔ وہ انسان بغیر کسی غرض کے لوگوں کے دلوں پر اپنی محبت اور مومن مومن شخصیت کا چھاپا رکھنے لگا۔ 1981ء میں مجھے بھی شوق ہوا کہ میں بھی مراقبے اور مشقیں کروں مگر سوال تھا

بھائی سے اجازت لینے کا۔ ہم پانچویں بہنیں ان سے حد درجہ شرماتے تھے اور ڈرتے بھی تھے۔ وہ انسان جو شہد سے زیادہ مٹھا تھا نجانے کیا بات تھی کہ ہم ان کے سامنے نگاہ اٹھا کر بات نہیں کر سکتے تھے۔ بہر حال بڑی مشکوٰۃ سے کھانے کی میز پر میں نے ان سے کہا کہ میں بھی مشقیں کرنا چاہتی ہوں۔ وہ مسکرا کر خاموش ہو گئے۔ اس طرح میں نے ان کی خاموشی کو رضامندی سمجھ لیا اور مشقیں شروع کر دیں۔ میں اس قدر ٹھس پڑتی تھی کہ میزوں کوئی اثر ہی نہ ہوا، تب میں گھبرا گئی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے بھائی سے کوئی شکایت نہیں کی تھی مگر وہ میری کیفیت یہ خوبی جان گئے تھے۔ ایک دن شام کی چائے پر یکایک بھائی نے کہا ”بالی مشقیں جاری رکھو“ (ہمارے اردو بہرہ واسلے بنی کو بالی کہتے ہیں) میں اثبات میں سر ہلا کر رہ گئی۔

میری مشقیں جاری تھیں، اب ذرا ڈوبنے کی کیفیت شروع ہو چکی تھی۔ نور کا تصور بھی واضح ہونے لگا تھا کہ مزاحمت کا شدید حملہ ہوا۔ حسب سابق بھائی سے مشورہ کرنے کی توہمت تھی ہی نہیں۔ البتہ بوجھتی جاری تھی، سوچتی تھی کیا کروں، میں کام سے نٹ کر اپنے کمرے میں اداس لیٹی تھی جو بھائی خود ہی آ گئے۔

”شاہانہ بالی! یہ سب کچھ تو ہوتا ہی ہے۔ اچھا پریشان مت ہو۔“ یہ کہہ کر وہ چلے گئے۔ میں ہکا بکا رہ گئی۔ بڑی مشکل سے خود کو راضی کیا اور مشتوں میں دل لگایا۔ بنیادی بات یہی ہے کہ اپنے سرکش نفس پر قابو پایا جائے۔ بہر طور بدقت تمام پھر ڈوبنے کی کیفیت شروع ہوئی۔ نور کے جھماکے ہونے لگے، کانوں میں سرگوشیاں شروع

ہو گئیں۔ رات کو میں عموماً چھت پر آسمان تلے مشق کرتی تھی۔ نبھانے کہاں کہاں سے غیر مانوس سرگوشیاں ہوتی تھیں۔ کبھی مدھم کبھی واضح۔ ایسا بھی ہوا کہ میں مراقبہ کر رہی ہوں اور معلوم ہوا کہ کچھ ہیوے میرے پاس بیٹھے ہیں جو مجھ سے مخاطب ہونا چاہتے ہیں۔ اس کیفیت میں شدید خوف محسوس ہوتا اور خود کو ناتواں محسوس کرتی۔ اس کیفیت میں مسلسل اضافہ ہو رہا تھا۔ بھائی بغیر کچھ کہے میری نگرانی کر رہے تھے۔ وہ مجھے بہ غور دیکھتے اور نظریں بچا لیتے۔

ایک رات مراقبہ کرتے ہوئے گھوں گھوں کی آوازیں آنے لگیں۔ جیسے کہ پیہر چل رہا ہو۔ پھر لگا جیسے میرا وجود غائب ہو گیا اور میں دبیز دھوکے میں گر رہی ہوں، گرتی جا رہی ہوں۔ پھر شاید کوئی ہلکا سا کھٹکا ہوا اور میں ہوش میں آ گئی۔ اب یہ مسلسل ہونے لگا۔ گھوں گھوں کی آواز، دبیز بادلوں میں گرنے کی کیفیت مگر ایک بات عجیب ہوئی کہ بھائی کی آواز میرے ہمسرا رہنے لگی۔ مجھے اس تجربے میں لطف آنے لگا۔ یہ عجیب پر لطف سبز تھا۔ سرمئی اور سفید بادلوں میں ہولے ہولے اڑنے میں سرشاری کی حالت ہوتی تھی۔ کافی دنوں کے بعد حیرت انگیز واقعہ رونما ہوا۔ بھائی کی آواز میرے ساتھ تھی۔ میرا سفر جاری تھا۔ مجھے محسوس ہوا کہ میں کسی مقام پر اتر رہی ہوں۔

یہ ایک بادل صاف ہو گئے۔ ہر طرف گلجا اجالا سا تھا۔ میں نے خود کو ایک صحن میں پایا۔ یہ ایک بہت بڑا گھر تھا۔ اس کے دالان میں پانچ در تھے۔ دالان کے دونوں طرف کمرے بنے ہوئے تھے۔ آگن میں رائیل (موتیا) چنبیلی، جوی کے ڈھیروں پودے تھے۔ ایک انار کا اور ایک امرود کا درخت تھا۔ میں حیرت زدہ سی چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ بھائی کی آواز سرگوشی کر رہی تھی ”تمہارے خاندان کے لوگ یہاں موجود ہیں، مگر ابھی تمہاری نظر میں لطافت نہیں ہے۔“

میں غم زدہ ہو گئی۔ شاید میری آنکھیں بھی بھینگ گئی تھیں کہ مجھے جھٹکا لگا اور میں واپس آ گئی۔ یہ بتاتی چلوں کہ جب سے یہ لطافت کا سفر شروع ہوا تھا تب سے مجھے

روزانہ ہمارا چلنے لگا تھا۔ میرے شوہر علی جرار ہر طرح کا علاج کر رہے تھے مگر بے سود۔ دھتلیں کرتے ہوئے مجھے چھ سال ہو گئے تھے۔ پھر عرض کر دوں کہ میرے کہے بغیر بھائی کے اور میرے درمیان گفتگو جاری تھی میں خاموش رہتی اور وہ مجھے تسلی دیتے رہتے۔ انہوں نے کہا ”بائی تجھے اپنے خاندان سے بچڑے ہوئے لوگوں سے رابطہ کے لئے تیار کیا گیا ہے۔ یہ کام صرف تو کر سکتی تھی۔ تو گھبرانا مت۔ ان سے ملاقات کا وقت قریب آ گیا ہے۔ میں تیرے ساتھ ہوں۔“

ہاں یہ بتانا تو بھول گئی کہ میں اپنے گھر آ کر اترتی۔ پھر وہاں سے دادا جی (شاہ دلاست) کے دربار پر جاتی وہاں جا کر تادیب بھی دیتی اور پھر واپسی کا سفر شروع ہوتا۔ میں جو بے سدھ پڑی رہتی تھی تو میرے شوہر، بیٹے باجی امی، بڑی باجی سب یہی سمجھتے کہ میں بخاری کی وجہ سے سو رہی ہوں۔ میری کیفیات اور مشاہدات کا قصہ تو طویل ہے مگر میں قصہ کوتاہ کر رہی ہوں۔ ہوتے ہوتے 1988ء آ لگا۔ یہ اپریل کا یا مئی کا مہینہ تھا۔ ہو سکتا ہے جون یا جولائی ہو۔ مجھے ٹھیک طرح اب تک یاد نہیں آتا کہ کون سا مہینہ تھا۔ پھر حال میں سفر کرتی ہوئی امرود سے گھر پہنچ گئی۔ سب کچھ ویسا ہی تھا۔ وہ لبق و دق آگن، وہی پانچ در کا ویران دالان، وہی کمرے اور ان کی اداسی، رائیل، جوی، چنبیلی کی مدھوش خوشبو۔ میں حسب سابق پورے گھر میں پکراتی پھر رہی تھی کہ دالان میں کچھ ہیولوں کا احساس ہوا رفتہ رفتہ خالی دالان میں پٹنگ بچھے نظر آنے لگے۔ نماز کی چوکی میز اور اس پر رکھی ہوئی کتابیں۔ اور خاندان کے لوگ۔ ایک دم خاموشی اور ساکت اپنی جگہوں پر صورتوں کی طرح ایستادہ۔ میں بری طرح خوفزدہ ہو گئی کہ بھائی کی سرگوشی ابھری۔ ”گھبراؤ مت“ یہ سب تمہارے اپنے ہیں۔ تمہارے دادا (علامہ سید شفیق حسن ایلیا) تمہاری دادی نرجس خاتون، تمہاری ثانی زینب خاتون اور نانا سید ماجد حسن۔ ان سے ڈرو نہیں۔ یہ سب تمہارے منتظر ہیں۔“ بھائی کے سمجھانے سے میرا ڈر کانور ہو گیا۔ میں نے ان کی طرف مسکرا کر دیکھا۔ نانا بابا نے بغیر لب ہلائے مجھے مخاطب کیا اور باجی

ای کی خیریت دریافت کی۔ پھر وہ سب بغیر لب ہلائے مجھ سے باتیں کرنے لگے۔ مجھ سے ملنے پر خوشی کا اظہار کرنے لگے۔ دادی اماں اور نانی اماں نے بتایا کہ وہ روز نہیں ہوتے تھے مگر میری بصارت میں وہ لحاظ نہ تھی جو میں انہیں دیکھ سکتی۔ بابا یعنی دادا سید شفیق حسن نے مجھ سے کہا کہ یہ میری ان سے پہلی اور آخری ملاقات ہوگی۔ یہ سن کر میں تڑپ کر رہ گئی۔ میرا دل غم سے بوجھل ہو گیا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ نہانے کیا بات تھی۔ جونہی میری آنکھوں میں آنسو آتے تھے میرا سفر ختم ہو جاتا تھا۔ اب بھی یہی ہوا کہ ایک جھٹکا لگا اور میں نے آنکھیں کھول دیں۔ میری آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

سفر تو اب بھی ہو رہا تھا مگر ملاقات کی کوئی صورت نہ تھی۔ میرا سفر گھر اور دادا جی کے مزار تک رہ گیا تھا۔ آپ ہی آپ میرا جی اچاٹ ہونے لگا۔ یہ ستمبر 1988ء کی بات ہے۔ بخار اتر چکا تھا مگر دل بھاری بھاری سا تھا۔ یہ سفر میرے لئے بوجھ بننے لگا۔ میرا جی ہی نہیں چاہتا تھا کہ میں آنکھیں بند کروں۔ جب بھی میں اپنے آبائی گھر جاتی ہر طرف سرخی مائل دھند پھیلی ہوتی میں حیرت زدہ تھی کہ کیوں سرخی مائل دھند میں میرا گھر دھندلانے لگا ہے۔ ہر طرف نائے اور کبری اداسی تھی۔ اسی اداسی کا بوجھ بننے پر دھند میں بیدار ہو گئی۔ بیدار ہو کر تو اور بھی الجھن بڑھ گئی۔ میری آنکھوں کے سامنے سرخ سرخ دھبے ناچ رہے تھے۔ تیز دھوپ ہونے کے باوجود غیر محسوس سرخی مائل دھند ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ اور اداسی ناقابلِ تحریر۔ یہ بات 21 ستمبر 1988ء کی ہے۔ سارا دن میرا دل اداس ہی نہیں بلکہ ڈوبا ڈوبا سا رہا۔ بھائی کا چہرہ بھی بہت سنجیدہ اور اداس سا لگ رہا تھا۔ شام کو چھت پر جا کر پھر مر اتر گیا۔ نہ تصور بندھا نہ کوئی سفر ہوا۔ عجیب بے کلی میں وہ رات گزاری۔ دل تھا کہ اڑا جاتا تھا۔ صبح ہوئی اور میں نے بے چینی کے عالم میں مراقبہ شروع کیا۔ اور میں گھر پہنچ گئی۔ تمام رائٹل کے پھول نیچے پڑے تھے، چنبیلی اور جوی کے پودے جڑ سے اکھڑے ہوئے تھے، انار اور امرود زمین بوس ہو گئے تھے۔ ہمارا گھر سرخ آندھی کی زد میں تھا۔ دالان منوں ریت سے اٹا پڑا تھا۔ میں گھبرا کر زار و قطار

رونے لگی اور سب سابق بیدار ہو گئی۔ میں تیزی سے بھائی کے آفس گئی اور دنگ رہ گئی کہ ان کا چہرہ سرخ ہالے کے درمیان تھا۔ ان کی آنکھیں بالکل ابھنی شخص کی طرح تھیں میں جلاری سے واپس آ گئی۔ یہ 22 ستمبر 1988ء کا دن تھا۔ مجھے یہ معلوم نہ ہوسکا کہ شام کی چائے کے بعد ایک دھماکہ ہوگا اور یہ مہربان انسان جس کا دل ہر ایک کے لئے کھٹا ہے اپنے ہی خون میں نہلا دیا جائے گا۔ یہ محبت کا مینار منوں مٹی کے نیچے جاسوئے گا۔ ہاں واقعی شام پانچ بجے ایک دھماکہ ہوا اور سب ختم ہو گیا۔ وہ زخمی روجوں کا سیما، لکڑا کار شریف یوڑھا نا کردہ گناہ کی سزا میں مارا گیا۔ ان پر الزام تھا اور بڑا بھیا تک الزام جس کی سزا موت ہی ہو سکتی تھی اور وہ جرم تھا کچی لوگوں سے محبت، بے راہ نو جوانوں کو راہ دکھانا، ناامیدی کے اندھیروں کو امید کے اجالوں میں بدلنا، روتی آنکھوں میں یوڑھا نا کردہ گناہ کی سزا میں مارا گیا۔ یہ تمام الزام لے کر وہ اس دنیا سے چلے گئے۔ ہمارے ساتھ ساتھ کتنے ہی نو جوان مرد اور عورت یتیم ہو گئے۔ ہم بہنوں کا ایک اور بھی بڑا نقصان ہوا، ہمارا میکہ ڈھے گیا۔ ہمارا چونکہ کوئی بھائی تو ہے نہیں۔ وہی تھے جن سے میکہ آباد تھا۔ ایک سال تک باقی اسی اور ہم نہیں سکے کی سی حالت میں رہے۔ کچھ یاد نہیں کہ اس ایک سال میں کیا کیا ہوا۔ ایک سال بعد لرزے وجود کے ساتھ میں نے اکیڈمی سنہالی لی۔ مقدور مگر کوشش شروع کر دی کہ رییس اکیڈمی مرنے نہ پائے۔ لوگوں کے مردہ دلوں میں روشنی پھیلانے کی کوشش مگر اس کوشش میں کامیاب ہو سکی یا نہیں؟ مجھے نہیں معلوم؟

واقعات تو اور بھی گہرے اور طویل ہیں۔ مگر ان کے اظہار کی اجازت نہیں۔ مشتاقین تو میں بھی وہی کر رہی تھی جو عام طور پر کی جاتی ہیں۔ جن کی تفصیل بھائی نے لکھ دی ہے۔ اب کس پر کیا اثر ہوتا ہے۔ یہ مشتاقین کرنے والے پر ہے کاش یہ باتیں بھائی سے زبانی ہو سکتیں۔ آہ، افسوس! یہ ممکن نہ ہوا۔

برہما پس بعد وہ تمام کیفیات ذہن میں من و عن تازہ ہیں۔ سوچا کہ کیوں نہ میں بھی اپنے حیرت انگیز تجربات کو کتاب میں شامل کر دوں۔ بھائی کے بعد بڑی مشکل

سے اکیڈمی کو پھر سنبھالا۔ اب حالت یہ ہے کہ اگر مجھ سے کوئی مشورہ چاہتا ہو تو میں مسعود الحسن اور عون علی خرم کے ذریعے سے انہیں مشورہ دے دیتی ہوں۔

☆☆☆

نفس و نفس

پہلی کتاب ”نفسیات و مابعدالنفسیات“ اس وعدے کے ساتھ پیش کی گئی تھی کہ آئندہ رسالوں اور کتابچوں میں نصاب تعمیر و تنظیم شخصیت (SELF CULTURE TRAINING COURSE) کے نمایاں پہلوؤں اور (S.C.T) کی مختلف مشقوں پر الگ الگ اور مستقل بحث و گفتگو کی جائے گی، اور اس سلسلے میں لوگوں کو جو تجربے ہوئے ہیں۔ ان پر جو کچھ گزری ہے! انہوں نے جو کچھ دیکھا ہے۔ اس تمام مواد کو زیر بحث لاکر ”نفس انسانی“ کی حیرت انگیز قوتوں اور عظیم الشان صلاحیتوں کا پورا یا اظہوراً تخمینہ لگایا جاسکے گا۔ پہلے مجموعے میں شعور، تحت الشعور، لاشعور، جذبات، جبلت اور نفس انسانی کی پیچیدگیوں اور نفسیاتی الجھنوں کے اسباب و نتائج پر بحث کرنے کے ساتھ نفسیات و مابعدالنفسیات، رویت خارق العادات مظاہر (SUPER-NORMAL) رویائے صادقہ، تحلیل نفسی، تجزیہ ذات اور تعبیر خواب وغیرہ پر بھی گفتگو کی گئی تھی اور اس اصولی فرق کو واضح کیا گیا تھا جو نفسیات و مابعدالنفسیات اور روحانیت کے درمیان پایا جاتا ہے۔

نفسیات کا فن ذہن کے عمل سے بحث کرتا ہے۔ مختلف مہیجانات و محرکات (بیجان و حرکت میں لانے والی چیزیں) اور جذبات ذہن پر کس طرح اثر انداز ہوتے ہیں اور اس اثر اندازی کے جواب میں ذہن کا رد عمل کیا ہوتا ہے اور کیوں ہوتا ہے؟ یہ تمام مباحث نفسیات سے تعلق رکھتے ہیں جب علم النفس کا طالب جذبات و جبلت اور جبلت رو عمل کی بحثوں اور نظریوں کے نیم تاریک جنگلوں سے گزر جاتا ہے تو مابعدالنفسیات

کے اسرار و رموز کی انجان دنیا میں شروع ہوتی ہیں۔ نفس انسانی کی ان اندھیری انجان اور پراسرار داد یوں کا سفر جتنا حیرت انگیز ہے۔ اس سے زیادہ باعظمت اور شاندار بھی ہے۔ ماہ و مریخ کی تسخیر کے اس تعجب انگیز دور میں بھی انسانی دماغ قریب قریب نامعلوم براعظم کی حیثیت رکھتا ہے اور نفسیات سماجیات اور حیاتیات کے عالم اور محقق آج بھی اس ان دیکھی انجان اور ان پوچھی دنیا (نفس انسانی) کی صرف چند بیرونی چوکیوں تک ہی پہنچ سکے ہیں، خلائی سائنس دانوں کو فضا کے کائنات کے پچھلے پچھلے بارے میں کچھ نہ کچھ معلومات ضرور حاصل ہیں۔ لیکن ذہنی حیثیت سے خود کتنے گہرے کتنے چوڑے اور کتنے لمبے ہیں، یہ حیثیت ہنوز نظر سے اوجھل ہے۔ یوں دیکھنے میں تو آدمی کی حیثیت تو وہ خاک سے زیادہ نہیں لیکن اگر اس راکھ کے ڈھیر کو کر دیا جائے تو پتہ چلے گا کہ کیسے کیسے نایاب موتی اور انمول جواہر خاک و حمل میں اُٹے پڑے ہیں؟

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں

جب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

☆☆☆

تادم واپسیں

نفسیات ہو یا مابعد نفسیات، ان دونوں کا موضوع فکر نفس ہے۔ طبی نفسیات نفس کے غیر معمولی (AB NORMAL) مظاہر مثلاً تقسیم شخصیت، اعصابی خلل، ذہنی انتشار اور نفسیاتی الجھنوں وغیرہ سے بحث کرتی ہے اور مابعد نفسیات سپرنارل کرشوں سے، آپ جلد اول میں (S.C.T) کی مختلف مشقوں کا ذکر پڑھ چکے ہیں۔ یہ مشقیں ”نفس انسانی“ کی غیر معمولی صلاحیتوں کو بیدار کرنے، ذہنی و دماغی ترقی اور نفسیاتی صحت مندی کے لئے کی جاتی ہیں۔ ان میں سانس کی مشقوں کو درجہ اول کی اہمیت حاصل ہے۔ آپ حیران ہوں گے کہ ”تغیر و تنظیم شخصیت“ کی تمام مشقوں میں سانس کی ترتیب و تنظیم پر اس قدر زور کیوں دیا جاتا ہے؟ اس نصاب کا واحد مقصد اور نصب العین (AIM) انسان کی قوت ارادی کو اجاگر کرنا ہے۔ انسانیت کی عظمت صرف اس کی قوت ارادی میں پوشیدہ ہے۔ انسانی ارادہ قاتح کائنات بھی ہے، معمار حیات بھی! ہماری تمام ذہنی الجھنوں، تمام ذہنی پریشانیوں اور تمام روحانی گھٹیوں کی تہہ میں صرف ارادے کی کمزوری کارفرما ہوتی ہے۔ ہم اپنے وحشی، بے روک اور پرشور جذبات پر صرف قوت ارادی کی بدولت قابو پا سکتے ہیں۔ انسانی جہتوں (مثلاً بھوک، جنس، تشدد وغیرہ) اور انسانی جہتوں کے سرچشمے سے پھوٹنے والے جذبات کا تعلق، ہمارے اعصاب و غدود کے عمل سے ہے اور سانس کا زیر و بم بھی اسی نظام اعصاب سے تعلق رکھتا ہے۔ گویا جذبات کا اتار چڑھاؤ اور سانس کی آمد و شد ایک ہی مرکز سے وابستہ ہے۔ اس مرکز کو

۱۔ ”لے سانس بھی آہستہ“ کا پہلا ایڈیشن ختم ہو چکا ہے۔

خود مختار اعصابی نظام کہتے ہیں۔ فعلیات اور نفسیات کے ابتدائی طالب علم بھی جانتے ہیں کہ جسمانی ڈھانچے میں نمایاں اہمیت رکھنے والے اعصابی نظام صرف دو ہیں۔ (1) اعصاب کا ایک نظام وہ ہے جسے دماغی نخاعی نظام (CEREBRO SPINAL SYSTEM) کہتے ہیں (یہ بھی کئی حصوں میں تقسیم ہے)۔ (2) دوسرا تائیدی اعصابی نظام (SYMPATHETIC SYSTEM) کہلاتا ہے۔

پہلا دماغی نخاعی نظام، انسانی ارادے کے تحت ہے اور دوسرا تائیدی عصبی نظام، خود مختار اور ارادے کی گرفت سے آزاد ہے۔ میں نے ان سطروں کی تحریر کے وقت جتنے کام کے مثلاً کاغذ سامنے رکھنا، قلم انگلیوں میں پکڑنا، دماغ کو مضموں کی طرف متوجہ کرنا، عبارت کی گنجائش کا لحاظ اور صرف ایک موضوع بحث کو پیش نظر رکھنا، الفاظ کو صاف صاف سیدھی سطروں میں لکھنا، ناپسندیدہ فقروں کو کاٹنا، مضمون سے تعلق نہ رکھنے والی بحثوں کو حذف کر دینا، قلم میں روشنائی بھرنا، ورق الٹنا، غرض اس عبارت کی ترتیب و تحریر کے سلسلے میں جتنے کام کئے گئے ان سب کا تعلق دماغ اور اعصاب کے اس سلسلے سے ہے جو قوت ارادہ کے تحت ہے اور جسے میں جان بوجھ اور سوچ سمجھ کر حرکت میں لاتا ہوں۔ لیکن اس کام کا معنی تحریر مضامین کے ساتھ ساتھ میرے دماغ اور اعصاب کا دوسرا نظام (تائیدی عصبی سسٹم) بھی خود بخود کام کرتا رہا اور مجھے اس کی سرگرمیوں کی خبر تک نہ ہوئی، مثلاً سانس چلتا رہا، دل دھڑکتا رہا، رگوں میں خون گردش کرتا رہا، نبض جاری رہی، بار بار پہلو بدلا جاتا رہا، گرے ہوئے بالوں کو سلجھاتا رہا، سر کھجاتا رہا۔ غرض تحریر عبارت کے دوران بہت سی غیر شعوری حرکتیں اور غیر فعلیتیں سرزد ہوتی رہیں اور سارا کام، دماغ اور اعصاب کے خود مختار سسٹم نے انجام دیا۔ نظام جذبات بھی بہت حد تک اسی سسٹم سے تعلق رکھتا ہے جس طرح ہم عام حالات میں سانس کی رفتار اور عام قدرتی حرکات (مثال کے طور پر پلک جھپکنا) کو کنٹرول نہیں کر سکتے، اس طرح جیجان جذبات اور طوفان

احساسات کے وقت دل و دماغ کو معتدل و متوازن رکھنا، قریب قریب ہمارے امکان سے باہر ہو جاتا ہے۔ انسان جذبات کی رو میں وہ سب کچھ کر گزرتا ہے جس کا بحالت شعور تصور بھی نہیں کر سکتا۔ جذباتی کیفیت میں ذرا سی تبدیلی کے ساتھ سانس کی رفتار بھی بدل جاتی ہے، غم کی شدت میں گہرے گہرے سانس لینا، مایوسی اور بے بسی کے عالم میں دم گھٹنا، خوف میں نیچے کا سانس نیچے اور اوپر کا سانس اوپر رہ جانا، غصے میں ہانپنا، جنسی جیجان میں تنفس کی تیزی، حملہ کے وقت سانس روک لینا، شدت حیرت میں سانس کا انک انک کر چلنا، اطمینان و سکون کا گہرا سانس، رنج و اندوہ کا ٹھنڈا سانس، چوٹ کھا کر کراہنا، مایوسی میں آہ آہ، ہنسنے میں قہار قہار اور مسرت میں واہ واہ! یہ سب اس بات کا ثبوت ہیں کہ جذبات کی رفتار کو ناپنے کے لئے سانس کے اتار چڑھاؤ کو کتنی اہمیت حاصل ہے۔ بلاشبہ سانس، نفس کے آلہ جذبات پیدا کی حیثیت رکھتا ہے۔ پھر یہ تو بنیادی اور بدیہی حقیقت ہے کہ نفس (جان) کا دار و مدار ہی نفس پر ہے۔ نامناسب نہ ہوگا، اگر اس موقع پر ”نفسیات و مابعد نفسیات“ کا ایک اقتباس پیش کر دیا جائے۔ میں نے پہلے مجموعے میں سانس کی شفا بخشیوں اور معجزاتیوں پر گفتگو کرتے ہوئے عرض کیا تھا کہ ”شیخ سعدی“ نے اپنی نادر روزگار کتاب ”گھٹان“ کا آغاز ایسے فقرے سے کیا ہے جو صدیوں سے ضرب المثل کے طور پر استعمال ہو رہا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ”ہر نفسیہ کہ فردی رد مدح حیات است و چوں برآید مفرح ذات“، یعنی ہر سانس جو اندر جاتا ہے زندگی کا سہارا ہے اور جب باہر آتا ہے تو ذات کو فرحت بخشتا ہے۔ درحقیقت شیخ سعدی نے کہ ہر فقرہ ان کا حکمت و اخلاق کی ہزار کتابوں پر بھاری ہوتا ہے، ان چند لفظوں میں یوگ، تصوف، فعلیات اور حیاتیات کے ہماری بحر علوم و فنون کا نچوڑ پیش کر دیا۔

زندگی کیا ہے، سانس کا تسلسل، عمر شاری درحقیقت نفس شاری کا نام ہے۔ طول حیات کو دن، مہینے اور سال سے ناپنے کے بجائے سانسوں کی تعداد سے ناپنا چاہئے۔

سانس بند ہوا اور روح و جسم کی مشترکہ مشین چلتے چلتے رک گئی۔ اس موقع پر مجھے وہ فقرہ یاد آ رہا ہے جو کراچی جیل میں پچاسی پانے والے مجرم عبداللہ فیروز^۱ سے جیل کے ناظم نے کہا تھا۔ جب خیرہ جلاد نے عبداللہ فیروز کی گردن میں پچاسی کا پھندا کس دیا اور سرہ کھینچا جانے لگا تو ناظم جیل نے مجرم کو دلاسا دیتے ہوئے کہا کہ:

”عبداللہ فیروز۔ کلمہ پڑھ کر سانس باہر نکال دو۔“

چنانچہ اہل ریسیدہ عبداللہ فیروز نے حکم کی تعمیل میں سانس خارج کرتے ہوئے جان، جان آفریں کے سپرد کر دی۔

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

بچہ ماں کے پیٹ میں سانس لینا شروع کر دیتا ہے اور یہ سلسلہ ”تام واپس“ جاری رہتا ہے۔ دنیا کی ہر زندہ مخلوق سانس لینے پر مجبور ہے۔ کیونکہ سانس لے بغیر وہ زندگی اور توانائی یعنی ”روح حیات“ کے ان بے کراں دھاروں سے فائدہ نہیں اٹھا سکتی جو کائنات میں ہر طرف رواں دواں ہیں۔ ہماری زندگی کا انحصار اسی ہوا پر ہے جو ہم سانس کے ساتھ سانس لیتے اور حلق کے راستے باہر نکال دیتے ہیں۔ سانس کی باقاعدہ ریاضت کرنے والے ناک کے داہنے نٹھے والے سانس کو ”نشی رو“ (سولر کرنٹ) اور بائیں نٹھے والے سانس کو قمر لہر ”لیویز کرنٹ“ کہتے ہیں۔ پہلا مثبت ہے اور دوسرا منفی! ہر سانس کے ساتھ روح حیات کی عظیم الشان رو ہمارے اندر داخل ہوتی ہے اور ہر اخراج کے ساتھ کاربن ڈائی آکسائیڈ کی کثیر مقدار باہر نکل جاتی ہے۔ ناک کے دونوں نٹھوں کے منفی اور مثبت اثرات سے فائدہ اٹھانے کے لئے متبادل طرز تنفس کی سفارش کی جاتی ہے۔ متبادل طرز تنفس یکے بعد دیگرے دائیں بائیں نٹھے سے سانس لینے کو کہتے ہیں۔

۱۔ عبداللہ فیروز کو کراچی ایئر پورٹ پر پولیس کے نائب وزیر خاندان اور دوسرے لوگوں کے قتل کے جرم میں سزائے موت دی گئی تھی۔

اس مشق کو لے (S.C.T) کی مشقوں میں بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ مبتدی طالب علم سے پہلے شخص نور کی مشق کرائی جاتی ہے، یعنی نور کے تصور کے ساتھ بیک وقت ناک کے دونوں سوراخوں سے سانس اندر کھینچنا قابل برداشت حد تک سینے میں روکنا اور آہستہ آہستہ ناک کے راستہ خارج کر دینا۔ ہمارا نظام تنفس، جس پر حیات انسانی کا دار و مدار ہے، کائنات کے ابدی تنفس کا حصہ ہے۔ کائنات روح حیات کے جو سانس لیتی اور خارج کرتی ہے وہی روح ہوا کے ذریعے ہمارے اندر پہنچ کر جسم کے ہر خلیے کو زندگی اور توانائی سے لبریز کر دیتی ہے۔

☆☆☆

مرچو
لے مالک کل منیر والدین پر رحم فرما۔۔۔۔۔ آمین

۱۔ رسائل بعد الصلوات میں ان تمام مشقوں کی تفصیل درج کر دی گئی ہے یہ رسالے صرف ادارہ من عرف لکھ (معن) کے طلبہ کے لئے ہیں۔

زمین اور انسان

”زمین اور انسان“ نامی کتاب کے مصنف واج سوتھ نے لکھا ہے کہ ”چوبیس گھنٹے میں زمین ایک سانس خارج کرتی ہے اور ایک سانس اندر کھینچتی ہے۔“ (مصنف کے لفظوں میں) زمین کے سانس لینے کا وقت تین بجے صبح تک اور سانس خارج کرنے کا وقت تین بجے سے پہر تک ہے۔ اس کتاب (EARTH AND MENSCH) میں ڈاکٹر گتھر واج سوتھ نے زمین کے تنفس کے اثرات پر نہایت علمی اور سچے سچے انداز میں بحث کی ہے، لکھا ہے کہ صبح (قبل طلوع آفتاب) کا وقت انسانی روح پر گہرے اثرات ڈالتا ہے۔ بچوں کی پیدائش سب سے زیادہ آخر شب ہوتی ہے اور اموات بھی اکثر دن نکلنے سے قبل ہی ہوتی ہیں (موت کے لئے یہی وقت مقرر کیا گیا ہے)۔ ڈاکٹر ای جینی کا بیان یہ ہے کہ اس وقت پچھڑوں میں ۳۸۰۰ مکب سینٹی میٹر خون جمع ہو جاتا ہے اور خون میں اس وقت کم سے کم حرارت پائی جاتی ہے، یہ سب زمینی سانس کے اثرات ہیں۔ کہہ ارض کے سانس لینے اور خارج کرنے کا عمل انسانی جسم کے غدد (گلینڈز) پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔ صبح تین یا چار بجے کے درمیان نیز سے پہر یعنی سورج نکلنے اور ڈوبنے سے پہلے خون میں نازک کیمیائی تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں جن کا اثر طبیعت کی فرحت و بشارت یا اداوی اور مایوسی کی شکل میں محسوس ہوتا ہے۔ ذہن کو کنٹرول کرنے اور جذبات کی شدت پر قابو پانے کے لئے سانس کی مشقوں کی جو اس قدر سفارش کی جاتی ہے، اس کا سبب یہی سائنسی نظریہ ہے۔ اگر ہم انفاس کی آمد و شد کو ارادے کے تحت لے آئیں تو رفتہ رفتہ اپنی ترقی پذیر قوت ارادی سے بچان جذبات پر

بھی غالب آجائیں گے۔

نفسیاتی صحت مند اور جذباتی بحالی کا انحصار اس بات پر ہے کہ شعور، لاشعور کو کنٹرول کرے یعنی دل و دماغ پر غالب رہے۔ سانس کی تربیت و تنظیم سے یہی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ مشقیں عام جسمانی صحت اور قدرتی تندرستی کو بحال کرنے کے سلسلے میں بھی بے حد مفید ہیں۔ جو لوگ پابندی سے مشقیں کرتے ہیں، ان کی اکثریت کو نمایاں جسمانی اور اعصابی فوائد کا احساس ہوتا ہے۔ مثلاً معدے کی درستی، کھل کر بھوک لگانا، قبض کھنکی، ریاضی تکلیف سے آفاقہ، سگریٹ سے نفرت، جنسی قوت میں اضافہ، چہرے پر نکھار، آنکھوں میں چمک، آواز میں محاسن اور لطافت کا ظہور، سکون قلب، فرحت دماغ اور نشاط روح وغیرہ وغیرہ۔ بلاشبہ سانس کو کنٹرول کرنے کے معنی یہ ہیں کہ رفتہ رفتہ خود مختار اعصابی نظام کی حرکت کو مسخر کر لینے سے جذبات، تخیلات، تاثرات، محسوسات، غرض خیال، توجہ، حافظہ اور تصور سب پر انسانی ارادہ حکمران ہو جاتا ہے۔ نفسیاتی سرینیں ہمیشہ جذباتی دباؤ میں مبتلا رہتے ہیں، اسی جذباتی دباؤ کے نتیجے میں عصبی خلل (نیورائٹس) یا نیورائٹ پیدا ہوتی ہے۔ متواتر تجربوں سے ثابت ہو گیا ہے کہ اس نیورائٹ کا بہترین اور کامل ترین علاج سانس کی مشقیں ہیں۔ جسم اور نفس کی صحت کے علاوہ یہ مشقیں روحانی ترقی کی سنگ بنیاد بھی ہیں۔ روح کی بیداری کی پہلی شرط یہ ہے کہ نفس کے مٹی جیسے (نفس امارہ جو شرکی طرف لے جاتا ہے) کو فتح کیا جائے، اسی کو جہاد کہتے ہیں۔ اس جہاد نفس کا سب سے بڑا ہتھیار ”سلسلہ انفاس“ کی تنظیم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیوں کے پاس انفاس جس دم، ذکر نفی و اثبات، سلطان الاذکار اور یوگیوں میں پُرانا PRANAYAMA کو اتنی اہمیت دی جاتی ہے۔ سانس ہوا کی آمد و شد کا نام ہے اور ہوا، روح حیات کی قاصد ہے۔

آیا وہ آیا اے دل وہ آیا

باد سحر تھی جس کی پیائی

روح حیات

انسان میں روحانیت کی چنگاری اس وقت چمکی، جب قدرت نے اپنی روح اس کے نقتوں میں پھونکی اور دفعتاً اشت خاستر، روحانی نور و شعور سے جگمگانے لگی۔ یہ کس قسم کی روح تھی، اس روح کی حقیقت کیا ہے؟ ہم اس بھید سے ناواقف ہیں۔ اس سلسلے میں انسان کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے لیکن سانس کی صورت میں ہوا ہے جو روح ہم اپنے اندر کھینچتے ہیں، یا ہوا جس روح کو ہمارے نقتوں کے اندر برابر پھونکتی رہتی ہے، اس کا بھید ان لوگوں کو ضرور معلوم ہے جو کائنات کے رموز پر غور کرنے کے عادی ہیں۔ بظاہر زندگی کا انحصار دو سانسوں پر ہے، ایک سانس وہ جو اندر کھینچا جائے، دوسرا وہ جو باہر نکالا جائے۔ مگر ہوا، عیس سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی، ہوا کی شکل میں جو عیس ہمارے اندر داخل ہوتی اور خارج ہوتی ہے، وہ بجائے خود زندگی نہیں بلکہ ”روح حیات“ کا ایک مادی مظہر ہے اور بس۔ سانس کی تنظیم سے درحقیقت ہم اس روح حیات کی تنظیم کرتے ہیں، جو کائنات کو زندہ اور تابندہ رکھتی ہے۔ لوگ میں اس روح کو ”پران“ کہا جاتا ہے، پران کے معنی آپ جان سمجھ لیجئے۔ اردو کا محاورہ ہے ”میرے پران کوچ کر گئے“ یعنی میری جان نکل گئی۔ باوصا ہو، جسم شام، سوم بوسر یہ سب ہوائیں روح حیات سے لبریز ہیں۔ زندگی اس روح کا عطیہ ہے، یہ روح نہ آسکجن ہے نہ کوئی اور گیس، نہ ہوا تک محدود ہے۔ بلکہ اس روح حیات کے ذخیرے، غذا، پانی اور دھوپ میں بھی پائے جاتے ہیں۔ ہوا، پانی اور غذا۔ ان ذریعوں اور ویلوں کی حیثیت رکھتے ہیں، جن سے اس روح کو جسم میں جذب کیا جاتا ہے۔ وہ ساری چیزیں اس روح سے ”چارج“ اور

برقائی ہوئی ہوتی ہیں۔ حیوانات اور نباتات بھی اپنے اپنے طریقے پر اسی توانائی کو حاصل کر کے زندگی کو قائم رکھتے ہیں۔ اگرچہ ہوا، روح حیات کے حصول کا اعلیٰ ترین وسیلہ ہے (پانی اور غذا کا نمبر اس کے بعد آتا ہے) تاہم یہ روح ہوا کی محتاج نہیں، جہاں ہوا کا گزر نہیں وہاں بھی روح کارفرما ہے۔ ایک آسان مثال کے ذریعے آپ روح اور ہوا کے تعلق کو سمجھ سکتے ہیں، نلکے میں پانی گزر کر پیاسے کے حلق تک پہنچتا ہے۔ نلکا بجائے خود پانی نہیں، پانی کے بہاؤ کا وسیلہ ہے اسی طرح ہوا، روح حیات کے لئے نلکے کی حیثیت رکھتی ہے۔ سائنسدان اس روح کو ”کائناتی توانائی“ کے نام سے پکارنا مناسب سمجھتے ہیں اور درحقیقت کائنات کی سب سے بڑی توانائی یہی عالمگیر قوت ہے۔ بجلی، مقناطیسیت، اعصابی طاقت اور خیال کی قوت یہ سب کیا ہیں۔ اسی قوت کے مختلف کرشمے، جس طرح بجلی کہیں بلب روشن کرتی ہے، کہیں پنکھا چلاتی ہے، کہیں ریفریجریٹر کو ٹھنڈا یا گرم رکھتی ہے، کہیں استری کرتی ہے، کہیں مشین گھماتی ہے، کہیں گاڑیاں کھینچتی ہے، کہیں جھنکا (ٹشاک) مارتی ہے، کہیں توانائی بخشی ہے۔ اسی طرح یہ روح، دماغ میں فکری سرگ روشن کرتی ہے۔ دہن میں خیال کو ہم دیتی ہے، دل میں جذبات کے تقے فروزاں کرتی ہے۔ تصور میں تحلیل کے پھول کھلاتی ہے۔ اعصاب میں جذباتی طاقت دوڑاتی ہے، جسم کی رگ رگ کو قوت سے لبریز کر دیتی ہے۔ کائنات میں روشنی، حرارت، برودت اور کشش کے مظاہر کو وجود میں لاتی ہے۔ مختصر یہ کہ کارخانہ کائنات کے تمام کل پرزوں کا ایندھن صرف یہی قوت ہے، جسے کبھی روح حیات کہا جاتا ہے، کبھی روح تخلیق، کبھی روح کائنات اور کبھی روح ارتقاء! انصاف تعمیر و تنظیم شخصیت میں جتنی مشقیں تجویز کی جاتی ہیں، ان سب کا مقصد یہی ہے کہ اس صحت بخش، فرحت بخش اور جان بخش قوت کی زیادہ سے زیادہ مقدار کو خاص ترتیب و تنظیم کے ساتھ اپنے اندر جذب کیا جائے۔ یہ روح جب ایک خاص نظم و ضبط (ڈسپلن) کے ساتھ غذا، پانی اور ہوا کے ساتھ خون میں شامل ہوتی ہے تو دل و دماغ، اعصاب اور جذبات سب بیک وقت متاثر

لے سانس بھی آہستہ

26

ہو جاتے ہیں۔ انسانی وجود میں روح حیات کی کارکردگی کا سب سے نفیس مظاہرہ شعور کی سطح پر ہوتا ہے، یعنی شعور اپنی سطح سے بلند تر ہو کر شعور برتر کی شکل اختیار کر جاتا ہے اور یہ شعور برتر کی سطح ہی ہے، جہاں تمام خارق العادات (سپر نارمل) مظاہر مثلاً ادراک مادرائے احساس (E.S.P) اشراق، ٹیلی پتھی، غیب دانی، مستقبل بینی، کشف قلوب اور تفسیر نفوس (دوسروں کو اپنی طاقت سے مسح کر لینا) وغیرہ کی صلاحیتیں برسر کار آتی ہیں۔

روحانی صحت کے علاوہ یہ روح تندرستی کا بھی سرچشمہ ہے، ہوا جب روح حیات سے چارج ہو کر پیچیدوں میں داخل ہوتی ہے تو خون کی صفائی عمل میں آتی ہے اگر ذرا سی دیر کے لئے بھی پیچیدوں کی حرکت رک جائے تو لامحالہ جسمانی حرکت و قوت کی تمام علامتیں معطل ہو جائیں گی۔ سانس کی مشق کے ذریعے پیچیدوں کی حرکت کو کنٹرول کیا جاتا ہے تاکہ اس کے ذریعے جسم کے دوسرے اعضاء کو ارادے کے تحت لایا جاسکے۔ جو لوگ مشق شخص کے ذریعے روح حیات کی گردش اور عمل پر قابو پالیتے ہیں وہ اس اعصابی نظام کو حسب مرضی استعمال کر سکتے ہیں۔ جو بالعموم انسانی اختیار اور ارادے سے باہر ہے مثلاً نبض کی جنبش، اعصاب کی حرکت اور دل کی دھڑکن۔ شخص کے ماہرین ہموک، پیاس اور سردی و گرمی کی شدت سے کبھی مغلوب نہیں ہوتے۔ کیونکہ ہموک پیاس کے احساس سے تعلق رکھتے اور سردی گرمی، سختی نرمی، تنگی شیریابی اور بدبو اور خوشبو کو محسوس کرنے والے خود مختار اعصاب بھی ان کے زیرِ حکم ہوتے ہیں۔ روح حیات کی تفسیر کے نتیجے میں جسم میں شفا بخشی کی قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ پیاریوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ عجیب قسم کی مسرت نازگی اور ذاتی مقناطیسیت حاصل ہوتی ہے۔ بالعموم ہم جس طرح سانس لینے کے عادی ہیں، اس طریقے سے روح حیات کی بہت معمولی مقدار اندر پہنچتی ہے لیکن جب سانس کو کھینچنے، سینے میں روکنے اور خارج کرنے کا عمل (S.C.T) کے اصول کے مطابق کیا جاتا ہے تو اس توانائی کی بہت بڑی مقدار اعصابی مرکزوں اور قلب و دماغ میں ذخیرہ (اسٹور) ہو جاتی ہے، جسم میں روح حیات کا بنیادی عصبی مرکز (SOLAAR)

لے سانس بھی آہستہ

27

(PLEXUS) زیر ناف واقع ہے، جسے تصوف کی اصطلاح میں ”لطیفہ زیر ناف“ کہتے ہیں۔ حد یہ ہے کہ خود دماغ بھی اپنی توانائی اسی لطیفہ زیر ناف سے حاصل کرتا ہے۔ روح حیات سے لبریز وجود اپنے ماحول میں روشنی کے مینار کی حیثیت رکھتا ہے، جو لوگ اس کے قریب آتے ہیں وہ نئی زندگی، نئی نازگی سے سرشار ہو جاتے ہیں۔ میرا ذاتی تجربہ اور مشاہدہ یہ ہے کہ اس عمل کے ماہرین اپنی قوتوں کو اس طرح چھپاتے ہیں جس طرح شیش ناگ اپنے من کو! نہ وہ جانباً خارق العادات صلاحیتوں کا مظاہرہ پسند کرتے ہیں۔ کیونکہ ان مخفی قوتوں کے اندھا دھند استعمال کے نتائج ہمیشہ تباہ کن نکلے ہیں۔ ایک کامل انسان اپنے جسم سے نکلنے والی لہروں کے ذریعے دوسرے لوگوں میں بھی وہی ارتعاش (VIBRATION) پیدا کر سکتا ہے۔ مقناطیسی علاج، تنویمی علاج اور روحانی علاج، یہ سب انہی مخفی لہروں کے کرشمے ہیں۔ عام لوگ اپنے روزمرہ کے معمولات میں روح حیات کی معجز نمایوں سے کام لیتے ہیں مگر وہ اس کی اہمیت سے واقف نہیں ہوتے۔ جب آپ کسی دوست یا عزیز کی عیادت کو جاتے ہیں تو بیا اوقات مزاج پر کسی کے طور پر لہنا ہاتھ اس کی پیشانی پر رکھ دیجئے ہیں یا مریض کے درجہ جسم کو تھیلی سے سہلانے لگتے ہیں۔ درحقیقت یہ ایک قدرتی اشارہ ہے تاکہ صحت بخش قوت مریض کے جسم میں اٹھیں اور ہتھیلیوں کے ذریعے منتقل ہو جائے۔ اس طرح مریض عجیب افادہ محسوس کرتا ہے۔ مریض کے جسم کو سہلانا یا سر اور جسم دبانہ قدرتی علاج ہی کی دو شکلیں ہیں۔ ذرا تصور کیجئے اگر آپ گھٹنوں کے بل گر جائیں تو کیا کریں گے؟ یہ کریں گے کہ سانس روک کر ہاتھ سے ضرر رسیدہ گھٹنے کو دبانے لگیں گے۔ یہ ایک جلیبی عمل ہے جسے ہر شخص دہراتا ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ سانس روک کر فاضل توانائی کو ہتھیلی کے ذریعے چوٹ کھائی ہوئی جگہ منتقل کیا جاسکے۔ جب آپ دوڑ لگاتے ہیں یا کشتی میں کوئی داؤ کرتے ہیں یا کہیں چڑھتے یا کہیں کودتے ہیں تو سانس روک لیتے ہیں تاکہ اعصاب کی مزید طاقت کو استعمال میں لایا جاسکے۔ حقیقت یہ ہے کہ سانس روکنے سے اعصابی توانائی اسٹور ہو جاتی

ہے جس چیز کو ذاتی کشش یا شخصی متعلقیت کہتے ہیں، وہ روح حیات ہی کی جاذبیت ہے۔ جس شخص میں جتنی روح حیات ہوگی اس کی شخصیت میں اتنی ہی کشش اور دلکشی پائی جائے گی۔ بعض شخصیتیں دوسروں کو مسحور کر لیتی ہیں۔ یہ جادو، روح حیات ہی کے عمل سے بیدار ہوتا ہے۔ زندگی کے مختلف شعبوں میں جتنی بڑی شخصیتیں پیدا ہوئی ہیں، خواہ ان کا تعلق مذہب سے ہو یا سیاست سے، سائنس سے ہو یا ادب سے وہ سب کی سب روح حیات کا مکمل مظہر تھیں۔ اسی قوت کے بل پر انھوں نے لاکھوں انسانوں کو متاثر کیا۔ تاریخ کی رفتار کو بدل ڈالا اور ایسے حیرت انگیز کارنامے انجام دیے کہ عام لوگ انھیں ”معجز نما“ سمجھنے لگے۔ بعض لوگوں میں کسی قدرتی سبب سے خود بخود یہ روح حیات بیدار ہو جاتی ہے۔ البتہ عام لوگوں کی اکثریت مشقِ تنفس، ارتکازِ توجہ (CONCENTRATION) روزہ، عبادت، وظائف، تسبیح و ذکر، محبتِ خالص، خدمتِ خلق، تعمیرِ نفس، تزکیہِ اخلاق اور مراقبے وغیرہ کے ذریعے اس قوت کو بروئے کار لاتی اور لاگتی ہے۔ لیکن یہ بات یاد رہے کہ بالمشق قوتوں کی بیداری کا یہ عمل تدریجی طور پر کسی معلم اور استاد کی نگرانی میں ہونا چاہئے ورنہ ہر سانس خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ ایسی قوت جتنی عجیب ہے اتنی ہی مہیب بھی ہے۔ صرف تجربہ کار سائنسدان ہی ایسی قوت کے مناسب استعمال پر قادر ہو سکتے ہیں۔ یہاں ہمہ شہ کا کام نہیں۔ اس کائنات آفرین توانائی کا صحیح استعمال اگر بشر کو مافوق البشر بنا سکتا ہے تو ذرا سی بے احتیاطی عارف و عاقل کو مجنوں و مجذوب کے درجے پر بھی گر سکتی ہے۔ کسی شخص کو بھی یہ اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ بطور خود سانس یا ارتکازِ توجہ کی مشقیں شروع کر دے۔ سیلف کلچر ٹریننگ کورس ہمیشہ کسی شفیق و ہمدرد کی نگرانی میں کرنا چاہئے۔

☆☆☆

تنفس کے فوائد

قدرت نے ہونٹ بولنے، چومنے اور پکھنے کے لئے بنائے ہیں اور ناک سونگھنے اور سانس لینے کے لئے۔ سانس کی قدرتی گزرگاہ ناک کے سوراخ ہیں۔ منہ کے ذریعے جو سانس لیا جاتا ہے اس میں ”روح حیات“ کی کارکردگی بہت حد تک دب جاتی ہے۔ جو لوگ ناک کے بجائے منہ سے سانس لیتے ہیں وہ اکثر مریض اور مضطرب رہتے ہیں۔ ہمیں ہمیشہ ناک کے سوراخوں سے سانس لینے کی کوشش کرنی چاہئے۔ ہر شخص محسوس کر سکتا ہے جب نزلے زکام کے سبب ناک بند ہو جاتی ہے تو منہ سے سانس لینے کے باوجود ایسا لگتا ہے کہ دم گھٹ رہا ہے۔ بلکہ بسا اوقات خود نزلہ، زکام، کھانسی اور سینے کے بعض امراض صرف اس لئے شدید ہو جاتے ہیں کہ مریض ناک کی گزرگاہ تنفس کو پوری طرح استعمال نہیں کر سکتا۔ بعض لوگوں کا منہ سوتے میں کھل جاتا ہے، وہ رات بھر ہونٹوں سے سانس لیتے رہتے ہیں۔ یہ طریقہ بھی صحت کے لئے مضر ہے۔ ناک کے اندر جو بال پائے جاتے ہیں وہ ہوا کے لئے چھلنی کا کام دیتے ہیں۔ ناک کے ذریعے سانس لینے میں ہوا چھن کر پہنچتی ہے اور ناک مادے کو باہر ہی روک لیتی ہے۔ چھینکیں اس وقت آتی ہیں جب ہوا کے ذریعے کوئی ناگوار چیز ناک میں داخل ہو جاتی ہے۔ چھینکیں آنے کا عمل قوتِ شامہ اور آلہ دفاعی عمل ہے جو پھیپھڑوں کو بہت نقصان رساں اجزاء سے محفوظ رکھتا ہے۔ سیلف کلچر ٹریننگ کورس میں سانس کا جو طریقہ تجویز کیا جاتا ہے، اس کی بنیادی شرط یہ ہے کہ ہونٹ بند کر کے ناک کے سوراخوں سے آہستہ آہستہ سانس اندر کھینچا جائے، سینے میں روک لیا جائے اور جتنی دیر میں سانس اندر روکا تھا

(مثلاً پانچ سیکنڈ) اتنی ہی دیر میں ناک کے سوراخوں سے خارج کر دیا جائے (یعنی پانچ سیکنڈ)۔ سانس اسی حد تک روکا جائے جس حد تک دم گھٹے۔ جو نبی دم گھٹے گئے، سانس کو نرمی اور آہستگی کے ساتھ سینے سے خارج کر دیا جائے۔ جس قدر گہری سانس کھینچی جائے گی، روح حیات کی اتنی ہی مقدار پیچھے دروں کے ذریعے خون میں شامل ہو جائے گی۔ خون میں پیچس فیصدی خالص آکسیجن شامل ہوتی ہے۔ یہ آکسیجن معدے کے لئے ایدھن اور خون کے لئے تقطیر (صفائی) کا کام دیتی ہے۔ سانس کی مشق کھلی ہوا میں کی جائے تو اس کے فوائد میں غیر معمولی اضافہ ہو جاتا ہے۔ یہ مشق شمال روئیہ بیٹھ کر سینے، سر اور پشت کو ایک سیدھ میں کر کے (یعنی چپٹہ بچھی ہوئی اور سینہ نکلا ہوا نہ ہو) سکون و اطمینان کے عالم میں کرنی چاہئے۔ اگر پیٹ بھرا ہوا ہو تو ہرگز سانس کی مشق نہ کریں، مشق تنفس اس وقت فائدہ دے گی، جب معدہ خالی ہو۔ (S.C.T) کی مشقوں میں نشست کا طریقہ آرام دہ ہونا چاہئے۔ آلتی پالتی مار کر بیٹھنا بھی مناسب ہے۔ ان مشقوں میں کر سینے پشت اور گردن کو ایک سیدھ میں رکھنے کا فائدہ یہ ہے کہ ریڑھ کی ہڈی کے نچلے سرے میں مخفی قوت دہنی پڑی یا سانپ کی شکل میں کندلی مارے نہیں جاتی ہے، وہ اس طریقہ نشست سے بہ آسانی بیدار ہو جاتی ہے۔ ریڑھ کی ہڈی میں دو درمیں ہیں، بائیں جانب والی رگ ماہتابی کہلاتی ہے اور دائیں والی آفتابی۔ ماہتابی اور آفتابی رگوں کے درمیان ”رگ لطیف“ واقع ہے۔ سانس کے علاوہ تنظیم خیال مسلسل فکر اور ارتکاز توجہ کے عملیات کے ذریعے بھی رفتہ رفتہ ریڑھ کی ہڈی کے نچلے سرے کے اعصابی مرکز میں مخفی قوت جاگتی اور ”رگ لطیف“ کے ذریعے دماغ کی طرف چڑھتی شروع ہو جاتی ہے۔ نصاب تعمیر و تنظیم شخصیت میں تنفس نور اور متبادل طرز نفس پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ پچھلے آٹھ نو سال میں ہزار ہا افراد نے راقم الحروف کی تحریک پر یہ مشقیں کی ہیں۔ ان لوگوں کے تجربات و مشاہدات بے حد حوصلہ افزا ہیں جن کی تفصیل آئندہ موقع پر پیش کی جائے گی۔ تنفس نور اور متبادل طرز تنفس کے علاوہ سانس کی مشقوں کے اور بھی بہت

سے طریقے ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

سانس کی ابتدائی مشق جس سے اس نصاب کا آغاز ہوتا ہے۔ یہ ہے کہ آلتی پالتی مار کر بیٹھ جائیے۔ کمر، گردن اور پشت ایک سیدھ میں کر لیجئے۔ اس طرح بیٹھ کر آنکھیں اور ہونٹ بند کر لیں اور ناک کے سوراخوں سے جتنی دیر میں سانس کھینچیں، اتنی ہی دیر سینے میں روکیں اور اتنی ہی دیر میں ناک کے راستے خارج کر دیں۔ بہتر یہ ہے کہ تمام مشقیں شمال کی طرف منہ اور جنوب کی طرف پشت کر کے کی جائیں۔ شمال روئیہ مشق کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ قطب شمالی اور قطب جنوبی کے درمیان جو برقی مقناطیسی لہریں چلتی رہتی ہیں وہ سانس کی رو میں شامل ہو جاتی ہیں۔ (۲) ہونٹوں کی وہ شکل بنائیے جو بوسہ یا سیٹی بجاتے وقت قدرتی طور پر بن جاتی ہے۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ سانس کو باہر نکال دیں اور پھر کچھ دیر روک کر ناک کے سوراخوں سے ہوا خارج کر دیں، پھر ہونٹوں سے سانس لیں اور ناک سے نکالیں۔ یہ عمل (ہونٹوں سے سانس خارج کرنا اور ناک کے راستے کھینچنا) خون کی صفائی کے لئے بے حد مفید ہے۔ پھر اس کے برعکس کریں، یعنی ہونٹوں سے سانس ہولے ہولے کھینچیں اور ناک سے دھیرے دھیرے نکال دیں۔ ہر بار ایسا ہی کریں۔ (۳) آلتی پالتی مار کر بیٹھ جائیں اور نظریں ناک کی نوک پر جمادیں اور کوشش کریں کہ خیال اور توجہ کی تمام قوت نظروں کے ساتھ ناک کی نوک پر مرکوز ہو جائے، اس عالم میں ناک کے سوراخوں سے سانس اندر کھینچتے اور اسی راستے سے خارج کرتے رہئے۔ (۴) دو زانو آلتی پالتی مار کر بیٹھ جائیے اور نظریں ناف پر جما کر زبان تالو سے لگا لیجئے، منہ بند رہنا چاہئے اور ناک کے راستے سانس اندر کھینچ کر سینے میں روک لینا چاہئے۔ جب جی گھبرانے لگے تو ناک کے راستے خارج کر دیں۔ (۵) صبح و شام ننگے پاؤں گھاس پر چلئے، کمر و گردن میں میڑھ نہ ہو، چند قدم چلتے ہوئے ناک کے راستے سانس اندر کھینچتے، روک لیجئے اور پھر ناک کے راستے خارج کر دیجئے، سانس کھینچتے، روکتے اور نکالتے وقت آہستہ آہستہ سر اٹھا کر چلتے رہیے۔ قدم روکنے کی

ضرورت نہیں، بھرپور سانس وہ ہے جس میں پیچھے ہٹے، سبز اور پیٹ ہوا سے بھر جائیں، بھرپور سانس کے معنی ہیں بھرپور حیات! اور جسے یہ دولت میسر ہے اسے اور کس نعمت و دولت کی تمنا ہو سکتی ہے۔ دھوکئی کی طرح تیز تیز سانس لینا بھی جسمانی صحت کے لئے بے حد مفید ہے۔ اس مشق میں آدمی پیسے میں نہا جاتا ہے، دوران مشق پسینہ آنا، بخنی قوت کی بیداری کی علامت ہے۔ (S.C.T) کے بعض طلباء سانس کی حسب ذیل مشق کو بے حد مفید قرار دیتے ہیں۔

سیدھے بیٹھ کر یا سیدھے کھڑے ہو کر، جس قدر نرمی اور آہستگی کے ساتھ ممکن ہو، بھرپور سانس ناک کے راستے کھینچنے اور دھکیلی دیر ممکن ہو سینے میں روکنے اور پھر ہونٹوں کو گول کر کے (جس طرح سیٹی بجاتے ہیں) اندر کی تمام گندی ہوا کو باہر نکالنے، مگر رک رک کر، ٹھہر ٹھہر کر اور ختم ختم کر! گویا سانس خارج کرنے کا عمل تسطوں میں ہونا چاہئے۔ مشق تنفس کے طالب علم کو سانس کے ادخال اور اخراج کی مدت میں رفتہ رفتہ اضافہ کرنا چاہئے ورنہ اعصابی نظام کو سخت نقصان پہنچ جانے کا اندیشہ ہے۔ شروع میں سانس کھینچنے کی مدت آٹھ سیکنڈ، روکنے کی مدت آٹھ سیکنڈ اور خارج کرنے کی مدت بھی آٹھ سیکنڈ ہو تو بہتر ہے۔ چالیس روز کے بعد سانس کھینچنے کی مدت دس سیکنڈ، روکنے کی مدت بیس سیکنڈ اور خارج کرنے کی مدت دس سیکنڈ، قابل اطمینان طریق کاریہ ہے کہ تمام مشقیں کسی ماہر فن کی نگرانی میں کی جائیں، بطور خود کسی شخص کو یہ جرأت نہیں کرنی چاہئے۔

☆☆☆

ارتقا کا دھارا

آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ تعمیر و تنظیم شخصیت (S.C.T) کی مشقوں سے انسان کی وہ صلاحیتیں اور قوتیں رفتہ رفتہ بروئے کار آتی اور بیدار ہو جاتی ہیں جو بعض وجوہ سے اب تک پوری طرح اجاگر نہیں ہو سکیں۔ یہ قوتیں ہر شخص میں اس طرح مخفی ہیں جس طرح گلاب کی پتیوں میں عطر! جس طرح عطر گلاب تیار کرنے کے لئے پھول کی پتیوں کو کشید کرنا پڑتا ہے اسی طرح نفس انسانی کی غیر معمولی استعداد کو چست، چوکنا اور فعال بنانے کے لئے سانس ارتقا ز توجہ اور تنظیم خیال کی مشقیں کی جاتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مادی ترقی کا عہد ایجاد، انسان کی روحانی ترقی کے راستے میں پہلے قدم کی حیثیت رکھتا ہے۔ جب تک انسان جسمانی لحاظ سے آسودہ اور مطمئن نہ ہو، نہ کوئی دینی ترقی ممکن ہے نہ روحانی، جہاں تک انسانی جسم کی ترتیب و ترقی، بناوٹ اور سجاوٹ کا تعلق ہے تو یہ سلسلہ ابوالبشر کے ظہور کے وقت ہی ختم ہو چکا۔ اب یہ ممکن نہیں کہ ہمارے قد و قامت میں کوئی غیر معمولی اضافہ ہو سکے یا وہ آنکھوں کے درمیان رفتہ رفتہ تیسری آنکھ اور چار ہاتھ پاؤں کی بجائے چھ یا آٹھ پاؤں وجود میں آجائیں۔ انسان کا موجودہ جسمانی ڈھانچہ دنیاوی زندگی بسر کرنے کے لئے بالکل کافی ہے۔ اپنی تکمیل اور بقا کے لئے انسان کو جتنے اسلحوں کی ضرورت تھی، وہ سارے کے سارے اسلحے قدرت نے پہلے ہی بخش رکھے ہیں۔ ماں کے پیٹ میں نطفے کا حیوان اور حیوان کا انسان بننا بھرپور تخلیقی عمل کی حیثیت رکھتا ہے۔ آدم و حوا کی اولاد جسمانی تکمیل کے درجے پر فائز ہو چکی، آدم زاد سموچا آدم زاد بن چکا اور اب ارتقا کا دھارا جسم کے بجائے روح اور نفس کی طرف بہہ

رہا ہے۔ ہزاروں لاکھوں سال پہلے حیات کا جو معماری تصور وجود کے در دیوار کی تکمیل میں مصروف تھا۔ وہ اب اس کی تزئین میں غرق ہے یعنی جسم کی سادگی مکمل ہو چکی اب نفس کی پرداخت (تہذیب و ترقی) کا عمومی دور شروع ہو رہا ہے جس نے عمومی دور "یعنی عام دور کے الفاظ جان بوجھ کر استعمال کئے ہیں اور اس لیے استعمال کئے ہیں کہ ہر عہد میں ایسے نادر و پاکمال انسان موجود رہے ہیں جو اعلیٰ درجے کی روحانی صلاحیتوں کے مالک اور تہذیب نفس کے درجہ کمال پر فائز تھے۔ میرا اشارہ باقیان مذاہب اور انبیاء و مسلمین کی طرف نہیں۔ وہ نوع انسانی میں مستحیات کی حیثیت رکھتے ہیں جیسے پرندوں میں عقاب اور ہما۔ میرا اشارہ عام روحانی رہنماؤں، دانشوروں، فلسفیوں، شاعروں، مفکرین اور سائنس دانوں کی طرف ہے۔ جن کی فکری اور ذہنی فیض رسائی سے ہر عہد کا انسان مستفید ہوتا رہا ہے تاہم آج سے پہلے نوع انسانی کی اکثریت زندگی بسر کرنے کی ابتدائی مشکلات میں اس قدر الجھی ہوئی تھی کہ وہ مشکل ہی سے اپنی ذہنی ضروریات کی تکمیل کی طرف توجہ کر سکتی تھی۔ یقیناً تہذیب نفس یعنی روح کو نکھارنے اور سنوارنے کا دور آج سے شروع نہیں ہوا، یہ مرحلہ ہی وقت شروع ہو گیا تھا۔ جب انسان نے پہلے مرحلے "اشرف المخلوقات" کی حیثیت سے اپنے کو دریافت کیا تھا۔ البتہ بعد ازاں شوونر کی تمام تہذیبیں مادے کی تکمیل میں صرف ہوتی رہیں اور جب گلاب کا پھول کھل گیا تو اس میں خود بخود خوشبو پیدا ہو گئی ماضی کے عام انسان کی پوری جسمانی اور ذہنی قوت معاش کے حصول میں صرف ہوتی تھی۔ اس کی تمام جسمانی اور نفسی توانائی کا ہمہ گیر مصرف صرف زندہ رہنے کی جدوجہد تھی۔ آج سے دس ہزار سال پہلے کا آدمی نہ سائنس سے واقف تھا، نہ کلچر کے آداب سے! پتھر کے زمانے کے لوگ پتھروں کو گھس کر نوکیلے ہتھیار بناتے اور ان سادہ ہتھیاروں سے شکار مار گراتے۔ رفتہ رفتہ آدمی نے زمین، پہاڑ، دریا، نباتات، حیوانات اور موسم پر فتح پانے کی تدبیریں سوچنی اور اختیار کرنی شروع کیں۔ گھنے جنگلوں، زہریلی دلدلوں اور پہاڑی گاروں میں رہنے والے انسانوں نے بڑے

بڑے گروہ بنائے۔ ان گروہوں نے آواز کو گفتگو کا روپ دیا۔ اشاروں کو الفاظ میں تبدیل کیا اور "نطق" (سوچ سمجھ کر دلیل و برہان کے ساتھ عقل کی روشنی میں باقاعدہ گفتگو اور تبادلہ خیال کرنا) کے پیٹ سے تہذیب و تمدن نے جنم لیا۔ اس طرح حیوان کے بجائے انسان ناطق ظہور میں آیا۔

عہد حاضر کا انسان فطری طاقتوں کا محکوم نہیں فاتح ہے، مثلاً پہلے ہوا، پانی اور موسم پر اس کا کوئی اختیار نہ تھا۔ لیکن اب وہ بہت حد تک ہوا، پانی اور موسم کو تسخیر کر چکا ہے۔ آج کا آدمی کرۂ ارض سے بندھا ہوا نہیں بلکہ زمین کی کشش ثقل پر غالب آنے کی کوشش کر رہا ہے، اس کوشش میں کامیاب بھی ہے۔ اگر کامیاب نہ ہوتا تو کس طرح ممکن تھا کہ مصنوعی راکٹ چاند، زمین و مریخ اور ماہ مشتری کے مداروں پر گردش کر سکتے یا خلا نورد چاند کی سطح پر چاند گاڑیاں دوڑاتے، بیسویں صدی میں ہمیں زندہ رہنے، افلاس و امراض پر غالب آنے اور کائنات کی طاقتوں کو زیر کر کے انہیں مفید استعمال میں لانے کی جو سہولتیں حاصل ہیں۔ کیا سترہویں اٹھارویں صدی کا انسان اس کا خواب بھی دیکھ سکتا تھا؟ اگلی صدی میں کیا ہونے والا ہے؟ اکیسویں صدی میں آدم علیہ السلام کی اولاد کیا کارنامے انجام دینے والی ہے؟ صرف ایک شاعر کا خیال ہی مستقبل کے امکانات کا اندازہ لگا سکتا ہے۔

محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی؟

اس وقت ارتقاء کی تمام قوتیں جسم کے بجائے روح یعنی باہر سے اندر کی طرف بہہ رہی ہیں اور دماغ کے نئے نئے پرت، جو پہلے بے کار اور معطل پڑے تھے، آہستہ آہستہ کھل رہے ہیں۔ عہد حاضر کے انسانوں نے سائنس کے میدان میں جو ترقی کی ہے۔ ٹیکنالوجی کو جس درجے تک پہنچا دیا ہے اس کو دیکھ کر یقین ہوتا ہے کہ آنے والے کل کے انسانوں کے پیشتر کارناموں کی نوعیت جسمانی کے بجائے دماغی ہوگی۔ دماغ کا ایک حصہ تو وہ ہے جس کا تعلق تجرباتی علوم سے ہے۔ تجرباتی علوم سے مراد وہ فنون ہیں

جو آلات اور مشینوں پر منحصر ہیں۔ مثلاً انجینئرنگ، کیمیا اور ریاضی (کمپیوٹر کے ذریعے حساب کتاب) دماغ کا دوسرا حصہ وجدانی علوم سے تعلق رکھتا ہے، مثلاً مابعدالطبیات، تنویم اور اشراق وغیرہ پہلے انسان کی جو فاضل توانائیاں روٹی کے حصول یا دشمنوں سے لڑنے اور جان بچانے کی جدوجہد میں ضائع ہوجاتی تھیں۔ اب سائنسی اور تہذیبی ترقی کے سبب ان کا ایک حصہ خالص دماغی کاموں پر صرف ہونے لگا ہے۔

ممکن ہے کہ آپ کو دعوے پر اعتراض ہو کہ بیسویں صدی کے آدمی کو زندہ رہنے کی محرکۃ لا راہ جدوجہد سے نجات مل گئی ہے اور اب وہ آسانی کے ساتھ اپنی تمام ذہنی صلاحیتوں کو دماغی اور روحانی ترقی کی طرف مبذول اور مرکوز کر سکتا ہے۔ بے شک آج بھی بھوک اور افلاس کا دور دورہ ہے۔ یقیناً آج بھی قوموں کی اکثریت فاقہ کشی کے عذاب میں مبتلا اور دماغ کے بجائے معدے کے ذریعے سوچنے پر مجبور ہے کوئی شبہ نہیں آج بھی افلاس ادہام اور امراض (ذہنی اور جسمانی دونوں) کے سیاہ بادل زندگی کے افق پر چھائے ہوئے ہیں اور ایک محدود اقلیت کو چھوڑ کر آج بھی انسانوں کی جماعتیں تحت البشری (SBH HUMAN) درجے کے بلند نہیں ہو سکیں بلکہ حیوانی سطح زندگی بسر کر رہی ہیں، یہ تمام اعتراضات اپنے مقام پر حق بجانب ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ خلائی تسخیر کے جہت انگیز دور میں بھی کروڑوں انسانوں کی اربوں قوتیں جنگ و جدل، تخریب و فساد، قتل و خون، جہالت و جرائم میں صرف ہو رہی یا فقر و فاقے کے سبب ضائع ہو جا رہی ہیں اور یہ بھی واقعہ ہے کہ ایسی ہتھیاروں اور بین براعظمی میزائلوں کی عالم گیر تباہی پھیلانے والی قوت کے سبب نسل آدم کی مجموعی ہلاکت کا اتنا بڑا خطرہ آج درپیش ہے کہ ہمارے آبا و اجداد اور ان کے آباء و اجداد (ابوالبشر تک گنتے چلے جائیں) کے لئے اس کا تصور بھی ممکن نہ تھا، یہ تمام حقیقتیں بڑی سنگین اور تشویشناک ہیں۔ ان کی مداخلت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، تاہم (ان تمام خرابیوں اور ناکامیوں کے باوجود) کیا یہ حقیقت نہیں کہ مجموعی طور پر انسانیت کا قافلہ صحیح سمت (تسخیر کائنات اور تعمیر حیات) میں چلنے لگا

ہے۔ جب سورج طلوع ہوتا ہے تو سب سے پہلے اس کی کرنیں پہاڑوں کی چوٹیوں کو منور کرتی ہیں۔ رفتہ رفتہ اجالوں کا لشکر چلنا تاریک وادیوں کی طرف بڑھتا ہے۔ یہ نہیں ہوا کہ سورج کے نکلنے ہی پورا کرۂ زمین ایک دم بجل گئے، یہی حالت ذہنی ارتقاء کے سورج کی ہے۔ وہ بہت آہستہ آہستہ افق زیت پر بلند ہو رہا ہے (بلند ضرور ہو رہا ہے) اور آہستہ آہستہ اس کی روشنی انسانی دماغوں میں پھیل رہی ہے۔ (پھیل ضرور رہی ہے) یقیناً آج پوری دنیا میں انتشار، تشدد، فساد، مایوسی اور بیزاری کا دور دورہ ہے۔ خصوصیت کے ساتھ نئی نسل زبردست بے چینی، گہری ناآسودگی اور اتھاہ تشویش میں ہے۔ ایشیا اور افریقہ کے پس ماندہ اور ناترقی یافتہ ملک تو خیر پسماندہ اور ناترقی یافتہ ہی ہیں، اگر افریقیائی نوجوان زندگی سے بیزار ہو جائیں تو انہیں ملامت نہیں کی جاسکتی کیونکہ آخر زندگی نے انہیں کون سی نعمتیں اور لذتیں بخش دی ہیں کہ وہ خوش گوار اور مطمئن نظر آئیں۔ یہاں ذکر ہے ترقی یافتہ ملکوں اور ان قوموں کا جو پوری سائنسی اور صنعتی ترقی سے لیس ہیں۔ ان کی نوجوان نسل بھی پرانی فکر سے بیزار ہو کر زندگی کے کسی نئے نظریے اور حیات کے کسی نئے مقدمہ کی تلاش میں دیوانہ وار چاروں طرف دوڑ رہی ہے!

سوال یہ ہے کہ نئے طرز فکر اور متقدمہ حیات کی تلاش کیوں شروع ہوئی؟ یہ تقاضا کیوں ابھرا؟ وہ کیا اسباب تھے کہ عام لوگ رفتہ رفتہ پرانے تصورات سے غیر مطمئن رہنے لگے۔ اس لئے غیر مطمئن ہونے لگے کہ اب ارتقاء کے سورج کی کرنیں دماغ کے ان نامعلوم حصوں پر چمکنے لگی ہیں۔ جہاں عظیم الشان فوق البشری صلاحیتوں کے خزانے دفن ہیں، فوق البشر، انسان برتر کہتے ہیں۔ آج سے پانچ ہزار سال پہلے انسان برتر وہ تھا جو وحشی انسانوں کے درمیان مہذب بستیاں بنا کر رہتا تھا اور جنگلی پھلوں اور شکار کے گوشت پر تنگ دھڑنگ زندگی بسر کرنے کے بجائے غلوں کی کاشت کرتا۔ جانور پالتا اور روٹی کو کپڑا بنانے کے کام میں لاتا تھا۔ تاریخ کے ہر عہد میں معمولی انسانوں کے درمیان غیر معمولی انسانوں (انسان برتر) کے نمونے موجود رہے ہیں۔ کوئی زمانہ ایسا نہیں آیا کہ

مشق تنفس نور

چاند سورج کی تغیر مشکل سہی، مگر نفس کی تغیر یعنی ذہنی عمل کو اپنے ارادے کے تحت لے آنا، اس سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ عام اندازہ یہ ہے کہ ساٹھ سیکنڈ میں واضح خیالات کی کم سے کم ایک سو بیس لہریں ذہن کی سطح سے گزرتی ہیں۔ ذہن کی تغیر کے معنی یہ ہیں کہ ایک سو بیس یا ڈیڑھ سو خیالات کے انبار میں سے کسی ایک خیال (مثلاً روشنی کا تصور) کو جن کے ذہن کی تمام تر توجہ اس پر مرکوز کر دینا، یہ کام بہت مشکل سہی، لیکن ناممکن نہیں۔ ذہن کسی جسمانی عضو کو نہیں کہتے، ہمارے جسم میں ذہن نام کی کوئی چیز موجود نہیں۔ ذہن سوچنے کے مسلسل اور متواتر عمل کا نام ہے۔ یہ عمل دماغ میں برابر ظہور پذیر ہوتا رہتا ہے۔ سوچنے کے اس قدرتی عمل پر قابو پانا بظاہر انسان کی قدرت و طاقت سے باہر معلوم ہوتا ہے لیکن بہت سے انسانوں نے مشق و مزاولت اور توجہ و ریاضت کی بدولت ”تنظیم خیال“ اور ارتکاز توجہ (کسی ایک نقطے یا نکتے کی طرف سوچ کو لگا دینا) میں کامیابی حاصل کی ہے۔ ارادے کی قوت کو اجاگر کرنے کے سلسلے میں سانس کی مشقیں غیر معمولی اہمیت رکھتی ہیں۔ یہ تو آپ کو پہلے سے معلوم ہے مگر یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ جو بھی ذہن کو ارادے کے تحت لانے کی کوشش کی جاتی ہے، ذہن فوراً جوابی حملہ کر دیتا ہے اور مشق کے خلاف لاشعوری مزاحمت شروع ہو جاتی ہے، مثلاً تنفس نور کی مشق ہے، اس مشق میں سانس کھینچنے سے پہلے میں روکنے اور سانس کو ناک کے سوراخوں سے خارج کرنے کے دوران روشنی کے شعلے کا تصور کیا جاتا ہے تنفس نور کی تکنیک یہ ہے کہ:

موسم کے لحاظ سے ہوا دار کمرے یا کھلی فضا میں شمال کی طرف رخ کر کے

آلتی پالتی مار کر بیٹھ جائیے۔ کمر، گردن اور پشت دسر کو ایک سیدھ میں کر لیجیے۔ گردن میں اکڑاؤ اور سینے میں تباؤ نہ ہو۔ یعنی نہ گردن اکڑی ہوئی ہو نہ سینہ باہر کو نکلا ہوا ہو، اس عالم میں بیٹھے ہوئے آپ اپنے کو پرسکون محسوس کریں۔ آلتی پالتی مار کر بیٹھنے کا طریقہ سب کو معلوم ہے یعنی دائی پنڈلی اور پاؤں کو بائیں ران کے نیچے رکھ لیجیے اور بائیں پنڈلی اور پاؤں کو داہنے طرف کی ران کے نیچے رکھ لیں۔ جیسے زمین یا فرش پر جم کر بیٹھا کرتے ہیں، قدرتی مضبوط نشست یہی ہے اور بہتر یہ ہے کہ تمام شعبوں میں اسی قدرتی مضبوط نشست کو اختیار کیا جائے۔ بعض حضرات عادت کی بنا پر دو زانو نشست (جس طرح نماز میں) کو ترجیح دیتے ہیں۔ یہ بھی ٹھیک ہے۔ ہاں تو قدرتی نشست میں پرسکون انداز سے بیٹھ کر (بالکل آرام دو پوزیشن ہو بیٹھتے وقت) آنکھیں میچ لیجیے اور دونوں ہونٹ بند کر کے آہستہ آہستہ ناک کے سوراخوں سے سانس اندر کھینچنا شروع کر دیجئے، جیسے کوئی میٹھا مزیدار شربت دھیرے دھیرے پیتا ہے۔ بالکل اسی طرح آپ ناک کے نتھنوں سے باہر کی تازہ و زندگی بخش ہوا گھونٹ گھونٹ کر کے پینا شروع کر دیں۔ اب آہستہ آہستہ سانس اندر کھینچتے ہوئے یہ تصور ہو کہ یہ روشنی کا نورانی شعلہ جگمگاتا، چمکتا، دھمکتا، زور برساتا، رنگ بکھیرتا، ہوا کے ساتھ ناک کے راستے جسم کے اندر داخل ہو رہا ہے۔ سانس کو رفتہ رفتہ ناف سے سینے اور حلق تک بھر لیجیے، پھر سانس کو اندر یعنی سینے میں روک لیجیے (آنکھیں بدستور بند ہوں تاکہ روشنی کا تصور صاف نگاہ باطن کے سامنے قائم رہے) سانس اندر روک کر یہ تصور کیجئے کہ سانس کے ساتھ جو روشنی جسم کے اندر کھینچی ہے، وہ سمٹ سمٹ کر بائیں طرف قلب (دل) کے اندر چمک رہی ہے۔ جب تک سانس کو روشنی کے اس تصور کے ساتھ سینے میں روک سکیں، زور نہ کریں، جب دم گھٹنے لگے، جی گھبرانے لگے، سانس کا سینے میں روکنا بوجھ لگے تو جتنی نرمی، آہستگی اور نزاکت کے ساتھ سانس اندر کھینچنا تھا۔ اتنی ہی ملاہمت، آہستہ روی اور ٹھہراؤ کے ساتھ ناک کے نتھنوں سے رگ رگ کر سانس خارج کر دیں۔ خارج کرتے ہوئے تصور یہ ہو

کہ سانس کے ساتھ روشنی کا شعلہ باہر نکل رہا ہے یہ شخص نور کا ایک روپہ ایک چکر، ایک چکر کرنے کے بعد کسی قدر دم لے لیں۔ تاکہ پیچھے دے ذرا سکون پا جائیں، جب دم لے چکیں تو پھر اسی قاعدے کے ساتھ دوسرا چکر کریں۔ پھر دم لے کر تیسرا چکر، وہی شعلہ نور کے تصور کے ساتھ۔ مشق شخص نور کی بسم اللہ تین چار چکروں سے کرنی چاہیے، دو ہفتے بعد پانچ چکر، پھر کچھ دن بعد سات چکر، پھر نو پھر گیارہ چکر۔ لیکن سانس کے چکروں میں اضافہ اس شخص کی اجازت کے بغیر نہیں کرنا چاہیے۔ جس کی گھرائی میں آپ نے مشق شروع کی ہے۔ سانس کے چکروں کی تعداد میں اضافہ کرنے سے بہتر یہ ہے کہ سانس کھینچنے، سینے میں روکنے اور خارج کرنے کی مدت میں رفتہ رفتہ اضافہ کیا جائے۔ یعنی اگر آپ نے سانس کی مشق کی ابتداء پانچ سیکنڈ میں سانس کھینچنے، دس سیکنڈ تک سانس روکنے اور پانچ سیکنڈ میں سانس خارج کرنے کی مدت سے کی ہے تو چند ہفتے بعد سانس کھینچنے، سانس روکنے اور نکالنے کی مدت دس سیکنڈ، بیس سیکنڈ اور دس سیکنڈ کر دیں۔ سیکنڈوں کا اندازہ دل میں کتنی گن کر لگایا جاسکتا ہے۔ مثلاً ایک دو تین چار پانچ تک ایک رک کر کتنی کہیں۔ دس سیکنڈ ہو گئے۔ بہر حال مشق سے آدمی رفتہ رفتہ سانس کی مدت پر قابو پاسکتا ہے۔ باکمال لوگ رفتہ رفتہ سانس کی مشق پر اتنا قابو پالیتے ہیں کہ ایک ایک گھنٹے تک سانس کو سینے میں روکنے۔ پندرہ منٹ سانس کو اندر کھینچنے اور تیس منٹ تک سانس کو آہستہ آہستہ خارج کرنے پر قادر ہو جاتے ہیں جس دم (سانس کو سینے میں قید کر دینا) کا عمل تو ہفتوں تک جاری رہتا ہے۔ لیکن یہ کمال عمر بھر کی ریاضت کے بعد حاصل ہو سکتا ہے۔

سورج نکلنے سے پہلے یا بعد، نہار منہ شخص نور کے تین یا پانچ یا سات چکر کریں۔ نہ اب تعمیر و تنظیم شخصیت (S.C.T) میں صبح کی مشق شخص کو ”صبحی“ (یعنی صبح کا ناشتہ) کہتے ہیں۔ اس مشق میں دس بارہ منٹ سے زیادہ صرف نہ ہوں گے لیجئے صبحی ختم ہوگئی اب آپ دن بھر کے لئے بے فکر و آزاد ہیں جب آپ سونے کے لئے تیار

ہو جائیں۔ (رات کے کھانے کے تقریباً دو ڈھائی گھنٹے بعد) تو پھر صبح کی طرح شمال روپہ آلتی پالتی مار کر بیٹھے ہوئے مشق شخص نور کے پانچ یا سات (یا جتنے چکر آپ کے لئے تجویز کئے گئے ہیں) چکر مکمل کریں۔ یہ ہدایت پہلے ہی دی جا چکی ہے کہ ہر چکر کے بعد کس قدر دم لینا ضروری ہے۔ یہ بات ہمیشہ ملحوظ خاطر رہنی چاہئے کہ سانس کھینچنے اور خارج کرنے کا عمل جتنی نرمی اور آہستگی کے ساتھ ہوگا۔ قوت ارادی اور خود اعتمادی میں اتنا ہی اضافہ ہوگا، نیز یہ بھی کہ آپ جتنی دیر تک سانس کو سینے میں روکیں گے (کوشش کیجئے کہ سانس روکنے کی مدت میں برابر اضافہ ہوتا رہے) تندرستی اور ذہنی صحت اتنی ہی ترقی کرے گی۔ اگر زکام کی وجہ سے ناک بند ہو یا ناک میں کوئی دوسری تکلیف ہو تو مشق شخص نور مجبوراً منہ کے ذریعے کی جاسکتی ہے اگر منہ یعنی ہونٹوں کے ذریعے سانس اندر کھینچنا ہو تو ہونٹوں کی وہ شکل بنائی جائے جو بوسہ لیتے یا سٹی بجاتے وقت خود بخود بن جاتی ہے۔ لیکن بہر حال حقیقت یہی ہے کہ سانس کی قدرتی گزرگاہ ناک ہے، منہ نہیں۔

شخص کو کوئی تصور قائم کرنے میں بڑی الجھن نہیں آتی ہے وہ لاشعوری طور پر مزاحمت اور رکاوٹ کے زیر اثر یہی طے نہیں کر پاتے کہ کس قسم کی روشنی کے شعلے کا تصور قائم کیا جائے؟ لائین کی روشنی، بلب کی روشنی، سورج کی روشنی، چاند کی روشنی! کبھی بند آنکھیں کر کے چراغ کا تصور کرتے ہیں، کبھی برقی قہقہے کا، یا پھر کبھی چاند کا کبھی سورج کا، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کسی قسم کا تصور نور قائم نہیں ہوتا اور وہ بیزار ہو کر مشق شخص نور ہی کو ترک کر دیتے ہیں۔ یہ درحقیقت لاشعوری مزاحمت ہی کا ایک کرشمہ ہے۔ زبردستی نور کا کوئی تصور قائم نہ کریں ذہن کو آزاد چھوڑ دیں۔ وہ جس قسم کا چاہے تصور نور قائم کر لے۔ دورانِ شخص کسی قسم کا تصور نور قائم نہ ہو یا نور جھلک دکھلا کر غائب ہو جائے، تب بھی بدل ہونے کی ضرورت نہیں، آپ کوشش جاری رکھیے۔ رفتہ رفتہ (ان تمام مشقوں میں بنیادی اہمیت رفتہ رفتہ کو حاصل ہے) تصور نور پر آپ کی گرفت مضبوط ہونے لگے گی

اور ایک دن وہ آئے گا کہ روشنیوں میں ڈوب جائیں گے۔ پکار اٹھیں گے کہ:

ہزار رنگ کے جلوؤں میں گھر گیا ہوں میں

یہ کس عذاب تماشا میں مبتلا ہوں میں

پھر یہ دقت بھی پیش آتی ہے کہ روشنی کا رنگ کیا ہو؟ دودھیا، سبز، سرخ، زرد، ارغوانی چاندنی جیسی یا دھوپ کی طرح! یہاں بھی اسی اصول پر عمل کرنا چاہیے۔ یعنی ذہن کو کسی خاص رنگ کی روشنی کے تصور پر مجبور نہیں کرنا چاہئے بلکہ نور کے تصور کے ساتھ خود بخود ہی جس قسم کی روشنی کا دھیان بندھ جائے، اسی کو قائم رکھیں۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ کوئی تصور چند لمحے سے زیادہ برقرار نہیں رہ سکتا۔ مشق تنفس میں نور کا تصور کرتے ہی چاروں طرف سے خیال بدلے بول دیں گے۔ آپ ان خیالات کو دبانے، مسترد کرنے اور بھلانے کی کوشش نہ کریں۔ بہتر ہے کہ خیالات آئیں اور خود بخود گزر جائیں اور پھر آپ نور کا تصور شروع کریں۔ یوں سمجھئے کہ اگر آپ ایک منٹ تک نور کا تصور قائم رکھنا چاہتے ہیں تو ایک منٹ میں کم سے کم پانچ سات بار آپ کو دوسرے خیالات کے غلبے کے سبب اس تصور کو منقطع کر کے اور شروع کرنا پڑے گا۔ اس عمل کا بار بار دہرانا (یعنی نور کے تصور کا ٹوٹنا اور پھر قائم کرنا) مشق کرنے والے کو آتا دیتا ہے۔ لیکن یہ آکٹاہٹ اور گھبراہٹ عارضی ہوتی ہے۔ رفتہ رفتہ مشق کرنے والا، نور کے تصور کے ساتھ سانس کھینچنے، سانس روکنے اور سانس خارج کرنے کے عمل پر قادر ہو جاتا ہے۔ ذہن انسانی ارادے کی مملکت کا اسی طرح ایک شہری ہے جس طرح جسم کے دوسرے اعضاء (ہاتھ پاؤں، آنکھ اور ناک وغیرہ) جس طرح جسم کے اور اعضاء ارادے کے زیر حکم ہیں۔ ذہن کو بھی اس اطاعت کی عادت ڈالنی چاہیے۔ شرط یہ ہے کہ آپ جس طرح کسی سرکش گھوڑے کو دوڑ میں حصہ لینے کی تربیت دیتے ہیں۔ اسی طرح ہوشیار شہسوار کی طرح ذہن کو بھی عملی تربیت دینی چاہیے۔

میرا تجربہ یہ ہے کہ سو میں تیس فیصد افراد ایسے ہیں جو مشق نور کرتے ہوئے

نور کے تصور پر قادر ہی نہیں ہو سکتے جو نئی تصور نور شروع کرتے ہیں۔ ذہن بغاوت کر دیتا ہے اور ان کی مشق دھری کی دھری رہ جاتی ہے۔ اس صورت میں انہیں یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ ”مشق تنفس نور“ میں ”نور“ کو خارج کر دیں اور صرف سانس کی مشق جاری رکھیں البتہ یہ فقرہ دہراتے رہیں کہ:

”میرے اندر بھی نور ہے باہر بھی نور ہے۔ میں نور ہی نور ہوں۔“

ناک کے نقتوں سے سانس کھینچتے، سینے میں سانس روکتے اور سانس خارج کرتے وقت آنکھیں بند کر کے دل میں یہی فقرہ دہراتے رہیں۔ اس طرح بے شک نور کا تصور تو قائم نہ ہوگا۔ لیکن نور کا لفظ۔ فعل نور میں تبدیل ہو جائے گا۔ سانس کی سادہ مشق کے فوائد بھی کم نہیں ہیں۔ ہم سانس کے ذریعے آکسیجن جسم میں داخل کرتے اور کاربوہائیڈریٹ آکسائیڈ خارج کرتے ہیں۔ آکسیجن کے ذریعے پروٹو پلازم (مادہ حیات) کی بحالی ہو کر توانائی پیدا ہوتی ہے سانس کے عمل میں ناک، نٹھے کی جگہ، حنجروہ اور پیچھڑے سب کے سب حصہ لیتے ہیں۔ ناک کا اندرونی حصہ ایک ہڈی کے ذریعہ دھوئیں میں مبتلا ہوا ہے۔ یہ دونوں حصے سانس کے ذریعے اندر جانے والی ہوا گرم کرنے کی خدمت انجام دیتے ہیں۔ ان حصوں کی ہڈیوں کے گرد ایسی بافتیں ہوتی ہیں جنہیں خون کافی تعداد میں بہم پہنچایا جاتا ہے۔ جب سانس (ناک کے اندر) ان بافتوں کے اندر سے گزرتا ہے تو گرم ہو کر ریڈی ایٹر (آلہ حرارت آفریں) کا کام انجام دیتی ہیں۔ موسم سرد ہو خون کی شریانیں پھیل کر زیادہ حرارت پیدا کرنے لگتی ہیں۔ موسم گرم ہو تو برعکس عمل ہوتا ہے، ہوا میں گیہوں کے ساتھ مختلف ذرات اور جراثیم شامل ہوتے ہیں۔ یہ اگر پیچھڑوں میں داخل ہو جائیں تو اسے ناکادہ کر دیتے ہیں، ناک کی چھلی سانس کے ذریعے کھینچنے جانے والی ہوا کو گرد و غبار اور جراثیم سے صاف کر کے پیچھڑے کے اندر بھیجتی ہے۔ ناک کے اندرونی استر پر باریک باریک بال ہوتے ہیں۔ گرد کے بڑے بڑے ذرے انہی میں الجھ کر رہ جاتے ہیں۔ ننھے ننھے ذرات کو ہوا کی نالیوں

میں صاف کیا جاتا ہے۔ ناک کی نالیوں میں چند غدود ہیں جن سے لیس دار مادہ خارج ہوتا رہتا ہے۔ اس لعاب کا فعل اس کاغذ سے مشابہ ہے جس پر بیٹھے ہی کھیاں چپک جاتی ہیں۔ اسی طرح نغصے نے مہلک ذرات ناک کی نالیوں کے غدود کے لیس دار لعاب سے چپک کر رہ جاتے ہیں اور پیچپردوں میں صاف شفاف ہوا داخل ہوتی ہے۔ ہم ایک منٹ میں ۱۴ سے ۱۸ مرتبہ سانس لیتے ہیں۔ ہر سانس میں ۱/۸ گیلن ہوا یعنی ایک منٹ میں اوسطاً دو گیلن ہوا پیچپردوں میں داخل ہوتی ہے۔ عمر بھر میں اندازہ یہ ہے کہ پانچ ارب مرتبہ پیچپردوں کو پھلایا جاتا ہے، پیچپردوں میں بیک وقت اٹھارہ گیلن کچنی ہوئی ہوا سما سکتی ہے۔ لیکن ہم صرف دو گیلن فی منٹ پر قانع رہتے ہیں۔ یہ حقیقت کتنی افسوسناک ہے۔ پیچپردوں میں ہوا داخل ہوتی ہے تو پھول جاتے اور خارج ہوتی ہے تو سکڑ جاتے ہیں اور زندگی بھر یہ خود کار قدرتی مشین اسی طرح کام کرتی ہے جتنی زیادہ آکسیجن پیچپردوں میں سمائے گی۔ اتنی ہی زیادہ روح حیات (جس کا تفصیلاً ذکر کیا جا چکا ہے) ہم اپنے اندر جذب کر سکیں گے۔ ایک مشہور پھر ان حقیقتوں پر غور کیجئے تاکہ اندازہ ہو سکے کہ اگر نور کے بغیر بھی مشق تھیں تو کی جاتے تو کتنی مفید ثابت ہوگی۔

☆☆☆

متبادل طرزِ تنفس

نصابِ تعمیر و تنظیمِ شخصیت کی دوسری اہم مشق متبادل طرزِ تنفس ہے۔ قدرتی نشست میں بیٹھ کر، گردن اور پشت و سر کو ایک سیدھ میں کر لیجئے اور دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کو ناک کے داہنے سوراخ پر رکھ کر بائیں سوراخ سے سانس اندر کھینچئے، بائیں سوراخ سے سانس اندر کھینچ کر داہنے ہاتھ کی سب سے چھوٹی انگلی (چنگلی) اور اس کے برابر والی انگلی یعنی چوتھی انگلی سے ناک کا بائیں نقصان بند کر لیجئے، سانس کو سینے میں روک لیجئے۔ اس کے بعد داہنے سوراخ سے انگوٹھا ہٹا کر سانس خارج کر دیجئے، پھر اسی تھن سے (داہنے سوراخ) سے سانس اندر لیجئے اس کے بعد داہنے انگوٹھے سے بند کر کے سانس سینے میں روک لیجئے اور بائیں سوراخ سے داہنے ہاتھ کی چوتھی پانچویں انگلی (چنگلی) ہٹا کر سانس خارج کر دیجئے۔ یہ ایک چکر ہوا، پھر دم لے کر دوسرا چکر کیجئے۔ متبادل طرزِ تنفس کی تکنیک اور طریقے کو پوری طرح ذہن نشین کر لیں۔ اس مشق میں بائیں ہاتھ کو قطعاً استعمال نہیں کیا جاتا صرف داہنے ہاتھ کی چوتھی پانچویں انگلی اور انگوٹھے سے کام لیا جاتا ہے۔ سانس کھینچنے، روکنے اور نکالنے کا تناسب: ۲:۳:۱ ہے مطلب یہ کہ اگر پانچ سیکنڈ میں سانس اندر کھینچیں تو میں سیکنڈ تک سینے میں روکیں اور دس سیکنڈ میں خارج کریں، دس سیکنڈ میں سانس اندر کھینچیں تو ۴۰ سیکنڈ تک روکیں اور میں سیکنڈ میں خارج کریں یعنی سانس کھینچنے میں جتنا وقفہ صرف ہوتا ہے اس کا چوگنا وقفہ سانس کو اندر روکنے میں صرف ہو اور دو گنا وقفہ سانس کے اخراج میں متبادل طرزِ تنفس کی کامیاب مشق وہ ہے جس میں سانس اندر کھینچنے کا وقفہ ۶۰ سیکنڈ (ایک منٹ) اندر روکنے کی مدت ڈھائی سو

سیکنڈ اور خارج کرنے کی مدت ۱۲۰ سیکنڈ ہو۔ جب میں نے مشق متبادل طرز تنفس کے فوائد بیان کرنے کی کوشش کی تو ایسا لگا کہ لفظوں کا قہ پڑ گیا۔ واقعی میرے پاس وہ الفاظ موجود نہیں جن کے ذریعے اس مشق (بلکہ ان مشقوں) کی گہرائیوں اور معجز نمایوں کو بیان کر سکوں۔ لیکن یہ مشقیں کسی حال میں از خود نہیں کرنی چاہئیں کیونکہ نومشقی کے سبب دل و دماغ اور اعصابی نظام کو سخت نقصان پہنچ جانے کا امکان موجود ہے۔ صرف ایک تجربہ کار شخص کی رہنمائی میں نصاب و تنظیم شخصیت کی مشقیں کی جاتی اور کی جاسکتی ہیں۔

☆☆☆

لاشعوری مزاحمت

نصاب تعمیر و تنظیم شخصیت کی تمام مشقیں لاشعوری مزاحمت سے دوچار ہوتی ہیں۔ بہت سے لوگ پہلے ہی قدم پر ہار جاتے ہیں لیکن جو لوگ ان اندرونی مزاحمتوں پر غالب آکر مشق جاری رکھتے ہیں ان کی ذہنی اور دماغی صحت میں انقلاب برپا ہو جاتا ہے، لاشعوری مزاحمت کی چند صورتیں ملاحظہ کیجئے۔

آصف گل (کوئٹہ) رقم طراز ہیں کہ:

آپ کی ہدایت پر میں مشق تنفس نور کیم اگست ۱۹۶۸ء سے شروع کر رکھی ہے۔ یہ مشق کسی وقفے کے بغیر جاری رہی۔ ابتدائی چھ مہینوں میں ان مشقوں کا کوئی خاص اثر دل و دماغ پر نہیں پڑا البتہ مجھے پہلے بعد محسوس ہونے لگا جیسے میری تمام دماغی صلاحیتیں سلب کر لی گئی ہیں۔ اندرونی رکاوٹ کے علاوہ سخت بیزار محسوس ہوتی تھی ایسا لگتا تھا جیسے کوئی اندر سے آواز دے رہا ہے کہ ان مشقوں کو ترک کر دوں۔ آپ نے مجھے لاشعوری مزاحمت کے ان کرشموں سے پہلے ہی باخبر کر دیا تھا۔ چنانچہ میں نے تمام مایوسیوں اور محنتوں کے باوجود یہ مشق جاری رکھی۔ اس وقت بار بار یہ احساس ہوتا تھا کہ میری قوت ارادی اور خود اعتمادی چھن گئی ہے۔ پھر کچھ دن بعد ارادے کی قوت ترقی کر گئی۔ کم و بیش یہ کیفیت اب بھی ہے کہ قوت ارادہ کبھی بالکل ذیلی پڑ جاتی ہے کبھی ابھر آتی ہے۔

آصف گل نے کیم اگست ۱۹۶۸ء کو مشق تنفس نور شروع کی تھی۔ انہوں نے ۱۱ مئی ۱۹۷۰ء (ایک سال نو مہینے بعد) والے خط میں تفصیل کے ساتھ مشق کے بعض

مرچو

اے مالک گل میرے والدین پر رحم فرما

اثرات کا ذکر کیا ہے۔ (س خط کے بعض اقتباسات جن کا تعلق کشف قلوب
THOUGHTS READING سے ہے آئندہ پیش کئے جائیں گے) فی الحال
لاشعوری مزاحمت کے بعض پہلوؤں پر گفتگو کی جائے گی۔ لکھتے ہیں کہ: (۱) شروع کے
چھ مہینے میں کوئی اثر محسوس نہیں ہوا۔ (۲) چھ مہینے کے بعد یکا یک ایسا لگنے لگا جیسے کسی
نے تمام دماغی صلاحیتیں سلب کر لی ہیں۔ (۳) سخت اندرونی رکاوٹ اور بیزارگی کا
احساس شروع ہو گیا۔ (۴) کوئی اندر سے آواز دیتا تھا کہ ان مشقوں کو ترک کر دو۔ (۵)
تو ت ارادی کبھی دب جاتی ہے کبھی ابھرتی ہے۔

آصف گئے لاشعوری مزاحمت کی جن دشواریوں کا ذکر کیا ہے وہ تقریباً تمام
یا اکثر و بیشتر مشق کرنے والوں کو پیش آتی ہیں۔ البتہ ان کے درجے مختلف ہوتے ہیں۔
بعض حساس شخصوں پر ان کا فوری اثر مرتب ہوتا ہے بعض دیر میں متاثر ہوتے ہیں یہی
حال اندرونی رکاوٹ کا ہے۔ کوئی لاشعوری مزاحمت کو رفتہ رفتہ بنا کام بنا دیتا ہے۔ نفس کی
منفی قوت (جو ہر اصلاح اور بہتر تبدیلی کی مخالف ہوتی ہے) ہر شخص میں مختلف پیمانے پر
ہوتی ہے۔ یہ بھی منفی قوت ہی کا اثر ہے تھا کہ آصف گئے یہ محسوس کرنے لگے کہ ان کی تمام
دماغی صلاحیتیں سلب کر لی ہیں یا اندر سے آواز آنے لگی کہ ان مشقوں کو ترک کر
دو۔ اختر ریاض (خُذو آدم) کے خط (۲۱ اپریل ۱۹۶۹ء کے اقتباسات بھی قابل غور ہیں
لکھتے ہیں:

۲۳ مارچ ۱۹۶۹ء کو آپ کا نوازش نامہ ملا۔ ۲۳ مارچ سے اب تک خدا کی پناہ
میں ایسے عجیب و غریب تجربوں، خوابوں، خیالوں اور تاثرات سے گزرا کہ ان کو قلم
بند کرنا بھی دشوار ہے۔ کیم اپریل ۶ اپریل تک مشقیں قطعاً بند رہیں۔ نجانے کیوں؟
میں روزانہ دوپہر یا شام کو پختہ تہیہ کر لیتا تھا کہ رات کو سونے سے قبل مشقِ تنفس ضرور
کروں گا۔ لیکن جہاں رات ہوئی، کاموں سے نمٹ کر مشق کا ارادہ کیا تو نیند کا ایسا شدید
غلبہ ہوا کہ بس بیان نہیں کر سکتا۔ اب لاکھ کوشش کروں کہ بیٹھ کر تنفس نور کر لوں مگر توبہ

کچھ جو ذرا طبیعت مائل ہوئی ہو۔ بس ایک ہی خیال آتا کہ آخر کیا ہے؟ کون سی قیامت
آ رہی ہے کل سہی اور اسی کل سہی کے پچھریں پورے چھ دن ضائع ہو گئے۔ آخر کار ۷
اپریل کو میں اس لاشعوری مزاحمت پر غالب آ گیا اور مشق شروع کر دی۔ سات، آٹھ
اور نو اپریل کو مشقِ تنفس میں کسی قسم کے شعلہ نور کا تصور بندھنے کی بجائے ماضی کے وہ
خفیہ اور گھٹاؤ نے مناظر سامنے آتے رہے کہ ذکر کرتے ہوئے بھی ٹکدر ہوتا ہے شرم آتی
ہے۔ دس گیارہ بارہ اپریل کو (نور کے بجائے) صنف نازک کے گداز جسوں اور حسین
چروں کا تصور بندھا رہا اور میں کسی ایک کو پالینے کی سعی لا حاصل میں مصروف رہا۔
پورے وقت ذہن پر یہ خیال غالب رہا کہ اگر میں شوخی قسمت سے لڑکی بن جاؤں تو ان
خیالی جیکروں میں سے کون سا جسم میرے لئے موزوں رہے گا۔ میں کس کے ساتھ خوش
رہ سکوں گا۔ (بہت کچھ کہنے کے بعد لکھتے ہیں کہ) میں سمجھتا ہوں کہ میں نصابِ تعمیر و
تنظیم شخصیت کا اچھا طالب علم کبھی نہیں بن سکتا اب تک شعلہ نور کا تصور ہی قائم نہ
ہو سکا۔ جانے مشقیں شروع کرنے کے بعد کیا ہو گیا ہے قطعی بے ہنگم ہوتا جا رہا ہوں۔ یہ
عالم ہے کہ پہلے جو لوگ میری عزت کرتے تھے اب میرا مذاق اڑانے لگے ہیں۔

ان اقتباسات کے حرف حرف سے جہاں لاشعوری مزاحمت کا اندازہ ہوتا ہے
(مثلاً چھ روز تہیہ کرنے کے باوجود مشق نہ کر سکا) وہاں ایک اور چیز بھی سامنے آتی ہے۔
یعنی نور کے تصور کے بجائے ماضی کے غفلتی اور شرمناک مناظر کا سامنے آنا۔ گداز جسوں
اور حسین چروں کا تصور اور پھر یہ ارمان یعنی لڑکی بن جانے کا تصور کہیں نہ کہیں دبا پڑا
تھا، جو ابھر کر سامنے آ گیا۔ اسی خط میں اختر ریاض نے ایک خواب نقل کیا ہے۔ اپنے
کچھ جنسی تعلقات کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ کل رات تو حد ہو گئی میں نے خواب
میں ایک قدیم تاریخی شہر دیکھا۔ جس کے طعن سے ایک نیا قصبہ جنم لے رہا ہے۔ میرے
ایک ہم جماعت جو نہایت خوبصورت ہیں (تمام خوب صورت اور حسین سلوئے مردانے
چہرے میری سب سے بڑی کمزوری ہیں) میرے ساتھ ہیں ریل کے ڈبے میں انہوں

نئے مجھے لباس سے عاری کر دیا اور..... (خیر تفصیل کی ضرورت نہیں) پھر ہم اس شہر میں پہنچ گئے۔ ریل سے اتر کر ہم جماعت کے ساتھ ان کے گھر گیا۔ شہر کی سیر کی (خواب کا سلسلہ جاری ہے) سیر سے واپس آ کر شہر کے بارے میں مضمون لکھا پھر انہیں ہم جماعت کے ساتھ ایک بے جا باندہ رات بسر کی۔

عمر جاوید کا حاصل تھی ملاقات کی رات
جب وہ کافر میرا مہمان رہا رات کی رات

اسٹن میں بحالت خواب دیکھا کہ بند دروازے پر کسی نے دستک دی۔ میں نے تیزی سے کپڑے پہنے، بدحواسی میں اپنے پتنگ پر جانا چاہا تو ٹھوکر کھا کر گر پڑا۔ سچ نیند سے بیدار ہو گیا تو پتہ چلا کہ ریل کا سفر ہم جماعت سے بے تکلفانہ ملاقاتیں، شہر کی سیر، مضمون نویسی اور ہم جماعت کے ساتھ دوسری لذیذ رات کیف کے عالم میں بسر کرنا۔ یہ سارے واقعات خواب کے مختصر وقفے میں پیش آ گئے میں اس خواب سے بہت متعجب تھا۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ خواب میں کسی تاریخی ہستی کو (جس کے نطن سے نیا شہر ابھر رہا ہے) دیکھا تھا دوستوں نے عالم خواب کے اس شہر کی تفصیلات بیان کیں تو انہوں نے کہا کہ بھائی! تم خواب میں ٹھہر چاہتے۔ بے حد حیرت ہوئی۔ کیونکہ میں آج تک کبھی ٹھہر نہیں گیا تھا۔

اختر ریاض کے خط کے اجزاء نقل کر دیئے گئے ہیں۔ سخت لاشوری مزاحمت کے علاوہ ان کے تجربے سے پتہ چلا کہ سانس کی مشق نے ان کے نفس میں دلی ہوئی خواہشوں، آرزوؤں اور جہتوں کو یکا یک ابھار دیا۔ تصور نور کے بجائے گندے اور شرمناک مناظر کا ابھرنا۔ لڑکی بن جانے کی تمنا بحالت خواب ایک سالوے مردانہ چہرہ رکھنے والے ہم جماعت سے لذت اندوزی (گویا اپنے جسم سے دوسرے کو لذت اندوز کرنے کی خواہش ان کے اندر جھپی ہوئی تھی) اس کے علاوہ خاص بات یہ کہ اختر ریاض میں ایک بات یہ بھی خارق العادہ، صلاحیت موجود ہے کہ جن مقامات کو انہوں نے

بحالم بیداری کبھی نہیں دیکھا انہیں من و عن خواب میں دیکھ سکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مشق تنفس نور نفس انسانی کی تمام قوتوں کو ابھار دیتی ہے۔ ان میں کچھ شر کے پہلو ہیں کچھ خیر کے، تنفس نور کرنے والوں کی اکثریت کا متفق الفاظ بیان یہ ہے کہ جو نبی انہوں نے یہ مشق شروع کی عجیب و غریب غیر معمولی کیفیات طاری ہو گئیں یعنی تمام دبائے ہوئے جذبات یکا یک ابھر آئے، کوئی ڈر پوک تھا تو اس کے خوف میں بے تحاشہ اضافہ ہو گیا۔ کوئی جنسی بیجان میں مبتلا ہو گیا، کسی کے اندر سخت لاشوری مزاحمت پیدا ہو گئی، کسی پر مایوسی اور بیزاری کے دورے پڑنے لگے، کسی پر گریہ طاری ہو گیا، کسی کی جھلاہٹ اور جھنجھلاہٹ ترقی کر گئی، بات بے بات غصہ آئے لگے۔ یہ تمام ذہنی کیفیات اس حقیقت کی نشاندہی کرتی ہیں کہ مشق تنفس سے اندرونی جذبات بھڑک اٹھتے ہیں اور یہ نہایت صحت مند اور مفید علامت ہے، جب معدے اور انتڑیوں میں فاسد اور گندری (ناہضم شدہ) غذا جمع ہو جاتی ہے تو اس کا واحد علاج یہ ہے کہ جلاب اور تے کے ذریعے اس زہریلے مادے کو خارج کر دیا جائے۔ یہی حال سانس کی مشق کا ہے۔ انسان کے نفس میں منفی جذبات (خوف، غصہ، تشویش، مایوسی، عرونی وغیرہ) تہہ در تہہ جمع ہو جاتے رہتے ہیں۔ شعور کی مستقل کوشش یہ ہوتی ہے کہ اس جہنمی لاوے کو اندر دبائے رہے یہیں سے تمام نفسیاتی امراض (دہم، مراقب، خبط، مالی خویلا اور جنون) کا آغاز ہوتا ہے۔ اس عالم میں سانس کی مشق جلاب اور تے کا کام دیتی ہے۔ اور رفتہ رفتہ تمام منفی جذبات کو ابھار کر انہیں لاشور سے خارج کر دیتی ہے تاکہ نفس کا تزکیہ اور تطہیر (مفاہی اور پاکیزگی) ہو جائے۔ یا یوں سمجھئے کہ سانس کی مشق میں ہر چکر جھاڑ کا کام دیتا ہے۔ یعنی ذہن کے تمام کوڑے کھاڑے کو کوڑوں کھردوں سے نکال کر صحن میں لے آتا ہے۔ بے شک نفسیاتی صحت مندی کی کوشش میں یہ مرحلہ سخت تکلیف دہ ہے۔ تاہم یہ صورت حال عارضی طور پر پیدا ہوتی ہے۔ جب گندہ جذباتی مواد خارج ہو جاتا ہے تو قلب کو عجیب نشاط لذت اور سکون کا احساس ہوتا ہے۔

مرچو

مرچو

جہاں زیب (مردان) کا بیان ہے کہ:

اب میری حالت یہ ہے کہ پچاس فیصدی سے زیادہ تکلیف رنج ہو چکی ہیں۔ (یہ محتاط اندازہ ہے) اور میں نے گویا سنے سرے سے جنم لیا ہے لیکن کبھی ایسا دورہ پڑتا ہے کہ سارے فائدے غائب ہو جاتے ہیں۔ پھر اپنے کو بیمار سمجھنے لگتا ہوں، یہ دورہ کبھی ہفتے میں ایک بار کبھی مہینے میں ایک بار، گاہے گاہے ہفتے میں دو تین بار پڑتا ہے، کبھی شدید، کبھی ہلکا، دورے کے وقت درود شروع ہو کر طبیعت بوجھل ہو جاتی ہے اور اونگھنے لگتا ہوں۔ یہ سب علامتیں سابقہ بیماری کی ہیں۔ ہاں۔ یہ بات ہے کہ دل نہیں دھڑکتا، اس لحاظ سے ضرور صحت مند ہو گیا ہوں۔

☆☆☆

قبض و بسط

نصاب و تعمیر و تنظیم شخصیت کے دوران کبھی طبیعت کا بحال و بشاش ہو جانا اور بھرپور ویسٹروگی و بیزاری کے دورے پڑنے لگنا کوئی حیرت انگیز معاملہ نہیں، ہمیں علم ہے کہ انسانی ذہن کس قدر چنچل، کتنا چوکنا اور کیسا چاق و چوبند واقع ہے، جو کئی انسانی ارادے کی گرفت مضبوط ہونے لگتی ہے۔ وہ پھر پھڑانے اور سی ترانے لگتا ہے لیکن یہ کیفیت ہمیشہ نہیں رہتی۔ آخر کار ارادے کی قوت اس سرکش گھوڑے کو رام کر ہی لیتی ہے اور انسان کی ”انا“ جذبات کے پر شور طوفان پر حاوی ہو جاتی ہے۔

تسکین صدیقی کی کیفیت بقول ان کے یہ ہے کہ پہلے دن میں مایوسی کے دورے پڑتے رہے، خوف و خواب نظر آتے و عجیب و غریب آوازیں سننا، غنودگی کی حالت میں سائے چلتے پھرتے نظر آتے، آنکھ کھول کر کچھ بھی نہیں۔ اس زمانے میں ذہن پر خوف حاوی رہا، رات کو بھی ڈرتا، دن کو بھی ڈرتا، ہر آدمی سے ڈر لگتا۔ یہاں تک کہ اپنے دوستوں سے بھی خطرے کی بو آتی، بازار میں چلتے چلتے قدم لڑکھڑا جاتے، کسی سے بات کرتے کرتے بھول جاتا، عجیب مایوسانہ انداز میں سوچتا، ہر ایک دشمن نظر آتا، کبھی کبھی خودکشی کو جی چاہتا اور جب یہ کیفیتیں گزر جاتیں تو پھر پہلے کی طرح بشاش و بشاش ہو جاتا، آج کل پرسکون ہوں، زیادہ وقت اللہ کی قدرت، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت، قرآن مجید، اسلام، مومن کامل، انسانی عظمت اور صحابہ اکرام رضی اللہ عنہ جیسے موضوعات پر سوچتے گزرتا۔ کبھی خود کو انسانی عظمت کی بلند یوں پر محسوس کرتا ہوں اور کبھی (گو تھوڑے عرصے کے لیے) ذہن انتہائی پست، غلیظ اور گھٹیا خیالات کی

مرچو

اے مالک کل میرے والدین پر رحم فرما

دلہل میں گر جاتا ہے۔

تسکین صدیقی صاحب کا یہ فقرہ پڑھ کر شیخ مصلح الدین سعدی کا شعر یاد آیا:

گمے بر طارم اعلیٰ نشینم

گمے بر نفس پائے خود نہ بینم

یعنی کبھی تو میں ساتویں آسمان پر جا بیٹھتا ہوں اور کبھی اپنے پاؤں کے نشان کو بھی نہیں دیکھ سکتا۔ شیخ سعدی نے تصوف کے ایک مشہور مسئلے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

طریقت کی وادی میں ہر قطب، ابدال، ولی، عارف اور صوفی کو قبض و بسط کے مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے، کبھی یہ محسوس ہوتا ہے کہ سینہ کھل گیا۔ تجلیات الہی کی بادشیں ہونے لگیں اور سارے تجاہات اٹھ گئے۔ اسی کیفیت کو صوفیاء کرام بسط (یعنی دل کھل جانا)

کے نام سے یاد کرتے ہیں اور کبھی قبض طاری ہو جاتا ہے یعنی ٹھن، روحانی بندش اور تاریکی کا احساس! یہ کیفیت صوفیوں پر ہی نہیں شاعروں، عاشقوں، مؤجدوں، فلسفیوں، فن کاروں اور موسیقاروں پر بھی گزرتی ہے۔ حیرتی میر کو لیجیے، خدا سخن کہلاتے ہیں۔ اس کے باوجود میر صاحب کے بارے میں اہل علم کی رائے یہ ہے کہ:

پیش بسیار پست و بلندش بسیار بلند!

مطلب یہ کہ جب وہ شعر گوئی میں نیچے گرتے ہیں تو گرتے ہی چلے جاتے ہیں اور جب بلندی پر پرواز کرتے ہیں تو بلند پروازی کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہتا جس طرح حقیقت کا کوئی طالب، قبض و بسط (دل کھلنے بند ہونے) بلند یوں پستیوں سے گزرے بغیر معرفت کی سب سے اونچی چوٹی پر قدم نہیں رکھ سکتا۔ اسی طرح (S.C.T) کا کوئی طالب علم لاشعوری مزاحمت اور ذہنی بے تواتر کی دیوار پھلانگتے بغیر ذہنی بحالی و دماغ ترقی جذباتی صحت مندی نفسیاتی حقیقت پسندی اور روحانی بیداری کی معراج پر نہیں پہنچ سکتا۔

☆☆☆

برقی مقناطیسی توانائی

پہلے ابواب میں ”روح حیات“ کی کارفرمائی پر مفصل گفتگو کی جا چکی ہے۔ زندگی کی یہ زندگی اور روح کی یہ روح جو تمام کائنات میں پھیلی ہوئی ہے۔ پانی، غذا اور ہوا کے ذریعے ہمارے اندر پہنچتی ہے، کائنات کی اس ہمہ گیر قوت کے حصول کا سب سے آسان مگر موثر وسیلہ سانس کی مشقیں ہیں۔ مشق تنفس نور کرنے والے روح حیات کو برقی مقناطیسی توانائی کی طرح محسوس کرتے ہیں۔ رشید صاحب نے مشق کرتے ہوئے اپنے جسم میں برقی توانائی کی مقناطیسی لہروں دوں دوں محسوس کیا لکھتے ہیں کہ:

چونکہ میں مشقیں پابندی سے کر رہا ہوں۔ اس لئے زیادہ فائدے نمایاں ہو رہے ہیں۔ دانتے ہاتھ میں توانائی کی لہر دوڑتے ہوئے محسوس ہوئی۔ مشق میں ایسا (برقی) جھٹکا لگا۔ جیسے روح جسم سے الگ ہو گئی اور ایک لخت دوبارہ لوٹ آئی۔ ایک مرتبہ رات کو سونے کے لئے بستر پر لیٹا تو فوراً ایک شعاع نور سینے سے دماغ کی طرف بڑھتے دیکھا۔ یہ سب کچھ ہوا مگر فریب حواس سے ساقط نہیں پڑا۔ منظور احمد کو تنفس نور میں سخت جھکوں کا تجربہ ہوا (جیسے بجلی کرنٹ مارتی ہے) اور ایسا لگا کہ حلق سے اوپر کی طرف دباؤ پڑ رہا ہے مگر سچ اللہ چوہدری بی ایس سی (راولپنڈی) نے اپنے خط ۲۳ ستمبر ۱۹۷۰ء میں لکھا ہے کہ آپ کی ہدایت کے مطابق میں روشنی کا کوئی خاص تصور قائم کرنے کے لئے ذہن پر زور نہیں دیتا بلکہ ذہن خود بخود چاند کا تصور قائم کر لیتا ہے۔ جیسا کہ میں نے پہلے لکھا تھا۔ جب روشنی اندر جاتے ہوئے محسوس ہوتی ہے تو جسم میں کرنٹ سا لگتا ہے۔ تین چار عجیب و غریب خواب بھی نظر آئے (مشق تنفس نور شروع کرنے کے بعض

اوقات خوابوں کا طویل سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

مولود احمد صاحب کے تاثرات ملاحظہ ہوں:

مشقیں شروع کرنے کے بعد میرے تاثرات یہ ہیں کہ سارے مثنیٰ جذبات لاشعوری بناوت کی علامت تھے۔ مثنیٰ جذبات (غم و غصہ) کی یہ آگ اپنی پوری آنج وکھا کر ٹھنڈی پڑ چکی ہے۔ مشقیں شروع کرنے کے پانچویں دن سانس کے آخری چکر پر روشنی کا دھندلا تاثر ہوا تھا۔ آٹھویں دن میں رک رک کر گہرے گہرے سانس لے رہا تھا تو یکایک سوچا جسم جہن جہن کر رہ گیا۔ ۲۶ تاریخ کو مشقِ تنفس نور میں ایسا لگا کہ جسم کا وزن غائب ہو گیا اوپر کا دھڑلہ ہوتا چلا جا رہا ہے اور سر کافی بلندی پر لگا ہوا ہے۔ درحقیقت یہ سارے احساسات یعنی جسم کو جھٹکے لگانا۔ یہ محسوس ہونا کہ برقی رو، رگ و پے میں دوڑ رہی ہے۔ اعضاء کی جہن جہناہٹ، مثنیٰ قوت کی بیداری کے مظاہر ہیں جس طرح بجلی کا تار چھوٹے سے جھٹکا لگتا ہے۔ کبھی کبھی سانس کھینچنے اور سینے میں روکتے وقت اسی قسم کے تجربے ہوتے ہیں۔ ایک مرتبہ راقم الحروف خالی پیٹ سانس کی مشق کر رہا تھا اندر کھینچنے ہی دماغ ضرب کی گئی۔ آنکھیں اوپر چڑھ گئیں اور چھوٹے سیٹھ کے لئے کچھ خبر نہ رہی۔ سانس کی مشق سے پورے پورے فوائد حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ یہ مشق خالی پیٹ کی جائے۔ روزے کی حالت میں مشقِ تنفس نور بے حد مفید ہے اور اس کے اثرات حیرت انگیز ہوتے ہیں۔ روزے کی طرح ترک حیوانات کا عمل بھی اس مشق کی کامیابی کی ضمانت ہے۔

مشتاق احمد (اسلام آباد) اپنے خط مورخہ ۶ مارچ ۱۹۷۱ء میں لکھتے ہیں کہ:

آپ کی ہدایت کے مطابق ۸ فروری سے گوشت، انڈے اور مچھلی بالکل ترک کر رکھی ہے۔ گوشت کی غذاؤں کو چھوٹا تک نہیں۔ تنفس نور اور خود نویسی کی مشقیں برابر جاری ہیں۔ ترک حیوانات کے سبب اس مشق کے اثرات میں بے انتہا اضافہ ہو گیا ہے۔

۱۔ ذہنی صحت کے لئے مشقِ تنفس نور اور خود نویسی کی مشقیں لازم و ملزوم ہیں۔ خود نویسی پر آمادہ بھٹ کی جائے گی۔

یوں سمجھئے کہ نئی دنیا میں سانس لے رہا ہوں۔ چہرہ سرخ ہوتا جا رہا ہے، بیکار قسم کے دوسے، خدشے اور خوف غائب ہو گئے ہیں۔ لاشعوری مزاحمت کے سبب ان مشقوں میں نائنے بھی ہوئے، سستی کی وجہ سے مشق جھوٹ بھی گئی۔ میں ہمیشہ جنسی ہیجان میں مبتلا رہتا تھا اب ارادہ اتنا مضبوط ہو گیا ہے کہ آسانی کے ساتھ طوفان جذبات پر قابو پا سکتا ہوں۔ میں بیداری میں خواب دیکھنے (DAY DREAMING) کا عادی تھا۔ تنفس نور کی بدولت حقیقت پسندی کی صلاحیت بیدار ہو رہی ہے۔

عین الحق صاحب (کلکتہ مشرقی پاکستان) طرح طرح کی ذہنی الجھنوں میں مبتلا تھے۔ میں نے انہیں مشقِ تنفس نور کے ساتھ ”ترک حیوانات“ کی ہدایت کی۔ اپنی ماہانہ رپورٹ (مورخہ ۲۶ جنوری ۱۹۷۱ء) میں اعتراف کرتے ہیں کہ:

اکیس روز تک گوشت کھانا بالکل چھوڑ دیا، ان تین ہفتوں میں حسب ذیل فوائد محسوس ہوئے:

آنکھیں بند کر کے سانس روکتے ہیں تو چاروں طرف نور ہی نور نظر آتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ ہم نور کے سوا کچھ بھی نہیں۔ کبھی کبھی تو ہم اپنے کو چھوٹا کر دیکھ لیتے ہیں کہ ہم ہیں بھی یا ہوا میں تحلیل ہو گئے۔ (۲) روح میں پاکیزگی بیدار ہو رہی ہے، سوچنے کا ڈھنگ بدل رہا ہے۔ (۳) احساس کمتری آہستہ آہستہ کمزور پڑتا جا رہا ہے۔ (۴) مایوسی کے دورے قریب قریب بند ہو گئے ورنہ کبھی کبھی تو خودکشی کرنے کو بھی چاہنے لگتا تھا۔ (۵) سانس کھینچنے اور روکتے وقت کان انکارے کی طرح دھکنے لگتے اور جسم پر چیونٹیاں سی رہتی لگتی ہیں (عین الحق صاحب کی چیونٹیوں پر مجھے اپنا اک شعر یاد آ گیا۔)

چیونٹیاں جیسے ذہن پر رنگیں

اف یہ میرے لطیف احساسات

کانوں کا انکارے کی طرح دھکنے لگنا اور جسم پر چیونٹیاں رہتی ہوئی محسوس کرنا برقی مصلحتی رو کے دوڑنے کی علامت ہے۔ عین الحق صاحب لکھتے ہیں کہ مشق کے

لے سانس بھی آہستہ

60

دوران اگر سر پر کپڑا ہو تو منوں بوجھ محسوس ہوتا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ ہم کپڑوں کی بندش سے آزاد ہو کر مشق کریں۔ مشق میں سر پر کپڑے کا بوجھ، منوں بوجھ نفس کی نزاکت کے احساس کی انتہا ہے۔ اس بیان سے انداز ہو سکتا ہے کہ یہ مشق (بلکہ یہ مشقتیں) جسم کو کتنا ذی حس اور نفس کو کس درجہ نازک بنا دیتی ہیں۔ امر واقعہ یہ ہے (S.C.T) کا عامل یوزی نازک طبیعت کا مالک ہو جاتا ہے۔

اے غرور حسن، تیرے شیدہ ہائے ناز سے

لطف اٹھانے کو بہت نازک طبیعت چاہیے

حبیب احمد خاں بی اے (منیلا ڈیم میرپور آزاد کشمیر) کی طویل رپورٹ کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں (رپورٹ پر ۲۸ اپریل ۱۹۷۰ء درج ہے) مشق تھکنور (اگر مراقبہ نور) سے مکمل فائدے تو ابھی محسوس نہیں ہوئے۔ تاہم اپنے اندر حسب ذیل تبدیلیاں پارہا ہوں۔

(۱) دماغ میں نئی طرح کی تھکن پیدا ہو گئی ہے۔ پہلے کبھی کبھار دوسری شکایت ہو جایا کرتی تھی۔ اب اس شکایت سے نجات مل گئی ہے۔ (۲) حاضر جوابی کی قوت میں نمایاں اضافہ ہوا ہے۔ (۳) مشکل سے مشکل کتابیں تین چار بلکہ پانچ گھنٹے مسلسل پڑھنے سے بھی اچانک نہیں ہوتا۔ (۴) بہت ہی عجیب و غریب مگر خوش کن خواب نظر آتے ہیں۔ (۵) البتہ جذبات میں کسی قدر شدت پیدا ہو گئی ہے۔ (۶) شروع شروع میں سانس خارج کرتے وقت دماغ گرم ہو جاتا تھا۔ اب مشق کے سبب یہ کیفیت باقی نہیں رہی البتہ مشق کرتے وقت پسینے پسینے ہو جاتا ہوں (مشق تھکن کرنے والوں کی اکثریت کا یہ تجربہ مشترک ہے۔ ظاہر ہے کہ حرارت و حدت کا احساس برقی مقناطیسی توانائی پیدا ہونے کے سبب ہوتا ہے اور پسینہ آنے کی وجہ بھی یہی ہے) حبیب احمد نے اسی پورٹ میں کھو جانے کی کیفیت کا بھی ذکر کیا ہے۔ میں خود اس کیفیت سے واقف ہوں، ہوتا یہ ہے کہ چند لمحے کے لئے آدمی گرد و پیش سے غافل ہو جاتا ہے۔ لکھتے ہیں

لے سانس بھی آہستہ

61

کہ خواب بہت عجیب اور روشن نظر آتے ہیں۔ عام طور پر بحالت خواب دیکھتا ہوں کہ تنگ گھائیوں کو عبور کر رہا ہوں۔ مشکل راستوں سے گزر رہا ہوں، سوار جا رہا ہوں۔ یہ حقیقت ہے کہ میں جب بھی اس قسم کا خواب دیکھتا ہوں، عملی زندگی میں کوئی نہ کوئی کامیابی نصیب ہوتی ہے۔ آج کل اس قسم کے خواب بکثرت نظر آ رہے ہیں۔ کل دن میں (مشق کے بعد) سوتے سوتے اپنے کونہر کے کنارے پایا۔ منہ قیام گاہ سے ایک میل فاصلے پر ہے یہ محسوس ہوا کہ میں بہت تیز چل (بلکہ اڑ) سکتا ہوں۔ بحالت خواب ایک ایک فرلانگ کا فاصلہ طے کیا۔ پھر پلک جھپکتے ہی منہ کے بجائے گھر کے اندر موجود تھا۔ اسی طرح ایک دن غنودگی میں اپنے کو عجیب مقام پر پایا۔ اس وقت یہ بھی خیال تھا کہ خواب دیکھ رہا ہوں۔ یہ ناقابل یقین تجربہ بھی ہوا کہ بیک وقت گھر میں پڑا ہوں اور ایک خوفناک راستے پر بھی چل رہا ہوں۔ یعنی بیک وقت دو جگہ موجود ہوں۔ اپنے پر اتنا اظہار پھر بھی تھا کہ جب آنکھیں کھول تو اپنے کمرے میں پاتا۔ جب آنکھیں بند کرتا تو اسی مقام پر چلا جاتا، سانس کی مشق سے دماغ میں تازگی اور سانس میں تھکن محسوس ہوتی ہے۔

جہاں زیب (تحصیل کوئٹہ خود خلع مردان) کا تازہ ترین خط (۱۳ ستمبر ۱۹۷۱ء ملاحظہ ہو:

(۱) اگرچہ لاشعوری مزامنت کے سبب اب بھی ناسخ ہو جاتے ہیں اور برابر اندر سے آواز آتی رہتی ہے کہ مشقتیں ترک کر دو، ان سے کوئی فائدہ نہیں تاہم یہ خاک سار برابر مشق تھکنور (اور مراقبہ نور) پر عامل ہے۔ فی الحال محسوسات حسب ذیل ہیں۔ خود اعتمادی ترقی کرتی جا رہی ہے۔ کبھی کبھار چرس یا شراب کی شدید خواہش ہوتی ہے لیکن میرا ارادہ اس بے چین کر دینے والی خواہش پر غالب آ جاتا ہے۔ (۲) گاہے گاہے ذہن پر دروں بینی کی حالت غالب آ جاتی ہے۔ (دروں بینی کہتے ہیں صرف اپنی ذات

۱۔ تنگ گھائیوں مشکل راستے اور سواری کے خواب دوسری نفسی کیفیتوں کے علاوہ نفسی بیماری کی نشاندہی بھی کرتے ہیں۔

کے خول میں چھپ جانا۔ (۳) کبھی اپنے پر اس درجہ اعتماد ہو جاتا ہے کہ دوسروں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بے ٹکان گفتگو کر لیتا ہوں۔ پہلے اس کا تصور بھی نہ کر سکتا تھا لیکن اس کے برعکس کبھی شدید احساس کمتری کا دورہ پڑ جاتا ہے۔ (۴) بعض اوقات عجیب قسم کا روحانی سرور طاری ہوتا ہے تو ذہن اس طرح کشادہ ہو جاتا ہے کہ پرانی باتیں خود بخود یاد آنے لگتی ہیں۔ مگر کبھی کبھی دل کے تمام در پیچ بند ہو جاتے ہیں، اعصابی تناؤ اور ذہنی کشش بالکل ختم ہو گئی ہے۔

حافظہ

جہاں زیب صاحب (مردان) نے مشق تخلص نور سے ایک یہ فائدہ بھی محسوس کیا کہ بسا اوقات ذہن اتنا کشادہ ہو جاتا ہے کہ پرانی باتیں یاد آنے لگتی ہیں۔ اس تجربے میں بہت سے حضرات شریک ہیں۔ بے شک یہ مشق (بلکہ مشقیں) رفتہ رفتہ حافظہ کو بہتر سے بہتر اور یادداشت کو قوی تر بنا دیتی ہے۔

احمد سلیم (لاہور) کا تجربہ ہے کہ (خط مورخہ ۱۱ ستمبر ۱۹۷۱ء) مجھے امید ہے کہ میں سانس کی مشق چھ مہینے تک کر رہوں تو میری شخصیت بدل جائے گی۔ چنانچہ شخصیت میں گہری اندرونی تبدیلی کے آثار نمایاں ہو رہے ہیں۔ پہلے میں (حافظے کی خرابی کے سبب) دوستوں کے اصرار سے پڑھا کرتا تھا۔ اس سلسلے میں آپ نے بہت سی نصیحتیں کی تھیں۔ لیکن بد نصیبی سے انہیں ٹھکرا دیا۔ لیکن اب ایسا لگ رہا ہے کہ ذہن کے قفل ٹوٹ رہے ہیں اب میں نے فیصلہ کیا ہے کہ دوسروں کے دکھاوے کے لئے نہیں بلکہ اپنے لئے پڑھوں گا، میں نے از سر نو مطالعہ شروع کر دیا۔ میڈیکل کالج کے ضمنی امتحان میں صرف ڈیڑھ مہینہ باقی ہے۔ مجھے ان چند ہفتوں میں دو سال کی پوس مائیک کی تلافی کرنی ہے۔ اس مشق نے مجھ میں اتنی خود اعتمادی پیدا کر دی ہے کہ نہ صرف لاشعور کی بغاوت پر غالب آ سکتا ہوں بلکہ اپنی ذہنی صلاحیتوں کا بھرپور استعمال بھی کر سکتا ہوں۔ (S.C.T) کے بیشتر طلبہ کا متفقہ بیان ہے کہ سانس کی مشق سے رفتہ رفتہ انہیں ”شرح صدر“ کا

احساس ہوا۔ شرح صدر کہتے ہیں قلب کی کشادگی کو! یعنی یہ محسوس ہوا کہ دل کا بند در پیچ کھل رہا ہے یا باغیچہ دل کھل رہا ہے جو لوگ حافظے کی کمزوری میں مبتلا ہوتے ہیں انہیں عام طور پر دل و دماغ کی بندش کی شکایت ہوا کرتی ہے جیسے قلب پر تالے پڑے ہوئے ہیں یا دماغ بوجھل بوجھل اور بند بند ہے۔ حافظے کی خرابی کے اسباب منفی اور مثبت جذبات (یعنی دل و دماغ) کی نگر ہے۔ بیک وقت نفس میں دو مختلف جذبوں اور خواہشوں کی لہریں پیدا ہوتی ہیں اور جب یہ لہریں ایک دوسرے کو کاٹتی ہوئی گزرتا چاہتی ہیں تو ذہن کی سطح پر عجیب قسم کی کشش برپا ہو جاتی ہے۔ اس کشش کا پہلا نشانہ حافظہ ہوتا ہے۔ ہزاروں طلبہ اور سیکڑوں طالبات نے مجھ سے (تحریر و تقریر کے ذریعے) یہ شکایت دہرائی ہے کہ بچپن میں ان کا حافظہ بہتر تھا جو کچھ پڑھتے تھے فوراً یاد ہو جاتا تھا، مطالعے میں جی لگتا تھا۔ مگر جو بچی جوانی کی حدود میں قدم رکھا۔ نہ ذہن کی تیزی رہی نہ طبیعت کی طراوی! ایسا لگتا جیسے کسی نے روح کو اندر سے جکڑ لیا ہے۔ بہت سوں کو ایسا محسوس ہوا کہ دماغ کا پچھلے حصہ بوجھل ہو گیا۔ بہت سوں پر غالب دماغی کا دورہ پڑ گیا کہ دماغ خوف ناک واہموں کا شکار ہو گئے۔ ان حالات میں ذراؤنے اور خوفناک خوابوں کا طویل سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ کچھ نوجوان (لڑکے بھی لڑکیاں بھی) خواب ہائے بیداری میں کھو جاتے ہیں۔ یعنی انہیں حقیقی دنیا میں جولدت سکون، رتبہ، شہرت اور محبوبیت میسر نہیں آتی اسے خیالی دنیا میں حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چاہنے اور چاہے جانے کی پر جوش تمنا اور بے چین کر دینے والی آرزو سر پر مسلط ہو جاتی ہے۔ طبیعت بے حد حساس اور نازک ہو جاتی ہے۔

مجھے جب سے محبت ہو گئی ہے

بہت نازک طبیعت ہو گئی ہے

حقیقت یہ ہے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے دس گیارہ سال سے چوبیس پچیس سال تک کا زمانہ بڑی آزمائش، امتحان اور ابتلا کا زمانہ ہے۔ سات برس کی عمر کے بعد

بچہ، بچہ سے گزر کر لڑکپن کی حد میں داخل ہوتا ہے۔ بچپن اور لڑکپن ایک ہی راستے کی دو منزلیں ہیں پہلی منزل سادگی اور مصومیت کی ہے۔ دوسری شوخی و شرارت کی۔ اس دوسری منزل (لڑکپن) میں قدم رکھ کر لڑکے اور لڑکی کو نوجوانی کی آنچ محسوس ہونے لگتی ہے۔ جسم کے غدد پوری طاقت سے کام کرنے لگتے ہیں۔ خون کی روانی تیز ہو جاتی ہے جس طرح سات سے چودہ سال کے درمیان لڑکے اور لڑکی کا جسم نت نئی تبدیلی سے دوچار ہوتا ہے۔ لڑکیاں بھرپور عورت بننے لگتی ہیں۔ لڑکے مردانہ سانچے میں ڈھلنے لگتے ہیں۔ اسی طرح ذہن جذبات کی نئی کشش سے دوچار ہوتا ہے۔ اس کشش کی واضح علامت گہرا بلغمی اضطراب جنسی ہیجان اور حافظے کی خرابی ہے۔ اضطراب و ہیجان کے اس مخصوص زمانے میں سانس کی مشق بے حد سکون اور نشاط خاطرہ سبب ثابت ہوتی ہے۔

سکون قلب

خالد جاوید (بھاول نگر) رقم طراز ہیں آپ کی گمرانی میں تنفس نور کی مشق کر رہا ہوں۔ ان مشقوں سے مجھے ایسا سکون اور ضمیر اؤ ملا ہے کہ بیان نہیں کر سکتا۔ مثلاً جلد بازی ختم ہو گئی ہے۔ سنجیدگی اور احتیاط غالب آ رہی ہے، ہر کام پہ بڑے اطمینان سے کرتا ہوں۔ دماغ میں پہلے کی طرح ہلچل نہیں ہے، برے خیال آئے کم ہو گئے ہیں تاہم اب بھی ”انتشار توجہ“ کی شکایت موجود ہے۔ یعنی سکون قلب کے باوجود آج بھی دیر تک توجہ کسی ایک نقطے (POINT) کی طرف مبذول نہیں کر سکتا۔ مطالعہ شروع کرنے کے کچھ دیر بعد ادھر ادھر کے خیالات بلہ بول دیتے ہیں۔ کچھ دیر یہ کیفیت طاری رہتی ہے۔ پھر سکون قلب اور خود اعتمادی لوٹ آتی ہے۔

سی ایچ اکرم (راولپنڈی) کا بیان ہے کہ:

تنفس نور (اور خود نویسی) سے خود اعتمادی میں کافی اضافہ ہوا ہے۔ جو کامیابیاں نصیب ہوئی ہیں، وہ بجائے خود سب سے بڑا انعام ہیں۔ اب سے پہلے مجھے نہ اپنے پر اعتماد تھا نہ دوسروں پر۔ آؤ! بے اعتمادی کے ساتھ زندگی بسر کرنا موت سے بدتر

ہے۔ آدمی کسی نہ کسی سہارے بسر کرتا ہے لیکن اگر کوئی سہارا ہی باقی نہ رہے تو؟ بے اعتمادی کی زندگی بہت عذاب ہے۔

یہ جینا ہے یہ کوئی زندگی ہے

اب اندر سے خود اعتمادی ابھر رہی ہے، اضطراب قلب میں کمی ہے۔ مشق کرنے کے بعد اپنے کو بلند حوصلہ اور بڑا اعتماد محسوس کرتا ہوں۔ ہر چیز پر اعتبار آنے لگا ہے، وہم کم ہو رہے ہیں، یقین پیدا ہو رہا ہے۔

یقین پیدا کر اے غافل کہ مغلوب مگیاں تو ہے

بظاہر اپنے نفس پر اتنا قابو پا چکا ہوں کہ عشق کے حادثات ہوں یا قتل کے معاملات! میں دونوں منزلوں سے حقیقت پسندانہ گزر جاتا ہوں۔ پہلے فیصلہ کرنے کی استعداد دینی ہوئی تھی۔ ہر قدم پس و پیش کا عالم طاری رہتا تھا، اب کوئی قدم اٹھانے میں ہچکچاہٹ نہیں ہوتی۔

محمد صدیق شاہد آرائیں نے (اپنے خط مورخہ ۱۷ مئی ۱۹۷۱ء میں) اعتراف کیا ہے کہ:

توجہ میں یکسوئی پیدا ہوئی، دل بھی پرسکون ہے۔ دماغ بھی، جب بھی آنکھیں بند کرتا ہوں۔ دل فریب مناظر سامنے آ جاتے ہیں اور میں ان مناظر میں کھو کر کچھ دیر کے لئے دنیا اور غم دنیا کو فراموش کر دیتا ہوں۔ اتنا لطف آتا ہے کہ بیان نہیں کر سکتا، خود اعتمادی کے سبب اتنی بے خوفی پیدا ہو گئی کہ اگر خدا خواستہ میرے سامنے کسی کو قتل بھی کر دیا جائے تو ذرا وحشت زدہ نہ ہوں گا۔ کبھی تو ایک خیال سے توجہ اس قدر چٹ کر رہ جاتی ہے کہ اور ہر خیال فراموش ہو جاتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ سانس جس قدر دیر میں کھینچا۔ جتنی دیر سینے میں روکا اور جس قدر آہستگی اور نرمی سے خارج کیا جاتا ہے۔ سکون قلب میں اتنا ہی اضافہ ہوتا ہے جتنے درجے عقل کے ہیں۔ جنوں کے مدارج ان سے کم نہیں، مشہور ہے کہ:

ہر کس بخیاں خویش خیلے دارد

ہر آدمی کسی نہ کسی خیل میں مبتلا ہوتا ہے، زندگی سے نباہ کر نیکے تینے زینے ہیں۔ پہلے ربط یعنی، زندگی اور اس کے کاروبار سے ربط۔ مناسبت تعلق اور دلچسپی پیدا کی جائے ربط کے بعد ضبط منزل آتی ہے ربط پیدا کرنے کے سلسلے میں جو ناگوار حادثے پیش آتے ہیں۔ ان کا مقابلہ ضبط و نظم کے ساتھ کیا جائے، اسے باقاعدہ جدوجہد حیات کہتے ہیں۔ اگر باقاعدہ جدوجہد حیات کے باوجود بھی کسی مقصد کے حصول میں ناکامی ہو تو ضبط کی منزل آ جاتی ہے یعنی آدمی اسی ایک مقصد میں اپنے گوگم کر دیتا ہے۔ اس کی ساری توانائیاں صرف ایک نقطے پر مرکوز ہو جاتی ہیں اور تمام دلچسپیوں سے قطع تعلق کر لیتا ہے۔ اس پر ایک ہی کام کا بھوت سوار ہو جاتا ہے۔ یہ خیل کا صحت مندانہ درجہ ہے۔ اس کے بعد خیل کے بستے مرسلے اور مظاہرے ہیں وہ ذہنی کمزوری کی علامت ہیں، شدید خیل کی حالت ”جنون“ کہلاتی ہے۔ جنون کے کرشمے بار بار نظر سے گزرے ہوں گے اگر کسی شخص کے نفس میں جنون کی کوئی جھلک رہی کہیں وہی ہوئی ہوتی ہے تو سانس کی مشق سے وہ بھڑک اٹھتی ہے بھڑک اٹھنے کا سبب آپ کو معلوم ہی ہے۔ ان مشقوں کو دواتر سے کیا جائے تو وہ تمام جذبات، میلانات خواہشات اور الجھنیں جو اندر دبی پڑی ہیں۔ ابھر کر سامنے آ جاتی ہیں اور مریض شعوری طور پر ان کا مقابلہ کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ محمد نسیم بلوچ (بلوچستان) کو مشق شخص نور سے ابتدا میں یہ اندیشہ ہوا کہ وہ کہیں پاگل نہ ہو جائیں۔ بقول ان کے مشق برابر کر رہا ہوں۔ فائدے یقیناً بہت زیادہ محسوس ہو رہے ہیں۔ دل کی دھڑکن تقریباً غائب ہو گئی ہے پریشانیاں بھی یقیناً بہت کم ہو گئی ہیں۔ سکون قلب بھی محسوس ہوتا ہے کبھی کبھی عجیب سا احساس ہوتا ہے یعنی بعض اوقات یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں پاگل نہ ہو جاؤں۔ پہلی دوسری تیسری اور چوتھی جنوری پھر چودہ پندرہ اور سولہ پھر چھبیس ستائیس جنوری کو مشق کے بعد خوف دامن گیر ہو گیا کہ میں پاگل ہوتا جا رہا

ہوں۔ یہ وہم لاحق ہوا کہ سردی میں ایسے لوگوں کی دماغی حالت خراب ہو جاتی ہے۔ دماغ جم جاتا ہے، جب یہ وہم ہوتا ہے (کہ دماغ خراب ہو جائے گا) تو نیند غائب ہو جاتی ہے۔ شور و غل تکلیف دینے لگتا ہے (خط مورخہ ۲۷ جنوری ۱۹۷۱ء واقعہ بھی یہی ہے کہ اگر قلب مستقل طور پر مضطرب اور آدمی کشاکش میں پھنسا رہے تو ”زردی بریک ڈاؤن“ یا عصبی خلل کے دورے پڑتے ہیں۔ اعصاب اس طرح تن جاتے ہیں جس طرح سارنگی کے تار۔ بعض اوقات عصبی خلل کے سبب آدمی کو دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ نبض بے دھنگی چلنے لگتی ہے، اندرونی کشکش کے سبب اتنی تکان طاری ہوتی ہے کہ بستر سے اٹھ نہیں جاتا اگر یہ کیفیات طاری رہیں تو ”خفیف فشار الدم“ (لو بلڈ پریشر) یا قوی فشار الدم (ہائی) کا عارضہ لاحق ہو جاتا ہے۔

نف جسمی امراض

ان امراض کو کہتے ہیں جن کی ابتداء جذباتی کشکش (دل و دماغ کی ٹکر) سے ہوتی ہے اور اختتام جسمانی تکلیف پر ہوتا ہے۔ مثلاً خون کا دباؤ کم ہو جانا یا بڑھ جانا۔ بظاہر ذہن و جسم میں وہی تعلق ہے جو اندر سے اور مرنے میں ہوتا ہے ہزاروں سال سے باشعور انسان مرغوں کی نسل کشی کر رہے ہیں مگر اب تک یہ طے نہیں کر پائے کہ انڈا پہلے ہے یا مرغی؟ یہی حال ذہن اور جسم کی بحث کا ہے سترہویں صدی میں لوگ جسم پر ذہن کی اولیت کے قائل تھے۔ پھر تجرباتی علوم طبیعیات، کیمیا وغیرہ کی ترقی کے نتیجے میں مادے کو روح پر فوقیت دے دی گئی اور یہ دعویٰ کیا گیا کہ انسانی دماغ سے شعور اسی طرح پیدا ہوتا ہے جس طرح منہ سے لعاب ذہن آنکھ آنسو اور جگر سے صفرا۔ لیکن اب پھر، نظریات کا مسافر ماضی کی طرف جا رہا ہے اور اکثر نفسیات داں ذہن کی عظمت کو تسلیم کرنے لگے ہیں اس اعلان کے ساتھ کہ جسم شعور کے منفید، حیرت انگیز اور مستعد آلہ کار سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ اس کتاب کے مصنف کا عقیدہ بھی یہی ہے۔ میں نے

”عقیدے“ کا لفظ قبل از وقت استعمال کر لیا۔ یہ کہنا مناسب تھا کہ میرا تجربہ، مشاہدہ اور حاصل مطالعہ بھی یہی ہے کہ جسمی امراض (PSYCHOSOMATIC) میں ”نف“ (نفس) کو بنیادی اہمیت حاصل ہے اور ”جسمی“ کو ثانوی یعنی یہ غلط انداز فکر یا جذباتی دباؤ ہے جو بدن میں امراض کے اثرات کو قبول کرنے کی نہ صرف گنجائش اور استعداد پیدا کر دیتا ہے بلکہ جسمانی امراض کی شدت میں اور اضافہ کر دیتا ہے۔ اس صورت میں بھی سانس کی مشق کچھ کم موثر ثابت نہیں ہوتی۔

مسعود احمد (لاہور) اپنے خط مورخہ ۱۵ نومبر ۱۹۷۰ء میں لکھتے ہیں کہ آپ نے میری گفتگو والی کیفیت کو ”قبض“ سے تعبیر کیا تھا۔ یہ اندازہ بالکل صحیح تھا۔ واقعی اس روحانی بندش کے سبب بے حد کرب تھا، تنگ آ کر خود اپنے سے نفرت کرنے لگا تھا۔

- | | |
|--------------------|------------------------------------|
| (1) Mental Tension | (2) Anxiety |
| (3) Excitation | (4) Agitation |
| (5) Hypochondria | (6) Neurasthenia |
| (7) Dyspholia | (8) Psychoneurosis |
| (9) Hysteria | (10) Obsessive Compulsive Neurosis |
| (11) Phobia | (12) Restless Depression. |

اس وقت صرف آپ نے مشق تنفس نور (پانچ چکر صبح، پانچ چکر مغرب اور پانچ چکر سونے سے قبل) کا مشورہ دیا تھا۔ اس روز سے ہدایت پر عمل کر رہا ہوں۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ مشق شروع کرنے کے دو ہی دن یہ ”قبض“ دور ہو گیا۔ قبض دور ہوتے ہی وہ اعصابی تناؤ کی سی شکایت بھی (جیسے دماغ کے رگ پٹھے کھینچ رہے ہیں) رزق رفتہ رفتہ مائع ہو گئی اب میری جسمانی صحت بھی پہلے سے بہتر ہے لیکن اندیشہ رہتا ہے کہ پرانی بیماریاں پھر نہ لوٹ آئیں۔ مسعود احمد صاحب خوف صبح ہے، بیماریاں عارضی طور پر لوٹ

۱۔ قبض دہش کی بحث بھر پور ہے۔

آیا کرتی ہیں۔

ظفر اقبال (۷ اپریل ۱۹۷۰ء لکھتے ہیں) کہ:

میں نے آپ کی اجازت سے دوبارہ مشقیں شروع کر دی ہیں۔ مشق شروع کرتے ہی محسوس ہوا کہ پرانی بیماری دوبارہ جاگ اٹھی ہے۔ تین روز بعد کچھ سکون محسوس ہوا۔ پانچویں دن ایک قدیم بیماری نے سر اٹھارہا، جس نے مجھے تین چار روز تک مایہ بے آب کی طرح تر پایا۔ معاف کیجئے یہ دوسری بیماری عشق کی تھی۔

آخر اس درد کی دوا کیا ہے؟

جب بھی مشق تنفس نور کرتا ہوں، اس کی تصویر نور کے بجائے سینے میں ابھرتی ہے۔

جب ذرا گردن جھکاؤ دیکھ لی

پہلے اپنی بندش تھی کہ لاکھ تصور کرو، تصویر ہی نہ بننے پاتی تھی۔

محمد یونس (راولپنڈی) کا خط (۲ مئی ۱۹۶۹ء مفصل اور طویل ہے، ان کی

کیفیات کے کئی پہلو قابل توجہ ہیں۔ لکھتے ہیں کہ (۱) جذبات میں شدت اور تیزی پیدا ہو گئی ہے۔ کبھی کبھی اتنی شدت ہوجاتی ہے کہ اپنے سے ڈرنے لگتا ہوں۔ کہیں ہاتھ پیر نہ توڑ ڈالوں۔ (۲) مٹی چاہتا ہے کہ کھڑکی کی آہنی سلاخیں توڑ ڈالوں۔ دل کہتا ہے تم سلاخیں توڑنے پر قادر ہو۔ (۳) کبھی کبھی شدت جذبات سے خود بڑبڑانے اور دوسروں کو ڈانٹنے لگتا ہوں (۴) جسم پر چوٹیاں رینگتی محسوس ہوتی ہیں۔ (عین الحق کھلنا کا تجربہ بھی یہی ہے) اور گرمی محسوس ہوتی ہے (برقی مقناطیسی توانائی کے بیانات سامنے رکھیں) (۵) میں مشتوں سے قبل ملنسار اور ملائم سمجھا جاتا تھا۔ اب کبھی کبھی کافی تند خو ہوجاتا ہوں، البتہ مشق کرتے ہوئے بے پناہ سرور و سکون محسوس ہوتا ہے۔ (۶) ایسا لگتا ہے کہ میرے اعصاب و عضلات میں نئی طاقت دوڑ رہی ہے۔ (۷) میں خوشبو لگانا پسند نہیں کرتا، کل ۱۹ مئی مغرب کے وقت اکیلے کمرے میں مشق کرتے ہوئے خوشبو کا ایک جھونکا

۱۔ اگر شاعری حراست کے سبب مشتوں میں طویل وقفہ نہ جاسکے تو اسر نور مشق کی اجازت حاصل کر لی جاسکے۔

آیا اور روح تک کو معطر کر کے گزر گیا۔

ہوائے صبح نہانے کہاں سے آئی ہے
مہک رہی ہے فضا میں اک انہنی خوشبو
نہیں معلوم، یہ خوشبو کہاں سے آئی تھی، کہاں چلی گئی۔
دل سے یا گلستاں سے آتی ہے
ان کی خوشبو کہاں سے آتی ہے

نف جیسی امراض کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عرض کیا تھا کہ ”نف جیسی“
میں ”نف“ (نفس) کو، جیسی (بدن) پر صریحی غلبہ حاصل ہے۔ اب محمد یونس صاحب
کے تجربے پر غور کیجئے۔ اکیلے کمرے میں مشق تھیں نور کر رہے ہیں کہ یکا یک کسی طرف
سے خوشبو کا جھونکا آیا ہے اور دل و دماغ معطر کر دیتا ہے۔ حالانکہ جسم عطر آلود نہیں، یہ تو
ممکن ہے کہ جسم طرح طرح کے عطریات سے مہکا ہوا ہو اور روح بدستور گندہ اور بدبودار
رہے (کوڑھ کے ایک مریض نے خود مجھ سے کہا تھا کہ میں اپنے زخموں کی عفویت کو
چھپانے اور دبانے کے لئے برابر عطر و خوشبو استعمال کرتا رہتا ہوں لیکن اس کا کیا علاج
کہ سانس جو لیتا ہوں تو بدبو کا بچکا اندر سے آتا ہے) لیکن یہ ممکن نہیں کہ روح معطر ہو
اور جسم گلاب کے پھول کی طرح نہ مہکے لگے۔

صبح بہار میں نہ شیم جن میں تھی
کل مات جو مہک کہ مرے جان و تن میں تھی
سید احمد رضا (کراچی) کا بیان ہے کہ:

مشق شروع کرنے کے بیس روز بعد مجھے خوشبو محسوس ہونے لگی اور اب کسی
دن تو صبح سے شام تک اسی لطیف اور بے مثال خوشبو سے معطر رہتا ہوں۔ حالانکہ تجربہ یہ

ل صاحب مکتوب کے مکتوب کے بعض اجزاء نقل کرتے ہوئے سوزوں مواقع پر شعروں کا اضافہ میرے شاعرانہ
قلم نے کیا ہے اصل مکتوب میں شعروں موجود نہیں۔

ہے کہ عطر کی مہک سے سر میں درد ہو جاتا ہے۔ اتنا نازک حساس انسان ہوں کہ:

نکھت گل سے مرے سر میں دھمک ہوتی ہے
البتہ یہ خوشبو دل کو فرحت بخشتی ہے۔ اس مہک سے طبیعت ہشاش بشاش
ہو جاتی ہے۔ نہانے ایسا کیوں ہے نہاتے وقت اس خوشبو کا احساس زیادہ ہوتا ہے۔ گھر
والوں سے معلوم کیا کہ کیا وہ بھی کسی قسم کی خوشبو سونگھ رہے ہیں تو انہوں نے انکار کیا۔
نتیجہ یہ نکلا کہ صرف میں ہی اس خوشبو کو سونگھ سکتا ہوں۔

مشام جاں معطر جس کی بوئے بھیر بن سے ہے
نہیں معلوم اس یوسف کو نسبت کس وطن سے ہے
مشق کرتے ہوئے کمر میں درد ہوتا ہے^۱ اور ہاں اس ضمن میں ناک کے
علاوہ آنکھوں کو بھی عجیب تجربہ ہوا۔ مشق سے ڈوب جانے کی حالت طاری ہوئی تو میں
نے دیکھا کہ سرخ رنگ کے پتھر کی ایک قلعہ نما عمارت ہے۔ اس کے باہر کی دیواریں
ڈھلواں ہیں (عام طور پر قلعے کی دیواروں کے نیچے پٹے اور ڈھلوان حصے ہوا کرتے
ہیں۔) ان دیواروں پر کچھ نقش کھدے ہوئے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ اندر کی عمارتیں
بھی اسی پتھر کی بنی ہوئی ہیں۔ یہ پتھر نہ سرخ تھا نہ زرد نہ کھٹی، بلکہ اس کے رنگ میں
تینوں رنگ جھلک مار رہے تھے۔ ہاں سرخی بالکل براؤن کہہ سکتے ہیں قلعہ بالکل ویران پڑا
ہے۔ زندگی کے کہیں آثار نہیں۔ حیرت یہ ہے کہ میں نے اس قسم کا قلعہ نہ کبھی پہچشم خود
دیکھا نہ اس قسم کی کوئی تصویر! نہ کسی شخص سے اس وضع قطع کے قلعے کا کوئی ذکر سنا تھا، مجھ
میں نہیں آتا کہ حالت استغراق میں مجھے قلعہ کیوں نظر آیا؟ اس میں کیا راز ہے؟ یہ منظر
بمشکل پندرہ سیکنڈ نگاہ تصور کے سامنے رہا ہوگا، پھر اجھل ہو گیا (خط ۱۳/۱۳/۱۹۶۸ء)
سید احمد کو استغراقی کیفیت کے پندرہ سیکنڈ میں جس تفصیل کے ساتھ ایک
انجان ان دیکھے قلعے کی تفصیلات (رنگ دیواریں، اندرونی حصہ) نظر آ گئیں۔ جتنے
ل یہ درد کر روح حیات کی بیداری کی علامت ہے۔

جائے دیکھتے تو کم سے کم پانچ منٹ منظر کی تفصیل کو سمجھنے میں لگتے۔ بلاشبہ خواب یا استغراق کے پندرہ سیکنڈ، بیداری کے پانچ دس منٹ اور اوقات پانچ گھنٹے سے زائد ہوتے ہیں۔ بلکہ گاہے گاہے تو بے خودی یا خواب کا ایک لمحہ عمر بھر کے حسی تجربات سے کہیں زیادہ اہم لبا چوڑا اور گہرا قرار پاتا ہے۔ احمد رضا کے تجربے سے یہ بھی پتہ چلا کہ مشق تنفس، حواس خمسہ کو کتنا چاق و چوبند بنا دیتی ہے۔ اس مشق سے ان کے شامے (سوگھنے) کی حس اتنی چونکنا ہوگئی کہ پراسرار خوش بو سونگھنے لگی اور بصارت کی حس اتنی قوی کہ ایک حیرت انگیز قلعہ نظر آ گیا۔

محمد یونس کا یہ بیان بھی قابل غور ہے کہ کبھی کبھی تو ایسا گمان ہوتا ہے کہ معاذ اللہ کائنات میں، میں ہی میں ہوں۔ میں ہی میں ہوں اور کوئی نہیں؟

میں ہی میں ہوں تری دنیا میں کوئی اور نہیں

مشتاق احمد (راولپنڈی) نے بذریعہ خط ۲۶ مارچ ۱۹۷۱ء تنفس نور کے حسب ذیل فوائد گنوائے۔

آپ نے مجھے نئی زندگی سے روشناس کرایا۔ (۱) پہلے میں ہر وقت خواب و خیال کی دنیا میں کم رہتا تھا، کوئی بیجان انگیز منظر (مثلاً الجبرا ہواسینہ) دیکھ کر ذہن ڈرامہ سازی شروع کر دیتا۔ میں خود اس جذباتی ڈرامے کا ہیرو ہوتا۔ اب حقیقت پسندانہ تصور الجبرا رہا ہے۔ (۲) شدت جذبات کو فرو کرنے کے لئے بار بار خود لذتی سے جی بہلاتا۔ (۳) اب میں نے خدا کو روح کائنات کے طور پر محسوس کر لیا ہے اور الحمد للہ نماز پڑھ رہا ہوں۔ (۴) حافظہ بہتر ہوتا جا رہا ہے جو کورس چھ مہینے میں نہیں پڑھ سکا تھا صرف چھ روز میں حفظ کر لیا۔ (۵) پہلے ذرا ذرا سی بات پر تازہ آ جاتا تھا۔ اب سخت سے سخت بات سن کر مسکرائے لگتا ہوں۔

عبدالحسین (کراچی) کا بیان ہے کہ سوتے میں ایسا لگتا ہے کہ:

بدن عائب ہو گیا، ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی شخص کا خیال آیا اور اس سے فوراً

ملاقات ہوگئی۔

آئینے پر جلا

یہ مشق اگر نور کے پورے تصور کے ساتھ کی جائے تو تنفس (آپ کا شعور تحت شعور بھی کہہ سکتے ہیں) اس قدر صاف و شفاف ہو جاتا ہے جیسے آئینے پر جلا ہوگئی۔ لیکن آئینے پر جلا ہونے یعنی نفس کی پاکیزگی اور طہاری سے قبل، ذہن عجیب غریب تصورات سے دو چار ہوتا ہے۔ بقول احمد سلیم (لاہور) کبھی کبھار وہم ہوتا ہے کہ میرے اندر ایک اور سلیم موجود ہے۔ بے ڈھنگا، سرخ روشنی کا بنا ہوا۔ اس کی آنکھوں میں بے حد کشش ہے، بعض باتوں کا قیل از وقت علم ہو جاتا ہے۔

(خط مورخہ ۲ مارچ ۱۹۷۱ء) رضی احمد (ڈھاکہ) کا تجربہ ہے کہ (مکتوب نمبر ۱۱۱، ۱۷ اپریل ۱۹۷۱ء)

دل آئینے کی طرح صاف ہو گیا ہے اور مجھے آنکھیں بند کر کے اس آئینے میں کبھی کبھار اپنا عکس نظر آتا ہے۔

خیا، الرحمن پشاور (بذریعہ خط مورخہ ۲۳ جون ۱۹۷۰ء) کا تجربہ یہ ہے کہ: یہ مشق کرتے ہوئے تین مہینے ہو چکے ہیں، الحمد للہ کوئی ناغہ نہیں ہوا۔ ایک ہفتے قبل الجھن، بیزاری اور جھلاہٹ کے دورے بے حد شدید ہو گئے تھے۔ لیکن دو تین روز سے اپنے کو بے حد پرسکون اور مطمئن محسوس کر رہا ہوں۔ طوفان خیالات کا زور ٹوٹ رہا ہے، مشقوں سے قبل حد درجہ متغیر مزاج اور جلد باز تھا۔ سوچنے اور سوچتے رہنے کی عادت تھی، اب ان دونوں کمزوریوں پر غالب آتا چلا جا رہا ہوں۔ تنفس نور کے دوران اور اس کے بعد سر بھاری بھاری محسوس ہوتا ہے، عجیب نشہ سا طاری ہونے لگتا ہے۔ سر میں بعض اوقات ہلکا ہلکا میٹھا میٹھا درد ہوتا ہے۔ ہموار باقاعدہ اور منظم مشق تنفس سے ریزہ کی ہڈی کے نچلے حصے میں قوت حیات یا روح حیات سانپ کی شکل میں کنڈلی مارے بیٹھی سے (جسے یوگ میں کنڈانی علقی کہتے ہیں) وہ آہستہ آہستہ جاگنے لگتی ہے۔ پھر یہ قوت

دھیرے دھیرے دماغ کی طرف چڑھتی شروع ہو جاتی ہے۔ اس وقت کمر میں سخت درد محسوس ہوتا ہے۔ سر بھاری بھاری اور دماغ بوجھل بوجھل لگنے لگتا ہے۔ انسان پر عجیب قسم کا لطیف سرور، لذت اور نشہ سا طاری ہو جاتا ہے۔ ایسا نشہ کہ عادی شرابی بھی اس کی کیفیت سے واقف نہیں۔

ذوق ایسے بادہ ندانی بخدا تانہ چشی

میں خود اس نشے کا عادی تھا اور ہوں۔ ترک حیوانات کے عامل اور روزدار سانس روکنے کی مشق سے وجد و حال اور جذب و استغراق میں ڈوب جاتے ہیں۔

تخلیقی صلاحیتیں

ان مشقوں کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ اگر ان پر پامردی سے عمل کیا جائے تو ذہن کی تمام قوتیں (خواہ وہ فنی ہوں یا مثبت) صلاحیتیں بیدار ہونے لگتی ہیں۔ گویا لاشعور اپنا پورا خزانہ شعور کی سطح پر اٹھیل دیتا ہے۔ اس خزانے میں انکارے بھی ہیں اور یاقوت بھی، پیرے بھی ہیں، پتھر بھی، سنگ ریزے بھی ہیں، جواہر پارے بھی۔ اس لیے عملاً یہ فائدہ ہوتا ہے کہ اندر دسے ہوئے فنی جذبات (ہم، غصہ، حسد، کینہ، خوف، وسوسے، وہم، جنسی کمزوری، تشدد، اداسی، احساس کمتری) وغیرہ بالکل نمایاں ہو کر سامنے آ جاتے ہیں اور انسان ان سے شعوری سطح پر نمٹ سکتا ہے۔ اسی طرح نفس کی تخلیقی صلاحیتیں (اور مثبت جذبات) مثلاً حقیقت پسندی، عمل پسندی، قوت ارادہ، خود اعتمادی، ضبط نفس، محبت، جمال پسندی، شاعری، وجدان، القاء، پیش بینی، رویائے صالحہ، اشتراق، کشف، القلوب اور روحانیت کے جوہر بھی حسب استعداد ابھرنے لگتے ہیں۔ یوں سمجھئے کہ جس شخص میں جتنی خامیاں اور خوبیاں ہیں، وہ اندر سے باہر آ جاتی ہیں۔ محمد صدیق شاہد آرائیں کے نفس میں شعریت کا جوہر دبا پڑا تھا مشقیں شروع کرنے کے بعد ان کی روح میں شعر گونجنے لگے۔

(خط مورخہ ۲۵ نومبر ۱۹۷۰ء) میں لکھتے ہیں کہ:

فوائد میں کی نہیں، سچے خواب آنے لگے ہیں۔ بعض اوقات ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مجھ میں شاعر کی خصوصیات پیدا ہو گئی ہیں اور بے اختیار روح میں شعر گونجنے لگتے ہیں۔

ارشاد احمد بیگ چغتائی (اوستا محمد) کا تجربہ (خط مورخہ ۹ ستمبر ۱۹۷۱ء) بھی محمد صدیق کی تائید کرتا ہے۔ انہیں سے سنئے ”مشق نفس نور“ بستر پر لیٹے کر لیتا ہوں۔ مسلسل تین چار روز سے طبیعت بے اختیار شعر گوئی کی طرف مائل ہے۔ یہ شاعرانہ کیفیت رات میں سانس کی مشق کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ چند اعتراضات اور ملاحظہ کیجئے۔ (۱) دو تین سال تک اپنے وہموں، وسوسوں اور پریشان خیالوں میں گھرا رہا، اب رفتہ رفتہ یادداشت کی قوت لوٹ رہی ہے۔ خیالات پُر متعقد ہوتے جاتے ہیں۔ پہلے میں کام کرتے ہوئے کسی اور ہی دنیا میں ہوتا تھا۔ اب کام سے تعلق رکھنے والے خیالات بھی ابھرنے لگے ہیں۔ اب ایسا اعزاز ہونے لگا ہے پہلی زندگی گھرے ڈراؤنے خواب سے زیادہ نہ تھی۔ لیکن اب سلیقہ اور حقیقت پسندانہ زندگی بسر کرنے کی قابلیت پیدا ہو رہی ہے۔

محمد احمد خوش نولیس (۱۱ ہور) بذریعہ خط ۳ ستمبر ۱۹۷۱ء

(۱) سانس کو اندر کھینچتے ہوئے تصور کرتا ہوں کہ صحت، قوت اور روشنی کی کرنیں ہوا کے ساتھ اندر داخل ہو رہی ہیں اور ناک کے نشتوں سے آہستہ آہستہ سانس خارج کرتے وقت یہ تصور ہوتا ہے کہ اندر کی تمام بیماریاں، کمزوریاں اور الجھنیں سانس کے ساتھ نکل رہی ہیں۔ آپ یقین کریں کہ مجھے اس عمل سے بے حد فائدہ ہوا ہے۔ خوف اضطراب و تشویش قلب اور گیس (ریاح) کی بیماری تقریباً ختم ہو گئی (عبدالحسین محمد) (۳) مشق کی بدولت بالکل زائل اثرات زائل ہو رہے ہیں وہم کی شدت میں کمی آ گئی ہے۔ عام تندرستی اور صحت پہلے کی نسبت بہتر ہو گئی ہے، طبیعت خوش و خرم رہنے لگی ہے۔ جذباتی دباؤ کم ہونے سے ذہن کی بے راہ روی پر قابو پانے میں مدد ملی ہے، حافظہ بہتر ہو گیا ہے اور بہتر ہوتا جا رہا ہے۔

سید قطب الدین (کراچی) بذریعہ خط ۳ مارچ ۱۹۶۹ء:

(۳) میں دس سال سے خود لذتی (مشت زنی) کی قبیح عادت میں مبتلا تھا۔ الحمد للہ کہ مشقِ محنت نے اس عادت سے نجات دلا دی۔ اس کے ساتھ یہ بھی ہوا کہ پڑھنے کی طرف طبیعت راغب ہو گئی، آپ نے مجھے بتایا تھا کہ ”انسان اگر اپنے نفس پر قابو پالے تو کائنات کو فتح کر سکتا ہے۔“ میں نے کائنات کو تو نہیں، البتہ اپنے کو فتح کر لیا ہے۔

(میڈیکل کالج لاہور کے ایک طالب علم کے خط ۲۱ مارچ ۱۹۷۰ء کے اقتباسات)

محمد عارف (خط پر - ریخ درج ہے ۲۸/ نومبر ۱۹۶۹ء) نے نصابِ تعمیرِ تنظیم شخصیت پر عمل کر کے کیا پایا؟ لکھتے ہیں:

(۱) شعور اور لاشعور بری طرح الجھ رہے تھے، اب آپ یہ کشاکش و مکش ختم ہو چکی ہے۔ دونوں نے ایک دوسرے سے مصالحت کر لی ہے۔ (۲) مجھے وہم تھا کہ کہیں ذہنی توازن نہ کھو بیٹھوں، اب وہم نہیں ہوتا۔ (۳) طبیعت میں پہلے اضطراب تھا، اب ٹھہراؤ آچکا ہے۔ (۴) جذبات مشتعل رہتے تھے، اعصابی تناؤ سخت تکلیف دہ تھا۔ اب جذبات پر سکون ہو چکے ہیں اور وہ اعصاب کا کھنچاؤ اور تناؤ بھی باقی نہیں رہا۔ سالہا سال تک ذہنی خول میں بند رہا اب اس خول سے اس طرح باہر نکل رہا ہوں، جس طرح اگلے سے چڑھ!

☆☆☆

تنفس و تندرستی

سانس کی مشقوں سے دل و دماغ، حافظہ، یادداشت، جذباتی کیفیت، ذہنی حالت اور دماغی صحت پر جو اثرات پڑتے ہیں ان کا اندازہ پہلے ایوب سے ہو گیا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ جو مشقیں انسانی وجود کے ”بادشاہ“ (دماغ) کے لئے اس قدر فائدہ مند ثابت ہوں گی۔ ان کا اثر ماتحت اعضاء، معدہ، جگر، امعاء، گردے، جنسی غدود اور اعصاب و عضلات پر کتنا دیر پا اور گہرا پڑتا ہوگا۔ میں اس سے قبل عرض کر چکا ہوں اور یہ عرض بار بار دہرائی بھی جا چکی ہے کہ نہ کوئی مرض سو فیصدی جسمانی ہوتا ہے نہ سو فیصدی نفسی! ہر مرض کی نشوونما میں (اتفاقی حادثات کو چھوڑ کر مثلاً برقی کرنٹ سے اتفاقاً بروج ہو جانا) انسانی ذہن اہم ترین حصہ لیتا ہے خود اس شکایت کی نوعیت بظاہر جسمانی ہی کیوں نہ ہو۔ مثال کے طور پر معدے کے جھٹکے امراض ہیں، ہڈی کے لے کر سرطان معدہ تک، ان سب کے پیچھے دماغ (یعنی انداز فکر) کی کارفرمائی ہوتی ہے۔ اگر آپ کی سوچ بیمار ہے تو ممکن ہی نہیں کہ جسم صحت مند رہ سکے۔ تندرستی درحقیقت ”من درستی“ کا نام ہے۔ مریض بڑے بڑے حادثے مرض کو سکون سے جھیل جاتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ ذہن شدت مرض سے متاثر نہ ہو، جذبات اور جسمانی کیفیات میں اتنا گہرا تعلق ہے کہ ہم سوچ کر حیران رہ جاتے ہیں، ایک معمولی مثال لیجئے۔ بھوک میں غصہ آ جاتا ہے اور غصے میں بھوک غائب ہو جاتی ہے یا خوف کی حالت میں جنسی ہیجان فرو ہو جاتا ہے۔ رعب کے سبب آدمی ہکھلانے لگتا ہے، حزن و ملال کے عالم میں درد سر شروع ہو جاتا ہے اور دوسرے سبب حزن و ملال کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ الغرض اس ضمن میں بے شمار مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ جسم میں جذبات کی لطافت و شدت کو محسوس کرنے والا عضو صرف ”قلب“ ہے ہم پر جو کچھ گزرتی ہے، دل سب سے پہلے اس سے

متاثر ہوتا ہے، خوشی سے دل بارغ بارغ ہو جاتا۔ مسرت سے غنچہ دل کھل جاتا، خود امتدادی سے دل کا قوی ہو جاتا یا اس کے برعکس ڈر کے مارے دل دھڑکنا، جھوم ٹم سے دل بیٹھ جاتا، کشش حسن کی تاثیر سے دل ہاتھ سے نکل جاتا

دل می رود ز دستم دلاں خدارا (حافظ)

حسین مناظر کی طرف دل کھینچنا، غرض، دل کشی، دل ربائی، دل افرائی، زندہ دلی، مردہ دلی، دل داری اور دلچسپی کی جتنی صورتیں ہیں اور ہو سکتی ہیں وہ سب جذبات کی کرشمہ آرائیوں سے ظہور میں آتی ہیں۔ دل کی مختلف حالتیں (دھڑکنا، ڈوبنا، اچھلنا، ڈولنا، بلنا، بیٹھ جانا، مسکرانا، رونا) ہی امراض قلب کا سبب ہیں۔ اگر جذبات میں اعتدال پیدا ہو جائے تو دل خواہ خواہ کی زیر باری، تشویش اور اضطراب سے بچ سکتا ہے۔ اس طرح جگر کی بیماریوں اور پیچیدہ کی تکلیفوں (مثلاً تپ دق، کہ نم کھانے اور شدید حساسیت کے سبب لاعلاج ہو جاتی ہے) کا تعلق بھی جذبات کے اتار چڑھاؤ سے ہی ہے، رہے جنسی امراض (نامروری، گرم ہو کر یکا یک سرد ہو جانا، سرعت، خود لذتی یا جنسی انحراف کی اور بے شمار تسمیل، ہم جنس پرستی وغیرہ) تو سو فیصدی زندگی نوے فیصدی ان کے اسباب ذہنی صرف ذہنی اور صرف ذہنی ہوتے ہیں، لکنت، امراض جگر، جھری اور ذہنی امراض کے صد ہا مریضوں کے خطوط میری نظر سے گزر چکے ہیں۔ ان سیکڑوں افراد نے سانس کی مشقوں پر عمل کر کے یا تو مکمل صحت حاصل کر لی یا بہت حد تک اپنی بیماریوں پر قابو پایا۔ ان مشقوں سے ہضم اور تحلیل غذا (غذا کو مکمل طور پر ہضم کر کے صالح خون بنانے کا عمل) کے نظام پر بڑا خوشگوار اثر پڑتا ہے جس کے نتیجے میں رنگ کھرجاتا ہے، آنکھوں میں چمک اور کشش پیدا ہو جاتی ہے۔ آواز میں ایک قسم کی نغمہ آ جاتی ہے۔ یہ تمام فائدے یقینی ہیں بشرطیکہ مشق شخص نور متبادل طرز شخص (یا کوئی دوسری تجویز کی ہوئی مشق) پابندی کے ساتھ کسی استاد کی نگرانی میں کی جائے۔

۱۔ نصاب تعمیر و تنظیم شخصیت (S.C.T) کے سلسلے میں ۱۹۶۳ء سے اب تک کتنے خطوط وصول ہو چکے ہیں؟ اس کا اندازہ لگانا میرے لیے دشوار ہے۔ ماہانہ مالی ڈائجسٹ (کراچی) کا تخمینہ یہ ہے کہ اتنی ہزار سے زیادہ خطوط اب تک آچکے ہیں۔ ان میں صرف مومن کے خطوط محفوظ رہے ہیں۔

جسم پر اثرات

نصاب تعمیر و تنظیم شخصیت کی مشقیں جسمانی صحت پر ہی گہرا اثر نہیں ڈالتیں۔ بلکہ خود "جسم" پر بعض اوقات سانس کی مشقوں کے اثرات حیرت انگیز ہوتے ہیں، مثلاً حبیب احمد خان بی۔ اے (منگلہ ڈیم) اپنے خط مورخہ ۳/ فروری ۱۹۷۰ء میں لکھتے ہیں کہ مشق کے دوران خلائی مسافت سے لطف اندوز ہوتا ہوں لوگ کرایہ دے کر ہوائی جہازوں میں سفر کرتے ہیں، میں پندرہ منٹ کے لئے تہائی میں بیٹھ کر خلائی مسافت سے لطف اٹھا لیتا ہوں۔ میں اس عالم میں ہرگز محسوس نہیں کرتا کہ زمین پر ہوں اکثر مشقوں کے بعد چلتا ہوں تو ایسا لگتا ہے کہ غلاء میں چل رہا ہوں جیسے روحانی سفر طے کر رہا ہوں اگرچہ جسم خاکی زمین پر ہوتا ہے۔ اب جو بیٹے موزن مفتور رہتا ہے۔ اسی طرح حبیب احمد اپنے خط ۱۳/ جنوری ۱۹۷۰ء میں رقم طراز ہیں کہ مشقوں کے دوران اپنے کو کسی انجانی جنت میں پاتا ہوں۔ مشق کے بعد جب آنکھ کھولتا ہوں تو اس دنیا میں دوبارہ لوٹ کر حیرت ہوتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ انجانی جنت کیا ہے اور یہ کیفیات کس قسم کی ہیں؟ پھر آٹھ مہینے کے بعد انہوں نے ایک نئی کیفیت محسوس کی جو سمجھ سے بالاتر ہے۔ یعنی یہ احساس ہوا کہ میں کچھ زیادہ ہی ہلکا ہوتا جا رہا ہوں۔ آپ نے ایک مضمون میں لکھا تھا کہ ایک صاحب نے غنودگی کی حالت میں اپنے کو فٹ بھر بستر سے بلند پایا۔ یہ احوال تو سمجھ پر نہیں گزرا۔ البتہ یہ تجربہ ضرور ہوتا ہے کہ میں مشق شخص نور کے بعد بحالت مراقبہ اپنے اندر قطعاً وزن نہیں پاتا۔ کبھی چلتے چلتے اندیشہ ہوتا ہے کہ ہوا میں بلند ہو جاؤں گا۔ کبھی بیٹھے ہوئے یا کھڑے ہوتے ہوئے جسم کا بوجھ غائب ہو جاتا ہے۔

دارت علی خان (کراچی) کو ہوا میں اٹھ جانے کا تجربہ ہوا۔ وہ مشقِ تنفسِ نور کے بعد بستر پر لیٹے تو خود بخود اونگھ گئے۔ پکا یک محسوس ہوا کہ فٹ بھر ہوا میں بلند ہیں۔ یہ تجربہ ثار احمد (کراچی) ظفر الحسن علی (ڈھاکہ) مس شمع ہاشمی، بیگم عبد الجلیل اور راقم الحروف کو بھی ہوا ہے۔ تاہم یہ بات یاد رکھیں کہ اس قسم کے نادر مظاہرے سخت ریاضت اور مجاہدے کے بعد ممکن ہیں۔ ریاضت اور مجاہدے کی کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ انڈا، مچھلی، گوشت اور تہا کو بالکل ترک کر دیا جائے، غذا کم سے کم کھائی جائے۔ اگر اس ریاضت کے زمانے میں روزے رکھے جائیں تو سبحان اللہ! سونے پر سہاگہ! روزے رکھنے (ناکم سے کم کھانے) سے جسم میں بڑی لطیف حیاتیاتی، کیمیائی (باہیو کیمیائی) تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں اور انسان خارق العادات تجربوں (مثلاً کشف و شراق وغیرہ) کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ مکمل ترک حیوانات کی عادت بھی مزاج و طبیعت کو یکسر بدل دیتی ہے اور لطافتِ روح کا اثر کثیف جسم پر پوری طرح پڑنے لگتا ہے۔

ارشاد احمد بیک چغتائی کا خط (موزعہ ۱۷/۱۹۷۰ء) بیان ہے کہ:

مشقِ تنفسِ نور میں سانس بچھکنے کے مرحلے میں نورانی شعاعوں کے اندر جانے کے ساتھ ساتھ اپنا وجود بھی نور میں تحلیل ہوتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ بعض اوقات یہی کیفیت سانس روکنے اور خارج کرنے کے وقت بھی محسوس ہوتی ہے۔ مشق کرتے ہوئے اگرچہ نشست معمول کے مطابق ہوتی ہے لیکن کبھی کبھار ایسا لگتا ہے جیسے گردن پشت کی سیدھ میں ہونے کی بجائے دائیں اور بائیں طرف جھک گئی ہے۔ (اکثر دائیں طرف) اس طرح سانس خارج کرتے وقت ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے گردن نیچے جھکی ہوئی ہے جب کہ سانس روکنے کے دوران قد و قامت بلند ہو جاتا ہے۔ کبھی کبھی یہ احساس بھی ہو جاتا ہے کہ میں فرشِ زمین پر ہوں یا معلق؟ بس درمیانی سی کیفیت ہوتی ہے۔

ارشاد احمد بیک چغتائی کے تجربے کے ساتھ بشارت حسین (خط ۱۶/۱۷ مئی

۱۹۷۱ء کے چارٹاٹ بھی ملاحظہ ہوں۔

میں ۲۵ اپریل ۱۹۷۱ء سے مشقِ تنفسِ نور کر رہا ہوں۔ دو روز کے بعد مندرجہ ذیل تبدیلیاں محسوس ہونے لگیں۔ جسم کا بوجھ غائب ہو گیا، بوجھ غائب ہوتے ہی ایسا لگا کہ صحراؤں میں بھٹک رہا ہوں، موسم ایسا ہے جیسے مغرب کے بعد عام طور پر ہوتا ہے۔ خود تو دھماڑیاں، ریت کے ٹیلے، مسلسل میدان، کہیں مکان نظر نہ آئے! البتہ کبھی کبھی اس سیر خیالی کے درمیان انجانے مناظر نظر آتے ہیں۔ میں نے پاکستان کے اکثر آباد، غیر آباد دور دراز علاقے دیکھے ہیں، لیبیل میں بھی رہا ہوں۔ میں انڈیا کے جس قصبے کا رہنے والا ہوں اس کی جغرافیائی کیفیت بھی مجھے یاد ہے۔ مگر مشقِ تنفسِ نور وغیرہ کے استغراق (ذوب جانے کی حالت) میں جو کچھ دیکھا۔ پہلے کہیں اور نہ دیکھا تھا جو لوگ غیر معمولی طور پر حساس یا سخت سوداوی مزاج کے مالک ہوتے ہیں۔ ان میں قدرتی طور پر معمول (Mediom ship) بن جانے کی صلاحیت ہوتی، ایسے لوگ سانس اور ارتکازِ توجہ کی مشقیں شروع کرتے ہی مینوں اور سالوں کا راستہ دفن اور مینوں میں کر لیتے ہیں۔ جب کہ حقیقت پسند، خشو مزاج، مضبوط اعصاب اور اپنے پر قابو رکھنے والے افراد سالہا سال کی محنت و ریاضت کے بعد اس مقام پر پہنچتے ہیں۔ یہ فقط طبی سچائی ہی نہیں ہے۔ مکی اچانی بھی ہے کہ آدمی کے مشاہدات اور تجربات پر اس کی طبیعت اور مزاجی بناوٹ کا بڑا گہرا اثر پڑتا ہے، سوداوی مزاج رکھنے والے کے خواب صغریٰ مزاج رکھنے والے سے بہت حد تک مختلف ہوتے ہیں۔ سوداوی مزاج والے انسان اندر دیروں آندھیوں نیم تاریک مکانوں اور پاگلوں وغیرہ کو اکثر خواب میں دیکھتے ہیں۔ صغریٰ مزاج والوں کی خصوصیت یہ ہے بحالتِ خواب اپنے کو ہوا میں پرواز کناں اور پر کشا پاتے ہیں۔ بلقی مزاج کے لوگ پانی اور بارش وغیرہ کے خواب دیکھتے ہیں۔ یعنی بارش میں بیگم رہے ہیں یا پانی میں چل رہے ہیں۔ خود میرا ذاتی تجربہ ہے کہ جب میرے

۱۔ طب ہندی نے انسانی مزاج کو چار درجوں میں تقسیم کیا ہے۔ سوداوی، مفرادی، دھوی (خون) اور ہتھی۔ مشہور دھوی نسیات دان پاڈلاف نے اس نظریے کی تائید تجربات سے کی ہے۔

کسی عضو پر نزلہ گرنے والا ہوتا ہے (نزلہ بر عضو ضعیف می ریزد) تو پانی کے خواب آنے شروع ہو جاتے ہیں۔ نصاب فقیر و تنظیم شخصیت طلبہ و طالبات کے مشاہدات، تجربات اثرات اور تصورات سے بیک نظر مجھے اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس وقت اس کے مزاج پر کون سی غلط (غلط یا صفر) غالب ہے۔ بشارت حسین خوف کے مریض ہیں، اسی غلط میں لکھتے ہیں کہ ”پہلے بند کرے میں بیٹھ سکتا تھا۔ اب اس تصور سے ہول طاری ہو جاتا ہے اور اب تو یہ حالت ہے کہ صحن میں بھی اس وقت بیٹھ سکتا ہوں جب چاروں طرف لوگ بیٹھے ہوں، ورنہ پہلے مارے ڈر کے نہیں بیٹھ سکتا تھا۔“ ان فقرات سے ہی ان کی مزاجی کیفیت (سودا مزاج پر غالب ہے) معلوم ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے مشق نفس نور شروع کرتے ہی دو روز کے اندر اندر انہیں ڈوب جانے کی حالت میں یہ محسوس ہوا کہ صحرانوں میں تنہا بھگ رہے ہیں۔

خالد محمود مورخہ ۲/ نومبر ۱۹۷۰ء کے مکتوب سے اس حالت کے ایک اور پہلو کی وضاحت ہوتی ہے۔

عرضا یہ کرتا ہے کہ آج دوڑے کی حالت میں تنفس نور کرتے ہوئے عجیب تجربہ ہوا۔ جیسے میرا وزن بالکل غائب ہو گیا ہے۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ آگنی پالنی مارے ہوا میں تیر رہا ہوں۔ پھر میں نے محسوس کیا اور دیکھا کہ اب میرا سیال جسم ہوا میں تحلیل ہو گیا پھر دیکھا کہ صرف میرا قلب جس سے رنگ و نور برس رہے ہیں، نفعا میں معلق ہے۔ یہ کیفیت کم و بیش بیس سیکنڈ تک قائم رہی اور پھر میں نے اپنے کوزمین پر بیٹھا ہوا پایا۔ میرے لئے یہ اپنی نوعیت کا پہلا اور حیرت انگیز واقعہ تھا۔ میں اس مشق کا وقت لکھنا بھول گیا، مین نے یہ مشق سہ پہر کے تقریباً ساڑھے چار بجے کی تھی۔

وزن غائب ہو جاتا ہے۔ ہوا میں پرواز کرنے، نفعا میں معلق ہو جانے، دوران مشق اپنے کو بیک وقت دو جگہ پانے، صحرانوں میں بھٹکنے وغیرہ وغیرہ کے تجربات پر جسم مثالی کی بحث میں مفصل گفتگو کی جائے گی۔ فی الحال اس بحث کو ملتوی کر دیا گیا ہے۔

ارشاد احمد بیگ چغتائی (اوستا محمد) سوداویت کے مریض ہیں لکھتے ہیں (خط مورخہ ۲۳/ اگست ۱۹۷۰ء)

سوداویت کے غلبے کے سبب جسم پر پھوڑے پھنسیاں نکل رہی ہیں۔ انگریزا میں جتا بھگتے۔ طبی علاج شروع کیا ہے، دانوں میں اور خارش میں قدرے کمی ہوئی ہے۔ سوداویت کا یہ عالم ہے، اس حالت کے مشاہدات ان ہی کی زبان قلم سے سنئے:

کبھی کبھی دوران مشق، خوف تسلط جمانا چاہتا ہے۔ مثلاً: یہ وہم کہ میرے گال پر کوئی ہاتھ زبردست لمبا نچر سید کرنے والا ہے۔ کبھی کوئی مہیب سایہ دائیں بائیں یا پشت پر جھلک دکھلا کر غائب ہو جاتا ہے پرسوں بادل کے دو ٹوک دار سیاہ ٹکڑوں سے ڈر گیا۔ ہوا ہے کہ رات کو مشق کے ارادے سے مقررہ جگہ پر بیٹھا ان نوکیلے ابر پاروں پر نظر پڑی تو وحشت زدہ ہو گیا۔ یہ وہم جاگا کہ یہ وہ عذاب کے بادل ہیں جو قوم عاد و ثمود پر تباہی برسانے گئے تھے۔ کئی مرتبہ لاجول پڑھی مگر دل بدستور کانپتا رہا۔ مجبوراً مشق کا ارادہ ملتوی کیا اور نیچے اترا آیا۔ مشق تنفس نور کے دوران متعدد مرتبہ جسم اتنا لطیف محسوس ہوا گویا خلا میں سانس لے رہا ہوں۔ وزن غائب ہونے کی کیفیت بار بار پیدا ہو چکی ہے۔ کبھی یہ خطرہ ہوتا ہے کہ میں کہیں سچ بچ غائب نہ ہو جاؤں۔

ساغر کمر سے ہاتھ لے لینا کہ چلا میں

☆☆☆

مجسمہ رنگ و نور

پہلے مجموعہ ”نفیسات و مابعد النفیسات“ میں انسانی وجود کی مجوبہ کاریوں پر گفتگو کرتے ہوئے میں نے لکھا تھا کہ:

”دوسرے جسموں کی طرح انسانی جسم سے بھی ریڈی ایشن یا تابکاری کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے۔ عام برقیاتی اصولوں کے مطابق ہمارے جسم سے جو شعاعیں نکلتی ہیں۔ ان میں بعض مثبت (پازیٹو) ہوتی ہیں، بعض منفی (نیکلیو)۔ جہاں تک انسانی جسم کی تابکاری (روشنی کا اخراج) کا تعلق ہے تو وہ وقت بہت قریب ہے کہ سائنسی طور پر اس کی چھان بین کی جاسکے گی۔ آج بھی نازک اور حساس آلات کے ذریعے دماغی لہروں کی پیمائش اور دماغی امراض کی چھان بین کی جاتی ہے، جن جول زیادہ مکمل اور ترقی یافتہ آلات ایجاد ہوتے چلے جائیں گے۔ انسانی دماغ و جسم کے براعظم (اس مشعہ خاک کو براعظم اس کی وسعت و عظمت کے لحاظ سے کہا گیا ہے) کے متعلق بیش از بیش معلومات کا حصول بہت آسان ہو جائے گا۔ مابعد النفیسات کا نقطہ نظر یہ ہے کہ کائنات کی روح حیات یا عالم گیر توانائی برق پاروں اور دوسرے جوہری اور تحت جوہری اجزاء سے مرکب ہے۔ انہی اجزاء سے مرکب ہے انہی اجزاء اپنی مخصوص حرکت یا رفتار کے سبب پانچ قسم کی لہروں پر مشتمل ہیں۔ سنکرت میں ان لہروں کو ”تت واس“ کہتے ہیں اور یوگ میں ان پانچ لہروں کو زندگی بخش قوت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (۱) ”کاشا“ یعنی آواز کی لہر (۲) دایا یعنی لمس کی لہر (۳) تیجا یعنی بصارت کی لہر (۴) آپاس ڈانکتے کی لہر

(۵) پرتھوی یعنی شائے کی لہر (۶) آکاش (موج صدا) کی اصل اینتھر ہے۔ اس کا رنگ سفید ہے، جس میں گہری نیلا ہٹ جھلکتی ہے۔ دایا کی لہر (موج لمس) ہوا سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کی رنگت سبز و نیلگوں ہے۔ تیجا (بصرہ) کی اصل آگ ہے اور رنگ سرخ، آپاس کی اصل ہے پانی اور رنگ سفیدی مائل بنفشی ہے۔ پرتھوی (لہر) خاک سے متعلق ہے جس کا رنگ زرد مانا گیا ہے۔ ان پانچوں لہروں کو کنٹرول کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ سانس کی منظم اور باضابطہ مشقوں پر عمل کیا جائے اس طرح لہروں کی رفتار اور قوت بہت بڑھ جاتی ہے۔ جسم انسانی سے نکلنے والی شعاعوں کا رنگ سفید، گہرا نیلا، نیلا سبز، سرخ، سفید بنفشی اور زرد ہوتا ہے۔

گرد و غبار

مشتاق احمد کا بیان سنئے:

مشتاق شخص نور کے دوران روشنی کا تصور ضرور ہوتا ہے۔ مگر یہ تصور کہ ناک کے ذریعے سانس کے ساتھ روشنی اندر پہنچ رہی ہے، اب تک قائم نہیں ہو سکا۔ ہاں جب سانس اندر پہنچ جاتا ہے تو یکایک جسم کے گنبد میں روشنی چمکنے لگتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دماغ کے وسیع میدان میں ایک دھماکہ ہوا اور اسی کے ساتھ روشنی کا جھماکہ ہوتا ہے۔ دھماکہ اور جھماکے کے بعد روشنی دل کے سیاہ خانے میں داخل ہوتی ہے۔ جہاں اندھیرا پھیلا ہوا ہوتا ہے، روشنی کے ساتھ گرد و غبار اٹھتا ہے۔

مشتاق احمد صاحب کو روشنی کے ساتھ ”گرد و غبار کا تجربہ ہوا۔ وہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے منفرد اور انوکھا مشاہدہ ہے۔ الف سلیم (لاہور) نے سانس کی مشق میں ایک انگ روشنی محسوس کی ۳/ ستمبر ۱۹۷۱ء کی رپورٹ میں رقم طراز ہیں کہ:

آکھیں بند کرتے ہی ارد گرد دور کا ہالہ نظر آتا ہے۔ کبھی سفید، کبھی زرد، کبھی

اس احساس کا تعلق جسم مثالی سے ہے، جس پر آئندہ مستقل بحث کی جائے گی۔

گہرا سرخ نور۔ سانس کے ساتھ یہ روشنی اندر داخل ہوتی ہے اور دل میں جمع ہو کر چمکنے لگتی ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں اندر بقعہ نور بن گیا ہوں۔ کبھی یہ روشنی گہرے سرخ رنگ کی بن جاتی ہے۔

محمد صدیق شاہد آرائیں نے اپنے خط مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۷۰ء میں اس انکشاف کے بعد کہ مشق تنفس نور کرنے میں ایسا لگتا ہے کہ میں ناقابل یقین حد تک مونا اور لمبا ہو گیا ہوں۔ اعتراف کیا ہے کہ اب میں اپنے آپ کو پہلے سے زیادہ صحت مند اور حقیقت پسند محسوس کرتا ہوں۔ یادداشت بھی پہلے سے بہتر ہو گئی ہے۔ سکون قلب میسر ہے، خاموشی اور تنہائی کی عادت چھوٹی جا رہی ہے۔ اب تنہائی اور خاموشی سے ٹکھن ہونے لگتی ہے۔ بعض اوقات جذب کا عالم طاری ہو جاتا ہے۔ یعنی نظریں ایک جگہ ٹھہر جاتی ہیں، دماغ سن ہو جاتا ہے۔ یہ کیفیت روزانہ کسی نہ کسی وقت ضرور غالب آ جاتی ہے۔ بعض اوقات غنودگی سی چھا جاتی ہے قوت ارادی بھی پہلے سے کہیں زیادہ سرگرم ہو چکی ہے۔

منصف حسین (ایم بی ای) ہزارہ کا بیان ہے کہ: مشق تنفس نور میں شمع کی روشنی کا شعلہ نظر آتا ہے اور یہ تصور دماغ میں ٹھہر جاتا ہے۔ میں نے اس تصور کو مزید پختہ کرنے کی غرض سے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ شمع جلا کر (مشق تنفس نور کے وقت) سانسے رکھ لیتا ہوں۔

نورانی جھرنّا

اکرام صاحب (پنار) کو محسوس ہوتا ہے کہ وہ سر سے پاؤں تک روشنی کے بنے ہوئے ہیں۔ تنفس نور شروع کرتے ہی تمام تر توجہ روشنی کی طرف مبذول ہو جاتی ہے اور تمام خیالات غائب ہو جاتے ہیں۔ خالد محمود لاہور بھی اس تجربے میں اکرام صاحب کے شریک ہیں، لکھتے ہیں:

تنفس نور کی مشق کرتے ہوئے عجیب فرحت اور آسودگی کا احساس ہوتا ہے۔

بار بار یہ تصور ذہن میں آتا ہے کہ میں اپنے قلب کو دیکھ رہا ہوں۔ میرے قلب سے رنگ و نور کا آبشار بہہ رہا ہے۔ دل فریب رنگوں کی شعلیں نکل رہی ہیں۔ جب یہ شعلیں سینے سے نکلتی ہیں تو عجب ساں پیدا ہو جاتا ہے۔ میں اکثر اس احساس کے اندر یا اس تصور میں کھو جاتا ہوں کہ سرتا پا روشنی کا مجسمہ اور جیکر نور ہوں۔ اس تصور کے ساتھ ہی یہ خوف بھی پیدا ہوتا ہے کہ قلب سے بہنے والا یہ نورانی جھرنّا کہیں موقوف نہ ہو جائے۔

لیاقت علی آرائیں کی رپورٹ یہ ہے کہ:

مشق تنفس نور کے تقریباً مہینہ بعد یہ ہونے لگا ہے کہ آنکھیں بند کرنے کے ساتھ نگاہ باطن کے سامنے روشنی لہریں مارنے لگتی ہے۔ مشق تنفس کے انتالیسویں دن ایسا لگا کہ رگ رگ میں بجلی کا کرنٹ دوڑ رہا ہے۔ یہ لہریں پاؤں کے تھوے سے داخل ہو کر سر سے خارج ہو جاتی ہیں۔ کان میں ایسی آواز آتی ہے جیسے تیز آندھی چل رہی ہے۔ آنکھوں کے سامنے کچھ رنگ رنگ بے ڈھنگے سے خانے خانے ڈیزائن، سرعت کے ساتھ چکر کاغذ لگے ہیں۔ میرے اندر یہ آواز ناہنجیم ہے کہ (I am) یہ حالت تقریباً ڈیڑھ منٹ رہی۔ دوسرے روز پھر یہی حالت رونما ہو گئی اور اب برابر اس کیفیت کا تجربہ ہوتا رہتا ہے۔

روح الامین (خط مورخہ ۷ جنوری ۱۹۷۰ء) کا بیان یہ ہے کہ:

آنکھیں بند کرتے ہی اپنے کو نورانی ماحول میں پاتا ہوں۔ یہ محسوس ہوتا ہے کہ میرے اندر بھی نور ہے۔ باہر بھی، خصوصیت کے ساتھ نورانیت کا اجتماع دل اور دماغ میں ہوتا ہے۔ نگاہ باطن سے دیکھتا ہوں کہ دماغ سے نور کی تیز اور روشن شعلیں خارج ہو کر اطراف میں پھیل رہی ہیں۔ کام میں اشتہاک اور توجہ میں مرکزیت پیدا ہو گئی ہے۔ بے جا جھجک اور خوف میں نمایاں کمی آ گئی ہے ساتھ ہی مایوسی کی کیفیت ختم ہو گئی ہے۔ بقول حبیب احمد صاحب (یادداشت مورخہ ۷ نومبر ۱۹۷۰ء) سانس کے پانچ چکر مکمل کرنا

ہوں تو دوسرے پکر ہی سے روشنیوں میں ڈوب جاتا ہوں۔ نور کا تصور قدرے تیز اور شدید ہو جاتا ہے کہ خوف طاری ہونے لگتا ہے، خود کو مینارہ سمجھنے لگتا ہوں۔ یہ محسوس ہوتا ہے کہ اپنے سے باہر آ گیا ہوں۔ گرد و پیش اور ماحول کا کوئی احساس باقی نہیں رہتا۔ تیسرے پکر میں ماحول سے بے خبری کی یہ حالت درجہ کمال پر پہنچ جاتی ہے اور جسد کے قید خانے سے گویا باہر آ جاتا ہوں۔ اب مجھ میں ان کیفیات کو برداشت کرنے کی سکت نہیں۔ عموماً صبح کی مشق دانستہ ترک کر دیتا ہوں تاکہ رات کے وقت زیادہ بجلیاں نہ کوندیں۔ مگر بجلیاں ہیں کہ مشق شروع کرتے ہی چپکنے دسکنے لگتی ہیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر مزید چند روز تک مشق نفس نور اسی طرح جاری رہی تو اپنے جسم سے باہر نکل پڑوں گا۔

مشتاق احمد اسلام آباد (مورخہ ۲۲ مارچ ۱۹۶۹ء) کو رہائی کا احساس اس طرح ہوا کہ آج صبح ساڑھے چھ بجے اٹھا آسان ابر آلود تھا، رہائی کا وقت قریب آ گیا تھا۔ ضروری حاجتوں سے فارغ ہو کر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا اور نورانی سانس کے پکر لگانے شروع کر دیے۔ سانس کھینچتے ہی دماغ ایک وسیع میدان کی طرح نظر آنے لگا۔ اس میدان میں ایک دم نور و روشنی کا دھماکہ ہوا۔ (شاہد دماغ میں ہم سمجھنے کے سبب) ہری ہری سفید روشنی کو جسم کی اندر جاتے دیکھا۔ پھر یہ نورانی رنگین شعاعیں دل کے تاریک اور زنگ آلود گوشوں میں داخل ہوئیں اور وہاں اجالا پھیل گیا۔ دل کی کوفری میں بے حد گرد اور دھول تھی۔ روشنی سے دل کے سیاہ خانے جھجکا اٹھے۔ تاہم اندرونی کشاف کے سبب یہ روشنی کچھ گندی اور مٹی ہو گئی۔ اس کا رنگ پیلا پیلا سا ہو گیا۔ میں نے آخر میں اس پیلی اور مٹی روشنی کو غائبہ دل سے باہر دھکیل دیا۔ ۲۳ مارچ کو مشق کرتے ہوئے اپنے کو غیر معمولی طور پر حسین و جمیل محسوس کرنے لگا۔ یہ احساس بالکل نیا اور انوکھا ہے۔ مشق نفس کرتے ہوئے ح.ب. خان کو اجنبی صورت نظر آئیں۔ انہیں کے الفاظ میں سنئے:

ایک ناقابل یقین مشاہدہ بھی ہوا، یعنی مشق کے دوران اجنبی زندہ صورتیں نظر آتی ہیں اور اتنی وضاحت سے کہ ناقابل بیان ہے۔ ایک مرتبہ استغراق کے عالم میں

قائد اعظم سے ملاقات ہوئی، انہی کی ساتھ علامہ اقبال بھی نظر آئے۔

سانس کی منظم اور باضابطہ مشق نفس کے تہ خانے میں پچھلی سی عبادتی ہے اور ہمارے "اندرون" میں جتنے جذبات اور تصورات مدفون ہوتے ہیں۔ انہیں ڈرامائی انداز میں شعور کی سطح پر لے آتی ہے۔ بیان کیا جا چکا ہے کہ (S.C.T) کی مشقیں شروع کرتے ہی ۹۰ فیصد طلبہ و طالبات کے تخیل میں طوفان برپا ہو جاتا ہے۔ خوف زدہ لوگوں کا خوف بڑھ جاتا ہے۔ فصد دبانے والوں کا فصد بھڑک اٹھتا ہے۔ زندگی سے بیزار لوگ زندگی سے بیزار تر ہو جاتے ہیں۔ شاعرانہ ذوق رکھنے والوں کی شعری روح حرکت میں آ جاتی ہے۔ عاشقوں کے جذبہ عشق میں شدت پیدا ہو جاتی ہے۔ جنسی ہیجان کی مارے ہوؤں کی رگ رگ میں شہوت کی بجلیاں دوڑنے لگتی ہیں۔ الغرض ان مشقوں سے ہر شخص کا باطنی آتش فشاں عارضی طور پر لاوا اگلنے لگتا ہے۔ جذبات کے اخراج کا یہ ذہنی عمل صحت کی بنیادی شرط ہے جس طرح جسم کی صفائی کے لئے جلاب اور اینا کیا جاتا ہے۔ اسی طرح نفس کی تطہیر کے لئے یہ مشقیں کرانی جاتی ہیں۔ ح.ب. خان نے استغراق دے کر خودی کے عالم میں جن قائد اعظم اور جن علامہ اقبال نے ملاقات کی وہ پہلے سے ان کے نفس کے اندر ایک تمثیل یا (Image) کی شکل میں موجود تھے۔ اور یہی تمثیل نگاہ باطن کے سامنے آ گئی۔

ح.ب. خان مزید لکھتے ہیں کہ:

سانس کے پہلے ہی پکر میں دریائے نور کے اندر غوطہ زن ہو جاتا ہوں۔ اس وقت اپنے کو دو دنیاؤں میں پاتا ہوں اور وہ بھی بیک وقت روحانی دنیا اور مادی دنیا میں۔ روحانی دنیا کو جنت کہوں تو بے جا نہ ہوگا۔ محمد خوش نویس (لاہور) کو سانس کی مشق میں اپنے اندر ہلکی سی روشنی نظر آئی۔

(خط ۷/ اگست ۱۹۷۱ء) ایس ایم تار (کراچی) نے دیکھا (یا محسوس کیا) کہ دونوں پاؤں کے انگوٹھوں سے روشنی چھوٹ رہی ہے۔ اس کے بعد یہ روشنی جسم کے نچلے

حصے سے اوپر کی طرف چڑھنے لگی اور جب پورا جسم بقیہ نور بن گیا تو انہیں اپنا دماغ بھی صاف صاف نظر آنے لگا (خط ۴/ ستمبر ۱۹۷۱ء) لکھتے ہیں کہ یہ بڑا پر کیف منظر ہوتا ہے اور جب آنکھیں کھولنا ہوں تو دنیا بے حد حسین نظر آتی ہے۔

محمد نسیم (خط ۲۷ جنوری ۱۹۷۱ء) کا بیان ہے کہ:

جہاں تک روشنی کے تصور کا تعلق ہے تو بالزور، مکمل ہو رہا ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ دماغی طرف روشنی کے گولے اندر آتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ پہلے یہ روشنی دھندلی تھی مگر اب تو صاف صاف نورانیت محسوس ہو رہی ہے۔ اب ایک اور خط کا اقتباس سنئے، جب میں سورج نکلنے سے پہلے آسمان یا روشنی کی طرف دیکھتا ہوں تو پیٹ اور سینہ ایک کمرے کی طرح نظر آتے ہیں جس میں دو کمرے کیوں کے ششے سے روشنی چھن چھن کر آ رہی ہے۔ کبھی تصور میں اپنے کو نورانی ہالے کی شکل میں دیکھتا ہوں۔

(سید الحسن صدیقی) ایک اقتباس:

تنفس نور میں روشنی کے ہالے کا تصور بعض اوقات اتنا واضح ہے کہ میرا جسم گرم ہو جاتا ہے اور اگر میں جسم کے کسی عضو میں نور کو محسوس کروں تو وہ عضو بدن حرارت کے سبب جلنے لگتا ہے۔ مشق میں چند لمحوں کے لئے دماغ بالکل ساٹ ہو جاتا ہے بکھرے ہوئے رنگوں کے تصورات سے لطف اندوز ہوتے ہی بعض اوقات سوچتا ہوں کہ زندگی کی رنگینیوں سے آدمی تصورات کی دنیا میں بھی وہی لطف اٹھا سکتا ہے جو حقیقی دنیا میں اٹھاتا ہے۔ (سی ایچ اکرم۔ پٹنڈی، خط مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۷۱ء)

الف. الف۔ ب۔ ج۔ (بلوچستان) خط مورخہ ۲/ جولائی ۱۹۷۹ء میں رقم طراز

ہیں کہ:

پہلے پانچ روز سے مشق میں خود بخود سانس بہت گہرا ہو جاتا ہے اور تصور نور بالکل واضح۔ دوران مشق اپنے کو خلاء میں رواں دواں محسوس کرتا ہوں۔ سانس روکتے ہوئے پورا وجود لرز جاتا ہے اور قلب میں پھڑپھڑاہٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ سانس نکالنے

وقت ایسا لگتا ہے کہ تیز رفتار ریل گاڑی میں سفر کر رہا ہوں اور بیرونی مناظر کی طرح سانس کی نورانی لہریں سانسے سے بھاگی جا رہی ہیں۔ طبیعت آج کل نہایت شادان و فرحان ہے، البتہ درمیان میں چار پانچ روز کے لئے طبیعت میں گرانی اور غصہ ابھو گیا تھا (وہی لاشعوری حرارت جس کا ذکر کیا جا چکا ہے) تنفس نور میں جس لطف آمیز وجدانی کیفیت کا احساس ہوتا ہے۔ خالی اوقات میں اسی سرور و کیف کی لہریں روح میں دوڑتی رہتی ہیں۔ آنکھیں بڑی بڑی کشادہ لگتی ہیں، بعض اوقات نظر خود بخود کسی چیز سے چٹ کر رہ جاتی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ارتکاز توجہ (کسی ایک نقطے پر پوری توجہ مرکوز کر دینا) کا مکمل خود کار طریقہ پر جاری ہے اور بغیر کسی خارجی مسجع (کوئی ہیجان میں لانے والی چیز مثلاً روشنی) کے اپنا کام کر رہا ہے یوں سمجھئے کہ میں خود بخود دم ہو جاتا ہوں۔ ذہن بالکل ساٹ اور ہر قسم کے تخیل سے عاری ہو جاتا ہے۔ پیشانی کے اوپری حصے پر سرور و کیف کی لہروں کا زیادہ دباؤ ہوتا ہے۔ میں غلا نور کی کیفیت سے گزرتا ہوں۔

آپ نے دیکھا کہ مشق تنفس نور سے کس طرح جسم کی اندر اور باہر سے روشنیوں پھونکنے ہیں۔ دماغ برہستہ ہیں، اس سے پہلے آپ ان لوگوں کے تجربات پڑھ چکے ہیں۔ جنہوں نے اپنے کو انسانی کچھوں اور خوشبوؤں سے معطر پایا۔ ان مشاہدات، تجربات اور احساسات کو پڑھ کر بار بار انسانی عقل سوال کرتی ہے کہ:

آدم نوری

آخر یہ نور، یہ رنگ، یہ خوشبو، یہ بجلی، یہ حرارت اور یہ مقناطیسیت آدمی میں کہاں سے آئی؟ کیا ہمارے بیکر خاکی کے اندر نورانیت اور روحانیت کا کوئی بے کراں سمندر لہریں مار رہا ہے۔ کیا ہمارا قلب اور دماغ روشنی کا منبع ہے، خوشبو کا سرچشمہ ہے اور برقی مقناطیسیت کا طاقت گھر؟ بے شک ایسا ہی ہے۔ اگر انسانی وجود کی راکھ کو ذرا کریدیا جائے تو عالم نور کی چنگاریاں اس میں مچنے لگتی ہیں۔ ہم عام طور پر اپنے اندر چھپی ہوئی صلاحیتوں، استعدادوں، قابلیتوں اور طاقتوں سے بے خبر رہتے ہیں اور بے خبر

رہ کر ہی مر جاتے ہیں۔ لاکھ میں چند ہی افراد ایسے ہوں گے جنہیں یہ احساس ہو کہ وہ فقط آدم خاکی نہیں آدم نوری بھی ہیں۔ بے شک قدرت نے آدمی کا پتلا تکنیکی ہوئی سیاہ مٹی سے بنایا تھا۔ لیکن اس کا لے کھوٹے پتلے میں اس نے نور سرمدی کی ایک ایسی ابدی و ازلی شمع روشن کر رکھی ہے کہ موت کی آندھی بھی اسے گل نہیں کر سکتی۔ اس جسم خاکی کے اندر جو چراغ جل رہا ہے اس کی کوکتی ہی مدہم سہی تاہم صرف ایک عقل کا اندھا ہی اس کے وجود سے انکار کر سکتا ہے۔

مشقِ تنفس نور کے طلبہ اور طالبات کے تجربات اور احساسات کے اہم نکاتوں پر ایک مرتبہ پھر نظر ڈالی جائے۔

(۱) یہ مشق اور نصاب و تعمیر و تنظیم شخصیت کی تمام دوسری مشقیں شروع کرنے کے فوراً بعد مشق کرنے کو زبردست لاشعوری مزاحمت اور اندرونی بغاوت کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے اور بہت سے حضرات اسی مرحلے پر مشقوں سے دستبردار ہو جاتے ہیں۔

(۲) ان مشقوں سے اندرونی دنیا کی ہر چیز جاگ اٹھتی ہے اور ہم سینے میں جذبات، احساسات، تصورات اور تخیلات (تصورات) کی شکل میں جو کچھ چھپائے ہوئے ہیں۔ وہ سب کچھ رفتہ رفتہ ذہن کی سطح پر نمودار ہو جاتا ہے۔

(۳) یہ مشق شروع کرنے کے بعد خیالات بسا اوقات الجھ جاتے ہیں اور خواب گہرے اور پرمق ہو جاتے ہیں۔ یہ تمام نفس کی بیداری کی علامتیں ہیں، علم انفس کا صرف ایک عالم ہی ان بدلی ہوئی کیفیتوں کو سمجھ سکتا ہے۔

(۴) جب سانس کی مشق کے ذریعے عینانِ آمیز جذبات رفتہ رفتہ خارج ہو جاتے ہیں تو نفس کو عجیب بے باک اور ہلکے پن کا احساس ہوتا ہے اور آدمی یہ محسوس کرتا ہے کہ اس نے گویا از سر نو جنم لیا ہے۔

(۵) سانس اور توجہ کی مشق جسمانی صحت کی لئے بے حد مفید ہے۔ معدے جگر اور آنتوں پر اس کے صحت مند اثرات پڑتے ہیں۔ ریاضی تکالیف (پیٹ پھولنا،

قبض سونہنی وغیرہ) میں نمایاں افادہ ہو جاتا ہے۔ آنکھیں کی فراوانی کے سبب خون میں سرخ و سفید ذرات (جو جسمانی صحت کے لئے سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں) کی فراوانی ہونے لگتی ہے، چہرے پر نکھار آ جاتا ہے۔ آنکھیں روشن ہو جاتی ہیں، نیند گہری اور خوش گوار ہو جاتی ہے۔ آواز میں کشش پیدا ہو جاتی ہے۔ بعض بری عادتیں (جلیق، سگریٹ نوشی اور لکنت) خود بخود چھوٹ جاتی ہیں۔

(۶) S.C.T کے طالب علم کو ہمیشہ یہ حقیقت سامنے رکھنی چاہئے کہ قبض و بسط کے مرحلوں سے گزارنا لازمی ہے۔ قبض و بسط کی حالت پر روشنی ڈالی جا چکی ہے۔

(۷) سانس کی منظم مشق کے ذریعے ہم جو ”روح حیات“ اپنے اندر جذب کرتے ہیں وہ برقی مقناطیسی توانائی کی طرح محسوس ہوتی ہے۔ مثلاً رگ و پے میں بجلیاں سی دوڑنا، جھپکے لگنا، گرمی کا احساس، پسینہ آنا، جسم کا جھن جھننا، سنسنہٹ کا احساس، دماغ پر ضرب سی لگنا۔ یہ محسوس ہونا کہ جسم پر چوہو نیاں سی رینگ رہی ہیں۔

(۸) ان مشقوں سے اعصاب اتنے حساس ہو جاتے ہیں کہ خدا کی پناہ بعض اوقات کپڑے کا بوجھنا گوارہ ہونے لگتا ہے۔

(۹) سانس کی مشق کے زیر اثر جسم پر ذہن کی تحریک سے عجیب عجیب کھیل طاری ہو جاتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ میں لمبا اور چوڑا ہوتا جا رہا ہوں یا وزن غائب ہو گیا ہے، یا خلاء میں پرواز کر رہا ہوں یا ہوا میں کہیں معلق ہوں، یا فضا میں تحلیل ہو رہا ہوں، یا یہ کہ میں جسم سے باہر نکل پڑوں گا۔

(۱۰) اگر ترک حیوانات یعنی گوشت، مچھلی اور انڈا چھوڑ کر سانس کی مشق کی جائے۔ تو اس کے اثرات میں سوگنا اسافہ ہو جاتا ہے۔ یہ مشق خالی پیٹ کی جائیں تو سبحان اللہ، روزے میں سانس کی مشق کی بدولت نشہ سا طاری ہو جاتا ہے۔ آنکھیں اوپر کو چڑھ جاتی ہیں، آدمی گرد و پیش سے چند لمحوں کے لئے غافل ہو جاتا ہے، رگ و رگ میں سرور و کیف کی لہریں دوڑنے لگتی ہیں۔

(۱۱) سانس کی مشقوں سے رتہ رتہ مکمل ذہنی صحت نصیب ہو جاتی ہے۔ ذہن کی گتیاں سلجھ جاتی ہیں، دماغ تازہ اور طبیعت چاق و چوبند ہو جاتی ہے۔ حافظہ بہتر ہونے لگتا ہے، جذباتی دباؤ گھٹ جاتا ہے، اعصاب تناؤ (جیسے ستار کے تار سے ہوتے ہیں) سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ مشق تنفس نور کرنے والا، دل و دماغ کی کشش سے نجات پا کر حقیقت پسندانہ نظر سے زندگی کا جائزہ لینے کے قابل ہو جاتا ہے، سکون قلب پیدا ہو جاتا ہے، کبھی کبھی انجان خوشی کے پھول سینے میں کھلنے لگتے ہیں، طبیعت نازک ہو جاتی ہے۔

(۱۲) ان مشقوں کے ذریعے اکثر حضرات کو یہ بھی نادر تجربہ ہوتا ہے کہ میں بیک وقت دو جگہ موجود ہوں۔ آنکھیں بند ہوتے ہی سنے سنے مناظر سامنے آتے ہیں اور بہت سے لوگوں میں بے غرض مذہبی رجحان اور روحانی ادراک پیدا ہو جاتا ہے۔

(۱۳) جن لوگوں کے مزاج میں شعریت ہوتی ہے۔ ان کی موزوں طبیعی میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ مختصر یوں کہ جس شخص میں جسم قسم کا جو ہر چھپا ہوا ہوتا ہے اس کے اظہار کے امکانات رونما ہونے اور تخلیقی صلاحیتیں بیدار ہونے لگتی ہیں۔ (۱۴) نف جسمی امراض میں یہ مشقیں نفس اور جسم دونوں کے لئے بے حد فائدہ مند ثابت ہوتی ہیں (تفصیلات آپ پڑھ ہی چکے ہیں۔)

(۱۵) نورانی سانس (کی مشق) کے بعض طلبہ کو پراسرار خوشبوؤں اور اجنبی مہک کا احساس ہوتا ہے۔

(۱۶) سانس کی جادو بکشی سے نفس اس قدر صاف شفاف ہو جاتا ہے کہ ”احمد سلیم لاہور نے دیکھا کہ“ ایک اور احمد سلیم ان کے نفس کے اندر گھسا بیٹھا ہے۔

(۱۷) جب سانس کھینچنے اور خارج کرنے میں نور کی آمد شد کا تصور پختہ ہو جائے تو نفس سے روشنی کے جھٹے پھوٹنے لگتے ہیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہم بجائے خود جسم سے رنگ و نور ہیں، سر تا پا روشنی ہیں۔ سانس اندر کھینچتے ہی جسم کے اندر برقی قوت سے

جگمگانے لگتے ہیں۔ نفس کی تاریک کوٹھڑی منور ہو جاتی ہے، دل و دماغ میں چاند سورج سے طلوع ہو جاتے ہیں۔

(۱۸) روشنیوں کے ساتھ طرح طرح کے رنگ نظر آتے ہیں۔ سرخ، زرد، نیلا، بنفشی، سیاہ وغیرہ وغیرہ گویا انسانی روح پر قوس قزح جگمگانے اور شفق مسکرانے لگتا ہے

(۱۹) استغراق کی حالت میں طرح طرح کی شکلیں نظر آتی ہیں۔ یہ گمان ہوتا ہے کہ ہم ردحوں سے ملاقات کر رہے ہیں۔ نہ صرف یہ کہ طرح طرح کے جلوے نظر آتے ہیں بلکہ سماعت کی حس اس قدر چوکی ہو جاتی ہے کہ نہ سنائی دینے والی آواز بھی سنائی دے جاتی ہے۔

یہ فقط شورش ہوا تو نہیں
کوئی مجھ کو پکارتا تو نہیں

غیبی آوازیں

گزار احمد کا بیان ہے کہ:

میں آپ کی حسب ہدایت مشق تنفس اور التجا پر عمل کر رہا ہوں۔ عجب بات یہ ہے کہ مجھے غیبی آوازیں سنائی دیتی ہیں جیسے کوئی مجھے پکار رہا ہے۔ مگر پکارنے والا اور آواز دینے والا نظر نہیں آتا اس ناقابل یقین تجربے کے علاوہ (۱) سچے خواب آنے شروع ہو گئے۔ (۲) دل سے لگا تاریکی چلنے کی آواز آتی ہے۔ (۳) جس منظر کا تصور کروں گویا وہ ہو بہو مجسم ہو جاتا ہے۔ (۴) پراسرار آوازوں کے ساتھ جسم میں روشنی کی لہریں بھی رواں دواں ہو جاتی ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ روشنی اور آواز ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں۔

ان کو دیکھا کہ گفتگو کر لی ایک شے ہیں تجلی و آواز ح

۱۔ یہ لایف کتب کی بیداری کی علامت ہے۔

۲۔ چنانچہ شعروں کا اضافہ اس شاعر نے کیا ہے جو میرے اندر چھپا بیٹھا ہے۔

امارہ، لواہ، ناطقہ

خالص نفسیاتی نقطہ نظر سے ہمزاد کا وجود صرف اتنا ہے کہ بعض اوقات جذبات دباؤ اور لاشعور (دل و دماغ) کی کشش کے سبب، انسان کی مرکزی شخصیت کا ایک حصہ مرکز سے باہر ہو کر اپنی آزادی اور خود مختاری کا اعلان کر دیتا ہے۔

اس افتراق شخصیت (ڈپٹی ہنڈل) کو نفسیات کی اصطلاح میں Schizoph re, nia کہتے ہیں۔ یوں سمجھئے کہ ”شیزوفرینیا“ کا مریض دو حصوں میں بٹ کر رہ جاتا ہے۔ شخصیت کا عقلی حصہ اور شخصیت کا جذباتی حصہ! بنیادی طور پر ان دونوں حصوں کا وجود ڈپٹی صحت مندی اور دماغی ترقی کے لئے مفید ہے۔ کیونکہ شخصیت کے ان دو حصوں کے ٹکراؤ سے ہی انسانی شعور کو پختگی نصیب ہوتی ہے۔ انسانی شخصیت کا عقلی حصہ یعنی اس کا شعور لاشعوری خواہشوں کے طوفان اور ہیجانوں پر غالب آنے کی کوشش میں مزید استحکام حاصل کرتا ہے۔ اس طرح نظر میں وسعت، فکر میں گہرائی اور ذہن میں بلوغ پیدا ہوتا ہے۔ اگر عقل و جذبات دل و دماغ اور شعور کے اس تصادم کو ختم کر دیا جائے تو آدمی مشین بن کر رہ جائے۔ اس کی تمام حیاتی صلاحیتیں ختم ہو جائیں۔ وہ حیوانی علم کی طرف لوٹ جائے۔ قدیم علم انفس^۱ میں، نفس امارہ، نفس لواہ، نفس ناطقہ اور نفس مطمئنہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ نفس امارہ، سربسہر حیوانی جہتوں پر مشتمل ہے۔ اس کا صرف ایک مقصد ہوتا ہے یعنی لذت کا حصول! اشتہا اور شہوت، نفس امارہ کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ معدے کی بھوک ہو یا جنس کی بھوک، دونوں زندہ رہنے کے لئے ضروری ہیں۔ اس طرح نفس امارہ زندگی کو قائم و برقرار رکھنے کی جدوجہد میں شہوت و اشتہا کی تکمیل کے ذریعے اہم حصہ لیتا ہے۔ جب تک نفس امارہ کی مانگ (لذت طلبی) اعتدال کی حد میں رہتی ہے۔ زندگی کو کوئی گزند نہیں پہنچتی، جب لذت طلبی یعنی معدے اور جنس کی خواہشیں حد سے گزر کر جسم و جان کے لئے خطرہ بننے لگتی ہیں تو ”نفس لواہ“ حرکت میں آ کر نفس امارہ کو اس کی

۱۔ ہمارے حکماء اور دانشور حضرات علم انفس کو ”علم الاخلاق“ بھی کہتے تھے۔

لذت کو شیوں اور عشرت طلبیوں پر ملامت کرنے لگتا ہے۔ نفس لواہ کہتے ہیں، ملامت کرنے والے اور روک ٹوک کرنے والے نفس کو.....! ضمیر درحقیقت نفس لواہ ہی کا ایک مظہر اور نمائندہ ہے۔ نفس لواہ (ضمیر) نفس ناطقہ سے روفاہی حاصل کرتا ہے۔

نفس ناطقہ عقل و حکمت سے آراستہ ہے، یہ خیر و شر میں امتیاز کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یعنی یہ کام مفید ہے اور وہ مضر ہے۔ زندگی کا یہ رخ روشن ہے اور وہ تاریک، مزید برآں خیر و شر میں امتیاز کرنے اور نیکی بدی کو پرکھنے کی دلیلیں بھی نفس ناطقہ ہی فراہم کرتا ہے۔ نفس امارہ کی ناچاریوں کے خلاف نفس لواہ کا رد عمل جتنا تیز اور شدید ہوگا، نفس ناطقہ کو اتنی ہی تقویت حاصل ہوگی۔ نفس امارہ ہر قیمت پر حیوانی تقاضوں کی تکمیل چاہتا ہے۔ اگر زہر بھی لذیذ ہو تو وہ پی لے گا۔ نفس لواہ ان مضرت رساں خواہشات کے خلاف نکتہ چینی، ملامت اور روک ٹوک کی مہم جاری رکھتا ہے اور نفس ناطقہ عقل و حکمت کی روشنی میں نفس امارہ کی سرگرمیوں کی حدیں اور پیمانے مقرر کرتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک شخص بے تحاشا عیاشی کرتا ہے، بے تحاشا عیاشی جسم و جان یعنی تندرستی اور من و دستی کے لئے نقصان رساں ہے۔ نفس امارہ کو اپنی عیش کو شیوں اور سرگرمیوں میں ان نقصانات کی پروا نہیں۔ لیکن نفس ناطقہ کی گرفت مضبوط ہے اور نفس لواہ کی ملامت شدید! ظاہر ہے کہ ان حالات میں روک ٹوک کے سامنے نفس امارہ من مانی نہیں کر سکتا۔ نفس ناطقہ کی حقیقت اس شہسوار کی سی ہے جو سرکش گھوڑے پر نشست کرنے کے باوجود سواری پر گرفت مضبوط رکھے اور جانور کو بے قابو نہ ہونے دے۔ جب نفس امارہ، نفس لواہ اور نفس ناطقہ کے عمل میں توازن پیدا ہو جاتا ہے۔ یعنی انسان اپنی جبلی خواہشات میں اعتدال کے راستے پر گامزن ہو جاتا ہے تو ”نفس مطمئنہ“ وجود میں آتا ہے یعنی سکون قلب اور نشاط خاطر کی کیفیت! سکون قلب نشاط خاطر اور اطمینان نفس کے لئے ضروری ہے کہ نفس امارہ کی خواہشات صرف اسی حد تک پوری کی جائیں کہ زندگی گزند سے محفوظ رہ کر ترقی کر سکے۔ امارہ، لواہ، ناطقہ اور مطمئنہ یہ سب انسانی انا کی مختلف شاخیں ہیں۔

انسانی اناہ (یعنی میں، میں ہوں) کیا ہے؟ اس گتھی کو اب تک کسی نے سلجھایا نہیں۔ ان سطور کو لکھنے والا میں یعنی رئیس امردہوی ہوں خود رئیس امردہوی کیا ہے۔ یہ مجھے نہیں معلوم، گفتگو شروع ہوئی تھی۔

نہیں معلوم کون شخص ہوں میں

اور کس شخص کی طلب میں چلا؟

انفراق شخصیت یعنی ذہنی بنوارے سے! اور سلسلہ گفتگو پھیلنے پھیلنے، نفس امارہ سے نفس مطمئنہ تک دروازہ ہو گیا۔ خبر یہ بھی اچھا ہوا، نفس کے حالات مظاہر اور اس کے مختلف پہلوؤں پر جتنی بار گفتگو کی جائے مفید ہی ثابت ہوگی۔ خبر عرض کرنا یہ ہے کہ جب اناہ سے اس کا ایک حصہ باغی اور سرکش ہو کر آزادی اور خود مختاری کا اعلان کر دیتا ہے گویا اصل شخصیت کے درخت میں ایک نیا شخص، ٹہنا پھوٹ آتا ہے۔ نفسیات کی روشنی میں اس نئے شخص کو ”ہمزاد“ کہتے ہیں۔ نفسیات نے ہمزاد کی جو تعریف کی ہے وہ ”پیرنارل ازم“ (خارق العادات) کے طبقہ کو مطمئن نہیں کر سکتی۔ پیرنارل ازم کا نقطہ نظر یہ ہے کہ ہمزاد، انسانی شخصیت کا کوئی کنا ہوا خود مختار حصہ نہیں، بلکہ ایک الگ مستقل وجود ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ سانس کی مشق کرنے والے بعض حضرات کو بھی کبھی ڈوب جانے کی حالت میں ”ہمزاد“ کی جھلک نظر آ جاتی ہے۔

ارشاد احمد لکھتے ہیں:

رمضان المبارک کے آغاز کا ذکر ہے کہ میں صوبی (صبح کی مشق شخص نور) کے بعد اٹھ کر آئینہ دیکھنے لگا۔ اپنی پرچھائیں میں کچھ حرکت ہوئی میں نے غور سے دیکھا تو گھبرا کر آئینہ رکھ دیا۔ کیونکہ مجھے آئینے میں اپنے علاوہ ایک اور شکل بھی نظر آ رہی تھی۔ دوسرے روز پھر ”صوبی“ کے بعد آئینہ دیکھا تو یہی حیران کن نظارہ سامنے تھا۔ یعنی مجھ ہی جیسا ایک ارشاد احمد بیک سامنے آئینے میں کھڑا تھا۔ اس کے بعد میرا یہ معمول بن گیا

۱۔ تمام مباحث اپنے مقام پر پھیلے جائیں گے۔ (انشاء اللہ)

کہ صبح کی مشق شخص نور کے بعد آئینہ دیکھتا لیکن اب طریقہ بدل دیا ہے۔ اب آئینہ بنی کے بجائے میں مشق کے بعد دروازہ بند کر لیتا ہوں اور میری پچھلی طرف جو روشندان ہے۔ اس کے سامنے دیوار کے قریب بیٹھ جاتا ہوں، دیوار پر میرا سایہ نمودار ہو جاتا ہے اور میں آپ کے تصور کے ساتھ سایہ کو تکتا رہتا ہوں، سایہ میرے سامنے آ کر بیٹھ جاتا ہے، میں کہتا ہوں کہ کھڑے ہو جاؤ کھڑا ہو جاتا ہے۔ مگر پوری طرح میرا کہنا نہیں مانتا، کبھی کبھی غائب بھی ہو جاتا ہے، جب کسی کام کو کہتا ہوں (غالباً کوئی کام کرنا نہیں چاہتا) میں نے اب تک آپ کو اس تجربے سے مطلع نہیں کیا تھا، اندیشہ یہ تھا۔ مبادا! آپ منع کر دیں اور ترک حکم صادر فرمادیں۔ مگر میں اس عمل کو ترک کرنا نہیں چاہتا، مجھے اس میں بڑا سکون ملتا ہے، یہ تجربہ بہت دلچسپ ہے۔

ارشاد بیک صاحب کبھی کبھی آنکھیں بند کر کے میرا تصور بھی کرتے ہیں۔ یعنی رئیس امردہوی ان کے سامنے موجود ہے۔ لکھتے ہیں کہ آنکھیں بند کرتے ہی آپ کا باطنی وجود سامنے موجود سامنے آ جاتا ہے۔ آپ کی آنکھیں بے حد چمک دار ہیں بعض اوقات ڈر جاتا ہوں! سبز آکھ

محمد رمضان (کورالائی بلوچستان) اپنے خط مورخہ ۳۰ جنوری ۱۹۷۱ء میں لکھتے ہیں کہ میں نے ۱۰ جنوری ۱۹۷۱ء سے مشقیں شروع کر دی ہیں۔ مشقوں سے اب تک حسب ذیل نتیجہ اخذ کئے ہیں۔

(۱) مجھے محسوس ہوتا ہے کہ ایک اور رمضان یعنی میرا ہم زاد میرے پیچھے بیٹھا ہے۔ اکثر رات کو مشق شخص نور کے وقت اور دوران بھی ہمزاد میرے قریب آ کر بیٹھ جاتا ہے۔ پریشان کن خواب آنے بند ہو گئے ہیں، باطن پر نظر ڈالنے سے اپنے اندر نور ہی نور نظر آتا ہے۔ خصوصیت کے ساتھ دل و دماغ تو بالکل جکھل گئے ہیں۔ مشق شخص نور شروع کرنے کے تیسرے دن ہی نور کا تصور پختہ ہو گیا۔ ایک دن جب مشق شخص نور کر

لے سانس بھی آہستہ

100

رہا تھا تو ایک سبز آنکھ خود بخود سامنے آگئی۔ پھر اس سبز آنکھ سے پہلی سی روشنی پھوٹ کر نکلی اور تمام سفید روشنی پر چھا گئی۔ اس کے دل و دماغ میں زرد رنگ کی جتنی روشنی تھی، وہ نیلی، پیلی، سنہری و صوب کی طرح نظر آنے لگی۔ آج شب جب مشق شخص نور شروع کی تو سبز آنکھ کے بجائے سفید آنکھ سامنے آگئی جس سے روشنی کا چشمہ بہہ رہا تھا۔ اب کبھی کبھی ایسا لگتا ہے کہ دماغ کی روشنی آنکھوں سے نکل رہی ہے۔ یعنی دماغ اور آنکھ کے درمیان باقاعدہ راستہ بن گیا جس سے روشنی سفر کرتی ہے۔

ڈراؤنے چہرے

خالد محمود (خط ۲۸/ ستمبر ۱۹۷۰ء) رقم طراز ہیں:

بیماری کے سبب مشق شخص نور ترک کر دی تھی۔ اب تقریباً سوا مہینے کے قحط کے بعد ۲/ ستمبر کو دوبارہ مشق شخص شروع کی ہے۔ اندیشہ یہ تھا کہ اتنی مدت کے بعد از سر نو مشق شروع کی ہے۔ یقیناً ذہن پر بکثرت غیر ضروری خیالات حملہ کر کے مشکل بنا دیں گے، لیکن یہ اندیشہ باطل ثابت ہوئے۔ مشق کرتے آٹھ دس منٹ صرف پانچ چھ خیالات ذہن میں آئے البتہ پرسوں صبح جب میں مشق شخص نور کے تین چکر کر چکا تو عجیب و غریب خوف ناک شکلیں نظر آنے لگیں، وہشت سے روٹنے لگے ہوئے۔ میں نے ایسے ڈراؤنے چہرے کبھی نہیں دیکھے تھے، قریب تھا کہ گھبرا کر آنکھیں کھول دوں یا چیخنے لگوں کہ اچانک آپ مجھے یہ تلقین کرتے نظر آئے کہ ان سے مت ڈرو۔ اس تلقین کا اثر یہ ہوا کہ میں فوراً ہی نارمل ہو گیا اور باقی دو چکر معمول کے مطابق کیے۔ ایسا واقعہ اس سے قبل کبھی پیش نہیں آیا تھا۔ درخواست یہ ہے کہ اس حیرت انگیز مشاہدے کی توجیہ فرما دیں۔ کیا آئندہ بھی یہ عجیب و غریب شکلیں نظر آئیں گے؟

محمد رمضان صاحب (لورا لائی) کا تصور نور تین روز ہی میں پختہ ہو گیا۔ تعجب انگیز واقعہ ہے جو کبھی کبھی کسی کسی کے ساتھ ظہور پذیر ہوتا ہے، بالعموم سانس (یا مراعات) کی مشق میں نور کا تصور تین سے چھ مہینے تک درنہ ایک سال میں پختہ ہوتا ہے۔ وہ بھی

لے سانس بھی آہستہ

101

جب کہ مشقیں پابندی کے ساتھ کی جائیں، اور بعض حضرات تو آخر وقت تک تصور نور کے سلسلے میں دھلے یقین رہتے اور تنگ آ کر مشق و ریاضت ہی ترک کر دیتے ہیں۔

بھاری پتھر تھا چوم کر چھوڑا

خالد صاحب کو اندیشہ تھا کہ مشق میں ادھر ادھر کے خیالات بکثرت آئیں گے۔ لیکن سوا مہینے کے قحط کے بعد جب مشق شروع کی تو خیالات کی رفتار سست پڑ گئی۔ حالانکہ ایسا نہیں ہونا چاہئے تھا۔ امر واقعہ یہ ہے کہ ہر شخص کی ذہنی بناوٹ و مافی ساخت اور اندرونی صلاحیتیں ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں اس راہ میں ہر شخص کا تجربہ الگ ہوتا ہے۔

یارب غم عشق کیا بلا ہے؟

ہر شخص کا تجربہ نیا ہے

خالد صاحب جب ڈراؤنے چہرے سے گھبرا کر مشق ترک کرنے پر تیار ہو گئے تو انہیں میری ہمیشہ تلقین کرتی نظر آئی کہ مت ڈرو۔ خالد صاحب (لاہور) میں مقیم ہیں اور میں فقیر کراچی میں! درمیان میں سات سو میل کا فاصلہ ہے۔ پھر انہیں جو کچھ نظر آیا وہ کیا تھا۔ درحقیقت ذہن کی دنیا میں دو آدمیوں کے درمیان، جو ایک ہی سلسلے سے تعلق رکھتے ہوں روحانی رابطہ پیدا ہو جایا کرتا ہے۔ اس ”روحانی“ رابطے کو Rapport کہتے ہیں۔ خالد صاحب کے ساتھ جو کرشمہ گزرا اسی روحانی رابطے کے سبب!

حبیب احمد خان کی رپورٹ (نومبر ۱۹۷۰ء) کا یہ حصہ بھی قابل مطالعہ ہے۔ کہتے ہیں کہ:

یہ بات بہت حوصلہ افزا ہے مشق شخص کے درمیان جب توجہ ایک نقطہ پر مرکوز ہو جاتی ہے۔ کسی نہ کسی ایسے شخص کی تھک دھلائی دے جاتی ہے، ماضی میں مجھ سے جس کا قریب یا دور کا تعلق رہا ہے۔

نفس مطمئنہ

روح کی حقیقت سے ہم لوگ آج تک بے خبر ہیں۔ اغلب یہ ہے کہ جب تک انسانی وجود جسم کا غلاف چڑھا ہوا ہے۔ روح کے رمز اور روحانیت کے اسرار نگاہوں سے اوجھل رہیں گے۔ البتہ نفس مطمئنہ کی حیثیت، نوعیت اور حالت علم میں آ سکتی ہے۔ نفس مطمئنہ انسانی نفس کا سب سے افضل اور اعلیٰ حصہ ہے۔ جب نفس امارہ (تشریح کی جا چکی ہے) کی سرگرمیوں پر نفس ناظمہ پوری طرح غالب آ جاتا ہے اور منفی جذبات جبلت کی آندھیوں میں عقل کا چراغ بھرپور روشنی دینے لگتا ہے تو نفس پر اطمینان و سکون کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ دل کے در پیچہ روحانی دنیا کی طرف کھل جاتے ہیں۔ سانس کی مشقیں اس کیفیت کو بروئے کار لانے کے سلسلے میں بے حد معین اور مفید ہیں۔ قاسم جلال (بہاول پور) کہ ایک باشعور نوجوان اور فن شعر میں میرے شاگرد ہیں۔ مئی ۱۹۷۰ء کے ایک خط میں لکھتے ہیں کہ:

پہلے خط میں آپ نے دل و دماغ کی کیفیتوں کے بارے میں استفسار کیا تھا، کیفیت یہ ہے کہ جذباتی تکفل بہت حد تک ختم ہو چکی ہے۔ پہلے زبان کھولنے اور گفتگو کرتے ڈر لگتا تھا۔ جھجک ہوتی تھی، اب ہر موضوع پر بلا تکلف گفتگو بول سکتا ہوں۔ جذبات رفع ہونے سے ”عقلیت“ کا رجحان نمایاں ہو رہا ہے (یعنی نفس ناظمہ کی قوت میں اضافہ ہو رہا ہے)۔ بڑی سرگرمی سے فلسفے اور نفسیات کا مطالعہ کر رہا ہوں۔ دل کی جگہ دماغ نے لے لی ہے۔ جناب محمد تقی علی کی کتاب ”روح اور فلسفہ“ نیز اسی موضوع پر دوسری کتابیں پڑھ کر ذہن ایسے نظریات سے منحرف اور متغیر ہو گیا ہے۔ جن سے نوع انسانی تاجی کے کنارے جا گئی ہے۔ شاعری میں بھی عقلیت پسندی کا رجحان نمودار ہو رہا ہے۔ دنیا ختمے کبھی میں دارالحکمن (دکھوں کا گھر) سمجھا کرتا تھا۔ اب:

لے میرے چہرے بھائی سید محمد تقی جن کی کتاب ”مطلق فلسفہ سائنس“ قابل مطالعہ ہے۔

دنیا بھی اک بہشت ہے اللہ رے کرم
کن نعمتوں کو حکم دیا ہے جواز کا

ہر چیز اور ہر واقعے سے دلی مسرت، سکون قلب اور نشاط خاطر کی تحریک پیدا ہو جاتی ہے۔ پیر و مرشد! آپ کی بتلائی ہوئی مشقوں سے میرے اندر واقعی وہ کیفیت جاگ رہی ہے۔ جو ہمہ حسن، ہمہ رنگ اور ہمہ خوشبو ہوتی ہے۔ جمیل مناظر سے لطف اندوزی کی صلاحیت میں نمایاں ترقی ہوئی ہے، کسی نادیدہ قوت کی موجودگی کا احساس اکثر ہوتا ہے۔ جب کمرے میں تنہا ہوتا ہوں تو ایسا لگتا ہے کہ میرے علاوہ یہاں کوئی اور بھی موجود ہے۔ اس طرح جب کسی منظر پر نظر پڑتی ہے تو اس نادیدہ قوت کے وجود کا احساس اور شدید ہو جاتا ہے اور قلب پر پراسرار الہامات نازل ہونے شروع ہو جاتے ہیں، اور ایسے گہرے معانی کا انکشاف ہوتا ہے جسے ”لفظ“ کے ذریعے بیان کرنا مشکل ہے گویا وہ نادیدہ قوت مجھ سے مخاطب ہے۔ کچھ کہہ رہی ہے؟ کیا کہہ رہی ہے یہ بتانا مشکل ہے۔

مرچو
بہارِ عالم پر رحم فرما فرما
کس شخص سے ہم سخن ہیں ہم لوگ

اس وقت کیف و سرور کا عجیب عالم ہوتا ہے۔ دل چاہتا ہے کہ قریب جا کر اس قوت کو دیکھوں، چھوؤں اور درجہ دل عرض کروں۔ یہ خواہش بے حد شدید ہوتی ہے اور سطحی جذباتیت سے ماورا۔ بخدا! وہ قوت مقناطیس کی طرح اپنی طرف کھینچتی ہے اور جب اس کے دیدار میں ناکامی ہوتی ہے تو سینے میں اشتیاق کی آگ بھڑک اٹھتی ہے۔ روح اضطراب کی بھٹی میں جلنے لگتی ہے۔ جسم پر اشتعال طاری ہو جاتا ہے میں ہی زمان و مکان کی وسعتوں میں تنہا ہوتا ہوں اور تجاہلی کی حالت اس قدر گہری اور بے پناہ ہوتی ہے کہ بیان نہیں کر سکتا، یہ ایک بے خودی کی سی کیفیت ہے اور اس بے خودی میں چشم

لے یہ سب دوست کا حسن ظن ہے۔

باطن ایسے ایسے منظر دیکھتی ہے جس کا بحالت خودی (آگئی) تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ سر بلند پہاڑ، گہری وادیاں، گھنے جنگل، طوفانی دریا، وسیع ریگزار، غرض پوری دنیا پیش نظر ہوتی ہے اور میں ہر نظارے کو الگ الگ دیکھ سکتا اور ایک دوسرے سے ممتاز کر سکتا ہوں۔ یہ کیفیت اس طرح روح میں سرایت کر سکتی ہے کہ موسیقی سنتا ہوں تو زرد رنگ کے ریگستان نظر آتے ہیں، جن میں زرد رنگ کے گولے گرم سفر ہوتے ہیں۔

جب گھنے جنگلوں کی صف آئی

اک گولہ مرے عقب میں چلا

کبھی سرما کی سرد راتوں میں پہنچ جاتا ہوں۔ کبھی گرما کی جتنی ہوئی دوپہروں کا لطف اٹھاتا ہوں۔

مرزا محمد سلیم بیگ (رحیم یار خان) کا بیان (بذریعہ خط دسمبر ۱۹۶۸ء) قابل ملاحظہ ہے:

میں نے آپ سے اس سے پہلے کہا تھا کہ تنہا نور (اور مراقبہ نور) کی مشقیں میں نے ۱۷ دسمبر ۱۹۶۸ء سے شروع کی ہیں، پہلے ۱۲۴۰ (۱۹۶۸ء) کا واقعہ ہے کہ میں تنہا نور کی مشق کر رہا تھا آنکھیں بند تھیں، یکایک محسوس ہوا کہ میری آنکھوں کے سامنے ایک سیاہ رنگ کی تختی آگئی جو تقریباً ۱/۲ فٹ لمب اور قریب قریب ایک فٹ چوڑی ہے اور اس نورانی تختی پر سنہرے لفظوں میں کلمہ شریف لکھا ہوا ہے۔ کلمہ شریف دیکھ کر دل پر عجب ہیبت اور عظمت طاری ہوگئی۔ کلمہ شریف کے الفاظ اس قدر نورانی تھے کہ آنکھیں چکا چوند ہوئی جاتی تھیں، اس وقت ناقابل قیاس اور ناقابل بیان حالت طاری تھی۔ آنکھیں بدستور بند ہیں۔ اور واضح الفاظ میں کلمہ شریف پڑھ رہا ہوں۔ الفاظ سے نکلنے والی روشنی کافی تیز ہے۔ اس روشنی سے چکا چوند ہو کر آنکھیں کھول دیں۔ پھر چند لمحوں بعد آنکھیں بند کر کے دوبارہ کوشش کی تو ناکام رہا۔ کلمہ شریف نظر نہ آیا۔ اب بھی جب اس تجربے کے بارے میں سوچتا ہوں جسم میں سنسنی سی دوڑ جاتی ہے۔ اس کا

ذکر میں نے کسی سے نہیں کیا، صرف آپ کو لکھ رہا ہوں۔

خالدہ رفعت (خط مورخہ ۲۷ دسمبر ۱۹۷۱ء) نے اپنے تاثرات اس طرح بیان کئے ہیں کہ:

بہر حال آپ کی ہدایتوں کی مکمل پابندی کر رہی ہوں، تمام وقت با وضو رہتی ہوں مشقیں اور وظیفہ بھی جاری ہے۔ آپ نے رجب کی ہر جمعرات کو گلاب کے پھول رکھے اور عطر حنا لگانے کی ہدایت کی تھی۔ کیا شعبان میں اس کی پابندی کروں، رجب کے مہینے سے دن میں بھی عجیب عجیب سے منظر ظہور پذیر ہو رہے ہیں۔ اکثر نماز پڑھتے میں ایسا نظر آتا ہے جیسے جانا نماز پر روشنی ہو رہی ہے۔ سفید سفید سی روشنی! اسی طرح وظیفہ کے دوران سفید سفید روشنی کے قطرے جانا نماز پر گرتے محسوس ہوتے ہیں، ساتھ ہی ایک بزرگ و محترم ہستی کی موجودگی کا احساس ہوتا ہے۔ کئی کئی بار ایسا ہوا کہ نورانی پرچمائیں آتی دکھائی دیں۔ پھر ایک بزرگ جسم نظر آئے جن کے ہاتھ میں تسبیح تھی۔ جب تک میں وظیفہ پڑھتی رہی ایسا لگتا رہا کہ وہ بھی میرے قریب بیٹھے وظیفہ پڑھ رہے ہیں۔ وظیفہ کے بعد میں دست بدعا ہوئی تو معلوم ہوا کہ اب وہ بزرگوار جا رہے ہیں۔ میں نے تصور ہی تصور میں ان سے دعا کے لئے کہا تو جاتے جاتے رک گئے۔ دعا کی درخواست عاجزانہ تین چار بار پیش کی تو انہوں نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیے، پھر مجھے اپنے سر پر ان کا دست شفقت محسوس ہوا۔ یہ سارے واقعات عالم بیداری میں پیش آئے۔ ایک اور تجربہ عرض کرنے کے قابل ہے۔ ۲۷ رجب کی شب میں کوئی دو بجے کا عمل ہوگا۔ میں نماز پڑھ رہی تھی کہ یکایک پوری جانا نماز پر روشنی نکھر گئی، یہ روشنی قطروں کی صورت میں برس رہی تھی۔ میں روشنی پر توجہ کے بغیر نماز میں مصروف رہی۔ سلام کے بعد اچانک باطنی طور پر معلوم ہوا کہ سرے میں تین چار ہستیاں موجود ہیں۔ ادھر جانا نماز پر روشنی کی بارش، ادھر کمرے میں تادیبہ مخلوق کے وجود کا احساس الغرض جب کیفیت تھی۔ کئی بار اس خیال یا احساس کو دل سے نکالنا چاہا، مگر ناکام رہی، مین نے پوری توجہ کے

ساتھ درود شریف پڑھنا شروع کر دیا۔ پڑھتے پڑھتے غنودگی کی حالت طاری ہوگئی مشکل سے چھ سات منٹ اونگھی ہوں کہ آنکھیں کھل گئیں۔ اب کمرہ خالی تھا اور میں تنہا، شاید میری غنودگی کے عالم میں وہ مقدس ہستیاں وہاں سے رخصت ہوگئی تھیں۔ ازراہ کرم آپ اس کے بارے میں ضرور تحریر کریں وہ میرا وہم تھا یا حقیقت۔ اگر حقیقت تھی تو مقدس ہستیاں کون ہو سکتی ہیں؟ اس زمانے میں ایک ہار مشق کرتے ہوئے دل پر قرآن پاک کی مختلف سورتیں کندہ نظر آئیں۔ جن میں صرف ایک چھوٹی سی آیت پڑھ سکی، وہ آیت تھی ”یارب اغفر لی“ اس دن سے اب تک خود بخود دل چاہتا ہے کہ برابر اس آیت کو پڑھتی رہوں۔ نماز کے بعد تو ”رب اغفر لی“ پابندی سے پڑھتی ہوں۔ دل و دماغ کی عجیب کیفیت ہے، کسی سے بات کرتی ہوں تو خود بخود اندازہ ہو جاتا ہے کہ ان کا کیا جواب ملے گا؟ اس طرح کوئی خاموش بیٹھا ہو تو ایسا لگتا ہے میرا تصور اس کے اندرونی خیالات کو پڑھ رہا ہے۔ اس طرح دماغ جب ”سوچ“ میں اٹک جاتا ہے تو خود بخود اس معنی کا حل معلوم ہو جاتا ہے، کسی کو دیکھتے ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس کا ظاہر و باطن کیا ہے؟ اسی طرح بہت سی باتوں کا وجدانی طور پر علم ہو جاتا ہے۔ خالده رفعت کے اس بیان سے ایک نئی بحث کا دروازہ کھلا، یہ بحث ہے باطنی حس کی!

☆☆☆

گیارہویں حس

پانچ ظاہری حسیں ہیں اور پانچ باطنی حسیں، ظاہری حواسِ خمسہ (بصرہ، سامعہ، لامعہ، ذائقہ، شامہ) کے فرائض تو ہمیں معلوم ہی ہیں۔ بصرہ کا کام دیکھنا ہے، سامعہ کا سننا، لامعہ کا فریضہ چھو کر کسی چیز کی کیفیت معلوم کرنا، ذائقہ کا چکھ کر، شامہ کا سونگھ کر جہاں تک باطنی حواسِ خمسہ (واہمہ، مصورہ، متخیلہ، حافظہ اور حس مشترک) کا تعلق ہے تو وہم کا کام یہ ہے کہ وہ کسی تصور اور خیال دونوں چیزوں کو ملا کر تیسری چیز کو وجود میں لے آئے۔ مثلاً آپ نے سونا بھی دیکھا ہے، پہاڑ بھی۔ ان دونوں چیزوں کا خیال تصور کی شکل میں حافظے کے اندر موجود ہے۔ تصور کا تعلق حسِ مصورہ سے ہے خیال کا حسن متخیلہ سے، واہمہ کی کارگزاری یہ ہوتی کہ وہ سونے اور پہاڑ (دونوں الگ الگ چیزیں ہیں) کے خیال اور تصور کو (کہ حافظے میں موجود ہیں) جوڑ کر ”سونے کے پہاڑ“ کا تصور پیدا کر دے۔ حس مشترک وہ حس ہے جو مختلف حواس کے عمل میں رابطہ پیدا کرتی ہے۔ ظاہری اور باطنی حواسِ خمسہ کی اصل حقیقت اب تک واضح طور پر معلوم نہیں ہو سکی۔ اس سلسلے میں جو کچھ کہا جاتا رہا ہے وہ بیشتر قیاسوں اور مفروضوں پر مبنی ہے۔ کوئی ٹھوس بات نہیں، ان اندر اور باہر کی دس حسوں کے علاوہ انسان میں اور جنتیں بھی ہیں، مثلاً چھٹی حس کہ درحقیقت گیارہویں حس ہے۔ اس گیارہویں حس کے ذریعے ہم ایسی چیزوں کو معلوم کرتے ہیں جو حواسِ خمسہ کی سطح سے بلند ہیں۔ چھٹی حس کو ادراک ماورائے حواس (E.S.P) Extra Sensory Perception بھی کہتے ہیں۔ مثلاً خالده رفعت کی یہ صلاحیت کہ ”جب کسی سے بات کرتی ہوں تو خود بخود اندازہ ہو جاتا ہے کہ کیا جواب ملے گا۔“

چھٹی حس کے ذریعے ہم ایسے حقائق کو بھانپ لیتے ہیں جو طاہری آنکھ سے نظر نہیں آتے۔ مثلاً فلاں شخص سے نفع کی توقع ہے یا نقصان کی؟ حدس اور فراست کا تعلق بھی چھٹی حس سے ہے۔ حدس کے ذریعے ہم کسی انسان کے اخلاق و کردار اور سرشت و مزاج کا اندازہ لگا لیتے ہیں، یا بعض واقعات کے بارے میں قبل از وقت ایسی پیش گوئیاں کر دیتے ہیں جو آگے چل کر ہو بہو صحیح ثابت ہوتی ہیں۔ فراست کا ملکہ یا خوبی عقل تجربہ کاری کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے۔ عقل ہر کام کے لئے دلیل مہیا کرتی اور پھر اس دلیل سے کسی نتیجے تک پہنچنے کی کوشش کرتی ہے، جب عقل متواتر دلیل اور نتیجے کی اس منطق کو استعمال کرتی رہتی ہے۔ تو رفتہ رفتہ فراست کا ملکہ بیدار ہو جاتا ہے۔ یعنی انسان بغیر دلیل کے صحیح نتیجے تک پہنچ جاتا ہے۔ فراست کا اعلیٰ درجہ وجدان ہے۔ جدان ہے کیا؟ اس ”کیا“ کا جواب مستقل بحث کے بغیر نہیں دیا جاسکتا، تاہم اس موقع پر چند لفظ کبے بغیر چارہ نہیں۔

مرچو

اے مالکِ کُل میرے والدین پر

وجدان

اپالو نمبر ۱۵ کی گاڑی کے خلا باز میجر الفرائڈ ایم وارڈن نے جو تین روز تک تنہا چاند کے مدار پر گردش کرتے رہے۔ سفر ماہ کے تجربات بیان کرتے ہوئے کہا کہ خلا میں چاند کے مدار پر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم بے کراں خاموشی اور روانی کے سمندروں میں ڈوبے ہوئے ہیں:

خاموش زندگی جو ہر کر رہے ہیں ہم
گہرے سمندروں میں سفر کر رہے ہیں ہم

چاند پر بعض وقت ایسے عجیب و غریب اور استنہ حسین و جمیل مناظر دکھائی دیتے ہیں کہ ان کے حسن و جمال اور اثر آفرینی کو بیان کرنے کا بوجھ دماغ کی کوئی زبان نہیں اٹھا سکتی۔ ایک موقع پر مجھے ایسا محسوس ہوا کہ تاریک و وسیع اسٹیج پر کوئی شخص کھڑا ہے اس کے بعد روشنیوں کے کوندے لپکتے نظر آئے۔ جب میں خلا میں چہل قدمی کر رہا تھا تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ ان گنت تجلیاں اور بے شمار روشنیاں مجھ پر برس رہی ہیں۔

بھوم نور سے دھندلا گیا ہوں

اپالو نمبر ۱۵ کے دوسرے خلا باز، ڈیوڈ اسکاٹ نے کہا کہ چاند پر قدم رکھ کر مجھے یہ احساس ہوا کہ میں اس سے پہلے بھی یہاں آچکا ہوں۔ کرنل جیمز بی وارن نے جو کہ شریک سفر تھے اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کیا جب تک میں چاند پر رہا یہ محسوس ہوتا رہا کہ:

میرے اندر وجدان کی قوت پیدا ہو گئی ہے

جیسے کوئی میرے ساتھ ہے۔ میری گمرانی کر رہا ہے، پیچھے پیچھے آ رہا ہے۔
میرے ساتھ چل رہا ہے۔

کس نے پیچھے سے قہقہہ مارا

یہ اندھیرے میں کون ہے مرے ساتھ

اپالونمبر ۱۵ کے غلابازوں نے اگرچہ اپنے تاثرات شاعرانہ لفظوں میں بیات
کئے ہیں۔ مگر ان کی شاعرانہ پیش خیالی نہیں، حقیقی ہے۔ غلابازوں کی وارن کا یہ فقرہ نہایت
خیال انگیز ہے کہ:

”جب تک میں چاند پر رہا، یہ محسوس ہوتا رہا کہ میرے اندر وجدان کی قوت
پیدا ہوگئی ہے۔“

وجدان کی قوت عظیم الشان قوت ہے۔ ہمارے اندر بہت سی قوتیں ہیں۔ سوچنے کی قوت، انتخاب کرنے کی قوت، فیصلہ کرنے کی قوت۔ یہ ساری قوتیں شعور کے
تحت ہیں۔ یہ شعور ہی تو ہے جس کے بل بوتے پر ہم کسی چیز کے بارے میں سوچتے
ہیں۔ کسی معاملے کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ چیزوں میں سے ایک چیز کا انتخاب
کرتے ہیں۔ مثلاً مجھے یہ کام کرنا چاہئے یا نہ کرنا چاہئے اور جب سوچ بچھ کے بعد کسی
کام کا انتخاب کر لیتے ہیں تو فیصلہ کر گزرتے ہیں۔ یہ سارے کام جان بوجھ کر دیکھ بھال
کر اور سوچ بچھ کر کئے جاتے ہیں۔ لیکن بعض اوقات ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے اندر
سے خود بخود ایک خیال ابھرتا ہے اور ہم اس خیال کی درستی اور نادرستی کا عقلی فیصلہ کئے
بغیر اس خیال کو عملی جامہ پہنا دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک انجینیئر شخص ہمیں ملتا ہے
اور ہم ایک سی نظر میں اسے پسند کر کے اپنا رازدار بنا لیتے ہیں، یا ایک معالج کسی مریض
کو دیکھ کر بغیر کسی ظاہری وجہ کے چند دواؤں میں سے ایک دوا جن لیتا ہے اور دوا مریض
کے حق میں اسیر ثابت ہوتی ہے، یا ہمارے ذہن میں یکا یک یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ
فلاں قدم اٹھانا چاہیے، بظاہر وہ قدم خطرناک ہوتا ہے۔ مگر نتیجے میں کامیابی ہوتی ہے۔

زیادہ وضاحت سے کہا جائے تو یوں کہا جائے گا کہ عمل کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ وہ فیصلہ
اور عمل جو شعور کی روشنی میں تمام اونچ نیچ دیکھ کر کیا جائے اور وہ عمل اور فیصلے جو کسی
اندرونی قوت سے اور لاشعوری دباؤ کی بناء پر یکا یک کئے جائیں۔ ان دوسرے اقدامات کو
وجدانی عمل اور وجدانی فیصلے کہا جائے گا۔ وجدان کی قوت وہ خواہش و ارادہ و تقاضا وہ عمل
اور وہ فیصلہ ہے، جو شعور کی گرفت سے آزاد ہوتا، خود رو جسے کی طرح نفس کے اندر سے
پھوٹ نکلتا اور اپنے بہاؤ کا راستہ خود بنا لیتا ہے۔ وجدانی قوت کسی کی رہنمائی کی محتاج
نہیں وہ آپ اپنی منزل اور آپ اپنی رہنماء ہوتی ہے۔ یوں تو وجدان کا ملکہ جینونی سے
لے کر آدمی تک کا فرما ہوتا ہے لیکن اس کا اظہار کسی ظاہری وجہ (خارجی تحریک) کا محتاج
نہیں ہوتا۔ طوفان آنے سے کئی دن پہلے جیونیاں محفوظ مقامات پر چلی جاتی ہیں۔ ان
کی یہ نقل مکانی وجدانی عمل کی حیثیت رکھتی ہے، آپ کہہ سکتے ہیں کہ طوفان سے قبل
جیونیاں ہوا سے طوفان کی خوشبو سگھ لیتی ہوں گی۔ اس لئے اپنے بل اور سوراخ چھوڑ
کر محفوظ پناہ گاہوں میں چلی جاتی ہیں۔ میں اس کی تائید کروں گا۔ ہر واقعے کے پیش
آنے سے پہلے (ایک دن پہلے یا ایک سال) فضا میں جھینا نازک، باریک اور غفی
تبدیلیاں پیدا ہونے لگتی ہیں اور ہمارا نفس کہ انسانی وجود کا حساس ترین آلہ ہے۔ ان
تبدیلیوں کو ریکارڈ (مرسم) کرتا ہے۔ اسی لاشعوری ریکارڈ سے ”وجدان“ جنم لیتا ہے۔
فرض کیجئے کہ ایک دن یکا یک آپ کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوا کہ کراچی میں مجھے کوئی
کامیابی نصیب نہ ہو سکے گی، بہتر ہے کہ لاہور چلا جاؤں، لاہور میں میرے لئے ترقی
کے امکانات موجود ہیں۔ یہ خیال رفتہ رفتہ آپ کے ذہن پر چھا گیا اور تمام لوگوں کے
روکنے اور رکاوٹیں ڈالنے کے باوجود۔ آپ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر کراچی سے لاہور چلے
گئے اور وہاں آپ کو کامیابی نصیب ہوگئی۔ تو ہم اس سارے عمل کو وجدانی عمل اور کراچی
چھوڑ دینے کے فیصلے کو وجدانی فیصلہ کہیں گے اور اس کی تشریح اس طرح کریں گے کہ
آپ کے لاشعور (نفس) نے وجدانی طور پر یعنی خود بخود یہ محسوس کر لیا کہ کراچی کا ماحول

آپ کے لئے ناسازگار ہوتا چلا جا رہا ہے۔ لاشعور کا یہ مخفی احساس کہ فضا کے کراچی سازگار نہ آئے گی۔ روز بروز قوی سے قوی ہوتا چلا گیا۔ آپ کا شعور ابھی تک ان اندرونی تحریکوں اور تقاضوں سے بے خبر ہے تا آنکہ ایک روز وجدانی طور پر بغیر کسی ظاہری سبب کے یہ فیصلہ کر لیا گیا کہ مجھے کراچی چھوڑ کر لاہور چلا جانا چاہیے۔ بظاہر یہ فیصلہ عقل کے خلاف تھا۔ نئے جمائے کاروبار کو چھوڑ کر دوسرے مقام پر از سر نو کاروبار شروع کر دینا خطرناک کھیل ہے لیکن وجدان کی نگاہ مستقبل شناس ہے اور عقل فقط "آج" پر نظر رکھتی ہے۔

شرح و تفصیل سے بے گانہ گزر جا اید دست

عقل بروقتی ہے مگر دل کا زیاں ہوتا ہے

بے شک وجدان کا تعلق گیارہویں حس (جسے چھٹی حس بھی کہتے ہیں) سے ہے یہ گیارہویں حس بھی اسی طرح فطرت کا عطیہ ہے جس طرح دوسرے باطنی و ظاہری حواس خمسہ شاید ہی دنیا میں کوئی شخص ایسا ہو جسے اپنی زندگی میں کسی نہ کسی مرحلے پر چھٹی یا گیارہویں حس یا وجدان کی تحریک انگیز کرشمہ آمارتوں کا تجربہ نہ ہوا ہو۔ یہ اور بات ہے ہم اس بات یا واقعے کو بھول چکے ہوں، یا اسے حسن اتفاق (بائی چانس) کہہ کر آگے بڑھ گئے ہوں حالانکہ دنیا میں کوئی واقعہ کبھی اتفاقاً پیش نہیں آیا کرتا کائنات پر قانون کی حکمرانی ہے اور ممکن ہی نہیں کہ کوئی اس قانون کو توڑ سکے۔ وجدان کے بھی کچھ قوانین ہیں۔ اگر ہم ان قوانین کو جان لیں تو زندگی کی بہت سی ابھی ہوئی گتھیوں کو سلجھا سکتے ہیں۔ جیمز، بی وارن کو چاند کی سطح پر قدم رکھ کر یکا یک محسوس ہوا کہ اس کے اندر وجدانی قوتیں بیدار ہو رہی ہیں۔ اب ہم لوگ تو چاند پر جانے سے رہے، ہم اسی زمین پر رہتے ہوئے نہایت آسانی کے ساتھ اپنے ذہن کی وجدانی صلاحیتوں کو چگا سکتے ہیں۔ چاند کا طلوع و غروب اور اس کی چاندنی (شب مہتاب) ہمیشہ سے وجدان کا سرچشمہ رہی ہے۔ چاند شاعروں کا محبوب، عاشقوں کا مطلوب، فن کاروں کے تخیل کا مرکز ہے اور

چاند کی فرحت بخش، خیال انگیز اور مسکور کن چاندنی نہ صرف سمندروں میں اتار چڑھاؤ کی کیفیت پیدا کر دیتی ہے بلکہ اس منظر سے روح انسانی میں ایسا تلاطم برپا ہو جاتا ہے کہ زبان اس کے بیان سے قاصر ہے۔ چاند اور چکور میں وہی تعلق خاطر فرض کیا گیا ہے جو گل و بلبل اور شمع و پروانہ کے درمیان ہے۔ چاندنی راتوں میں چکور ناچتا ہے، پتھر پھراتا ہے۔ چاند کی سمت پرواز کرتا ہے۔ بولتا ہے اور بولتے بولتے، بولتے بولتے مدہوش ہو جاتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ چاند کے اثر سے چکور پر بھی وجدانی حالت طاری ہو جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ چاندنی میں کائنات محرزہ نظر آتی ہے۔ میں! اس سحر میں خود گرفتار ہوں۔

صبح جاگا تو یاد بھی نہ رہا

رات تھی چاندنی کہ چاندنی رات

الہام والقا

میں نے عرض کیا تھا کہ وجدانی قوتوں کی بیداری کے بعد کچھ قوانین ہیں، جو لوگ ان قوانین پر عمل کرتے ہیں وہ مملی زندگی میں غیر معمولی کامیابیاں حاصل کر سکتے ہیں۔ یاس، القاس، جس دم سانس کی مشقتیں، ارتکاز توجہ (یعنی ذہن کو یکسو کر کے) توجہ کی پوری قوت کسی ایک نقطے یا مرکز پر گاڑ دینا، یا پلکیں جھپکائے بغیر کسی ایک نقطہ نظر کو دیکھتے رہنا) مراقبہ (تصور کو صرف ایک خیال پر مرکوز کر دینا) روزہ، ترک حیوانات یعنی انڈا اچھلی گوشت تیل ترشی اور بادی اشیاء کا استعمال ترک کر دینا، کم بولنا، کم سونا، تربیت توجہ اور تہذیب نفس حسین چہروں کا دیدار، روح پرور نغمے، مصوری کے بہترین شاہکاروں کا مطالعہ، رقص، خطابت اور خطاطی سے لذت اندوزی۔ غرض وہ تمام مناظر جمال جو براہ راست روح پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ان سے نفس میں رفتہ رفتہ وجدان کی قوت بیدار ہونے لگتی ہے۔ اسی کے ساتھ مظاہر فطرت میں غور و فکر (مثلاً سورج کیوں روشن ہے، چاند کس درجہ دل فریب ہے، صبح کتنی روح پرور ہے اور شام کس درجہ سحرناک ہے)

مناظر قدرت کی عارفانہ سیر، طلوع آفتاب، غروب ماہ، قوس قزح کا نظارہ، آسمانوں پر بادلوں کی آوارہ خرابی، نسیم صبح کے کیف پر درجہ جمبو کے دل کے داغ جو دینے والی بارشیں، عظیم الشان پہاڑ، بے کراں سمندر، گھنے جنگل اور ویران ریگ زار، اندھیری راتوں میں ستاروں کی جگمگاہٹ، سورج گرہن، چاند گہن، الغرض اس قسم کے تمام مظاہر و مناظر، شعور سے گزر کر رکرا شعور میں در آتے ہیں۔ وجدان کی قوت کو جگا دیتے ہیں۔ عشق، وصال، فراق اور غم کی کیفیت میں بھی بعض اوقات ذہن میں وجدان کے قہقہے جگمگانے لگتے ہیں۔ وجدان کا اعلیٰ ترین درجہ ”وجی“ جو صرف انبیاء کے لئے مخصوص ہے۔ اگرچہ قرآن مجید میں شہد کی مکھی اور چوٹی کو وجی کی فضیلت سے سرفرازی بخشی گئی ہے، وجی کے بعد الہام کا نمبر ہے۔ یہ استعداد بھی ہر شخص کے اندر موجود ہے۔ الہام کے بعد ”القا“ کا درجہ ہے، ”القا“ کہتے ہیں دل میں خود بخود کوئی بات آجانا (مثلاً فلاں بات اس طرح ہے۔ اس طرح نہیں ہے) یا دماغ میں خود بخود کوئی خیال پیدا ہو جانا۔ یعنی یہ کام اس طرح کرنا چاہیے۔ الہام اور القا، وجدان ہی کی کوئی ترقی یافتہ صورتیں ہیں۔ یہ نکتہ بھی پیش نظر رہے کہ ہر شخص کی ذہنی سطح اور دماغی استعداد کے لحاظ سے ”وجدان“ کی قوت بروئے کار آتی ہے۔ سانس وال سانس والی وجدان سے مسلح ہوتا ہے۔ (آپ کی اس کتاب اور ایلمین اس کی زندہ مثالیں ہیں۔) شاعر میں شاعرانہ وجدان کا فرما ہوتا ہے طیب کی حکمت بھی صرف وجدان کا نتیجہ ہوتی ہے، تاجر تجارتی وجدان کا پتلا ہوتا ہے۔ مختصر یہ کہ دنیا میں ایک فرد بھی ایسا نہیں، جسے اس قدر قوی دولت سے محروم رکھا گیا ہو۔

علاج بذریعہ وجدان

عجیب تر بات یہ ہے کہ وجدان ہماری ذہنی اور جسمانی بیماریوں کا علاج بھی کر سکتا ہے۔ اس قسم کے متعدد واقعے میرے پیش نظر ہیں کسی مایوس الطلاج مریض کو یا ایک وجدان ہوا کہ فلاں غذا یا دوا کے استعمال سے میری بیماری دور ہو جائے گی۔ چنانچہ اس نے معالج کی تجویز و تجویز کو ٹھکرا کر وہ غذا یا دوا استعمال کی اور حیرت انگیز طور

پر صحت یاب ہو گیا۔ مثلاً ابھی چند روز ہوئے ایک دوست کی گردن کے نیچے بائیں ہاتھ پر سوجن پیدا ہو گئی۔ انہوں نے متعدد گولیاں استعمال کیں، کوئی فائدہ نہ ہوا۔ رات میں تکلیف کے سبب نیند بھی نہ آئی۔ اس وقت مریض کا بیان ہے، میں نے سوچا کاش مجھے وجدانی طور پر اس درد کا علاج معلوم ہو جائے۔ کرشمے بدلتے بدلتے آنکھ لگ گئی تو ایسا محسوس ہوا کہ جیسے کوئی کہہ رہا ہے کہ سوجن کی جگہ دودھ لگاؤ گے تو ٹھیک ہو جاؤ گے۔ تقریباً گیارہ بجے شب آنکھ کھل گئی حالانکہ مجھے عام طور پر خواب یاد نہیں رہتے، لیکن یہ خواب یاد تھا۔ خواب کی ہدایت کے مطابق گردن کے سوجھے ہوئے پٹوں پر دودھ لگایا۔ تقریباً آدھے گھنٹے کے اندر اندر درد کی شدت میں کمی آ گئی۔ پھر دودھ لگایا تو نیند آ گئی۔ دوسرے روز جاگا تو درد میں اسی فیصد کمی تھی، دوسرے روز درد بالکل جاتا رہا۔ اس مریض کو عالم خواب میں دودھ لگانے کا حکم کس نے دیا؟ کسی فرشتے نے؟ کسی جن نے؟ نہیں۔ اس کے اپنے وجدان نے! میں اور آپ بھی اپنے وجدان سے بخوبی کام لے سکتے ہیں۔ شرط صرف یہی ہے کہ اس کے استعمال کا طریقہ جانتے ہوں۔

مکاشفہ

جس طرح ہر جدید اور استاد شاعر کا انداز بیان اور تخیل دوسرے الگ یعنی اس کا ایک خاص رنگ ہوتا ہے۔ یا جس طرح ہر تصویر پر مصور کی شخصیت کی چھاپ ہوتی ہے۔ یا ہر اعلیٰ موسیقار کی موسیقی میں اس کے اپنے وجود کا نغمہ گونجتا سنائی دیتا ہے۔ اسی طرح ہر شخص کے خواب اس کے خیالات، اس کے داہے مکاشفے الگ الگ ہوتے ہیں۔ مکاشفہ کہتے ہیں ”کھل جانے کو“ بھی یعنی دل و دماغ اور حواس خمسہ کے بند درپوں کا کھل جانا! جب کسی شخص پر مٹائے کی حالت طاری ہوتی ہے تو وہ زمان اور مکان کی قید سے آزاد ہو کر چند لمحے کے لئے لازمانی اور لامکانی بن جاتا ہے! اس قسم کے مسئلے کہ مکاشفہ کیا ہے۔ وجدان کسے کہتے ہیں۔ القا (خود بخود ذہن پر کوئی خیال نازل ہو جانا) کی نوعیت کیا ہوتی ہے؟ خالی خولی بحثوں سے سمجھ میں

نہیں آ سکتے انہیں صرف مثال و تشبیہ کے ذریعے سمجھا جاسکتا ہے۔

حبیب احمد خان نے خط (۴/ جولائی ۱۹۷۰ء) میں اعتراف کیا ہے کہ:

میرے اندر کشف القلوب Thoughts Reading کی صلاحیت بیدار ہو

رہی ہے۔

کشف القلوب کی صلاحیت یہ کہ آپ دوسرے کے خیالات سے اس کے بیان و اظہار کے بغیر واقف ہو جائیں۔ غالب میں بھی کشف القلوب کی صلاحیت موجود تھی۔ مگر صرف اس حد تک کہ:

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا

میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

غالب کسی کی تقریر سن کر یہ محسوس کرتے تھے کہ گویا یہ سب کچھ پہلے سے

میرے دل میں موجود ہے۔ صاحب کشف کا کمال یہ ہے کہ وہ تقریر نے بغیر جان جانا

ہے کہ آپ کیا کہنے والے ہیں، کیا کہنا چاہتے ہیں۔

اب کشف القلوب کے سلسلے میں آصف گل کی قیاد روڈ کوئٹہ (مکتوب ۱۱/ مئی

۱۹۷۰ء) کی رپورٹ ملاحظہ ہو:

S.C.T کے اثر سے میرا ذہن پیش گوئیاں کرنے لگا ہے۔ مثلاً اگر میں کسی

فحش سے بات کر رہا ہوں تو وہ فحش جواب میں جو کچھ کہنے والا ہوتا ہے۔ اسے میرا

ذہن قبل از وقت پکڑ لیتا ہے۔ یعنی اس کے مخفی خیالات سے واقف ہو جاتا ہے اور جب وہ

گفتگو شروع کرتا ہے تو میرے کشف کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ اس طرح اکثر ایسا ہوتا

ہے کہ میں کسی کے دل میں چھپے ہوئے خیالات پڑھنے کے بعد اس سے کہتا ہوں کہ اب

تم اظہار خیال کرو۔ لکھ دو یا منہ سے بتا دو، پھر وہ جو کچھ بتاتا ہے اس سے میرے مکاشفہ

قلب کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ یہ بھی ہوا کہ میں نے کسی انجان اور ان دیکھے فحش کا نام

سنا (یہ نام دماغ میں محفوظ ہو گیا) اب جب وہ فحش سنانے آئے گا دماغ پکاراٹھے گا کہ

اس فحش کا نام یہ ہے تحقیق کرنے پر پتہ چلے گا کہ میں نے اس انجان ان دیکھے فحش کا نام صحیح بتایا تھا۔

لیکن جس شاعر کے ذہن پر آہ و آورد اور صوفی کے نفس پر قبض و بسط (کھانا بند ہونا) کی کیفیتیں یکے بعد دیگرے طاری ہوتی رہتی ہیں۔ یہی حال صاحب کشف کا ہے، آصف گل ہی لکھتے ہیں کہ:

پریشان کن بات یہ ہے کہ کبھی کبھار ذہن ہر قسم کے خیالات کو (بصورت کشف) قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ اس وقت ایسا لگتا ہے، جیسے کسی نے میری

تمام صلاحیتیں سلب کر لی ہیں، خود اعتمادی جھین لی ہے۔ بندش ذہن کی یہ کیفیت چند گھنٹے

سے لے کر دو دو تین دن تک رہتی ہے۔ اس حالت کی بے بسی اللہ اللہ!

ح. الف (منگلا ڈیم) لکھتے ہیں کہ:

پچھلے ڈیڑھ مہینے سے ایسا ہو رہا ہے کہ جب بھی کوئی مخاطب ہوتا ہے تو مخاطب

سے قبل اس کا مافی الضمیر (دل میں کیا ہے) ذہن میں آ جاتا ہے پھر جب مخاطب وہی

بات کہتا ہے جسے میں سن چکا تھا تو سخت حیرانی ہوتی ہے۔ ایک بات اور راستہ چلتے

ہوئے خیال آتا ہے کہ فلاں فحش شاید فلاں جگہ ہوگا جب اس جگہ پہنچتا ہوں تو اس فحش

سے ملاقات ہو جاتی ہے۔

انسانی روح اتنی چوکی اور حساس ہے کہ عام حالات میں اس کا تصور بھی ممکن

نہیں۔ ہر واقعے کے ظہور سے قبل، خواہ وہ واقعہ آنے والی بارش ہو یا آنے والی دہاء،

سورج گرہن ہو یا کسی کی موت کا حادثہ، زمان و مکان میں بڑی نازک و باریک تبدیلیاں

واقع ہونے لگتی ہیں۔ حواس غصہ اپنے محدود وسیلوں کی بناء پر ان کیفیتوں کے قبل از وقت

ادراک سے قاصر رہتے ہیں۔ البتہ روح ان پر چھائیوں کو دیکھ لیتی ہے جو حوادث کے

آگے آگے چلتی ہیں۔

۱۔ کشف القلوب کے سلسلے میں خالدہ رفعت کے بابا آپ کی نعرے گزر چکے ہیں۔

راجہ محمد لطیف خان (دیر کوٹ، پونچھ - آزاد کشمیر) کا تجربہ سنئے:

میرا ایک چھوٹا بھائی تھا۔ بائیس سال کی عمر، کڑیل جوان، فوج میں ملازم۔ یکم جون کو جنرل پر کام کرتے ہوئے آگ کے شعلوں کی لپیٹ میں آ گیا۔ اور ۳ جون کو داغ مفارقت دے گیا۔ اس کی رحلت سے ایک مہینے قبل ہی یہ حالت ہو گئی کہ جب سڑک سے کوئی بس گزرتی۔ یہ وہم ستانے لگتا کہ محمد شریف کی لاش تو نہیں آ رہی؟ میں اس خیال کو دل سے دھکیلنے کی ممکن کوشش کرتا لیکن جتنی کوشش کرتا وہ منحوس خیال اور ذہن پر مسلط ہو جاتا۔ آخر قضا نے اپنا کام کیا اور ۱۳ جون کو جوان مرگ محمد شریف کی لاش ایک فوجی گاڑی پر رکھی ہوئی گھر آئی۔ راجہ محمد لطیف خان صاحب نے جس حالت کا ذکر کیا ہے۔ آہ..... میں اس سے واقف ہوں۔

دل کئی روز سے دھڑکتا ہے

ہے کسی جلاوٹ کی تیاری

مرچو

حرف مالک کل میرے والدین پر رحم

ممتاز شاعر شریف منور (۳/ جنوری ۱۹۶۹ء) کو لکھتے ہیں کہ:

اکثر و بیشتر نیاز مند کی شعوری یا لاشعوری رائے (آپ پیش گوئی بھی کہہ سکتے ہیں) حرف بحرف پوری ہوتی ہے۔ لوگوں کی باتوں، چال و حال، شکل و صورت، تحریر و تقریر سے ان کے حالات، کردار، سماجی پس منظر وغیرہ ہی نہیں بلکہ مستقبل کے بارے میں بھی اکثر صحیح اندازہ ہو جاتا ہے۔ کبھی کبھی ان واقعات کا جو برسوں بعد پیش آئیں گے، زبان سے بے ساختہ اظہار ہو جاتا ہے۔ راہ چلنے اگر کبھی خیال آتا ہے کہ فلاں شخص کو ملنا چاہئے یا فلاں واقعہ پیش آنا چاہئے تو وہ شخص لازماً وہیں ملتا ہے۔ وہ واقعہ حتماً اسی طرح ظہور پذیر ہوگا ہے حالانکہ بظاہر مقررہ وقت و مقام پر فلاں شخص کا ملنا یا فلاں واقعہ ہونا ممکن نہ تھا اسی طرح اگر کسی سے ملنے کا وقت یا جگہ مقرر ہوتی ہے تو پہلے ذہن میں یہ

اے اس کا تعلق وہ جان و کشف سے نہیں محض حس و ذراست سے ہے۔

بات کھٹکتے لگتی ہے کہ یہ شخص نہیں ملے گا۔ دیسا ہی ہوتا ہے، یہ چیز شاید دلچسپی کا سبب ہوگی کہ کراچی آنے سے پہلے نیاز مند کی دیرینہ خواہش تھی کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ اس کے لئے میں نے جدوجہد بھی کی تھی۔ تاہم حیدر آباد سندھ ہی میں یہ اندیشہ تقویت پا رہا تھا کہ آپ سے ملاقات نہ ہو سکے گی۔ چنانچہ کراچی آخر سخت کوشش کے باوجود نہ مل سکا۔ یہ بھی ہوا کہ کسی خاص وقت موجود یا غیر موجود لوگ کچھ سوچ رہے ہیں اور نیاز مند کا ذہن خود بخود اس سوچ سے واقف ہوتا چلا جاتا ہے۔ کشف کی صلاحیت کو بھرپور طور سے استعمال کرنے کے لئے جس ذکاوت حس Sen,sitive, news اور شاعرانہ لطافت تخیل کی ضرورت ہے۔ وہ بھگتہ شریف منور میں بخوبی موجود ہے۔ منفرد اور صاحب طرز شاعر ہیں آخر!

کشف کی صلاحیت کا تعلق قلب کی بیداری سے ہے، دل کی دنیا بھی عجیب دنیا ہے۔ عبدالحق ناگی (مسجد روڈ کونٹ) کا بیان سنئے:

دل کی آواز سننے کے متعلق آپ کا کالم پڑھ کر بے حد متاثر ہوا، اور پہلے دن جب میں نے آپ کے بیان کردہ طریقے کے مطابق دل کی آواز سننے کی کوشش کی تو مجھے دل سے باریک نوائی سسکیوں کی آواز صاف سنائی دی، میرے اندازے کے مطابق یہ آواز ”ش“ کی تھی۔ مگر میں اس کا مطلب سمجھنے سے قاصر رہا۔ میں نے دل سے استعارہ کیا تھا کہ میری شادی ”ش“ (جسے میں بری طرح چاہتا ہوں) سے ہو سکے گی۔ اس کے جواب میں سسکیاں سنائی دیں۔ خیال ہے کہ یہ آواز ”ش“ کے رونے کی ہوگی۔

میری آنکھیں تو محبت میں کبھی تر نہ ہوئیں

کون روتا ہے الٹی مرے دل میں چھپ کر

دوسری رات میں نے پھر دل کی آواز سننے کی کوشش کی۔ اس دفعہ یہ جاننا چاہا تھا کہ بی اے کے بعد میرے لئے کون سا میدان کارمزدوں رہے گا۔ اس سوال کے

لے سانس بھی آہستہ

120

جواب میں بڑی صاف اور پیاری آواز سنائی دی۔ جیسے کوئی دھیمے دھیمے لہجے میں باتیں کر رہا ہو، لیکن اتنے صاف شستہ لہجے کے باوجود میں کچھ نہ سمجھ سکا۔ امید ہے اس سلسلے میں میری رہنمائی کی جائے گی۔

حیران کن پیش گوئی

اقبال صاحب (۱۱۳۰ھ، پیر الہی بخش کالونی، کراچی) کشف مستقبل کا ذکر کرتے

ہوئے لکھا ہے:

تقریباً ۲۵ سال سے یہ کیفیت ہے کہ خواب و بیداری دونوں حالتوں میں پیش آنے والے واقعات کا علم ہو جاتا ہے۔ مثلاً پاکستان بننے وقت جو کشت و خون ہوا تھا۔ اس کی پیش گوئی میں نے چھ مہینے پہلے کر دی تھی اور سب عزیز و احباب کو بتلا دیا تھا۔ جہاں جہاں میں نے عالم تصور میں آتش زدگی کے حادثے اور خونریزی کے مناظر دیکھے تھے، بعد میں انہی مقامات پر آگ لگی اور وہیں خون بہا۔ جو لڑائی لیاقت آباد میں ہوئی تھی اور سبھراٹے پر جو آگ لگی تھی۔ میں نے دو مہینے قبل ان تمام حادثوں کو قوتاً بتلا دیا تھا۔ ہوتے دیکھ لیا تھا۔ یہاں تک کہ عالم بیداری میں ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ کے مناظر ”وژن“ میں دیکھے اور لطف یہ ہے کہ آپ کے وہ جنگی ترانے بھی قبل از وقت سنے جو جہاد ستمبر کے زمانے میں ریڈیو پاکستان سے نشر ہوتے تھے۔ اس وقت کسی کو جنگ کا اندیشہ بھی نہ تھا۔ مختصر یہ کہ میں نے جون ۱۹۶۵ء میں ستمبر کی لڑائی لڑے جاتے دیکھ لی تھی، اور سب کو بتلا بھی دیا تھا۔ جہاد ستمبر کی طرح مجھے جنگ یہود و اسرائیل (جون ۱۹۶۷ء) بھی قبل از وقت نظر آگئی تھی اور میں نے ان ”مکشوقات“ کو ڈائری میں لکھ لیا تھا۔ ایک دن میں نیکی میں صدر جا رہا تھا کہ یکایک میں نے ”وژن“ (تصور) میں دیکھا کہ سابق صدر ایوب سانسے کھڑے ہیں اور ان کے جسم پر لڑہ طاری ہے اور کسی مہلک بیماری میں مبتلا ہیں۔ میں نے نیکی میں بیٹھے ہوئے تمام افراد کو اپنے کشف سے مطلع کر دیا بعد میں خبریں آنے لگیں کہ صدر ایوب علیل ہیں۔ لالو کھیت میں سید علی کوثر کے مکان کو آگ

لے سانس بھی آہستہ

121

لگائی تھی، یہ واقعہ میں پہلے ہی دیکھ چکا تھا۔ اقبال صاحب میں واقعی کشف مستقبل (پیش آنے والے حالات قبل از وقت دیکھ لینے اور جھانک لینے) کی غیر معمولی استعداد پائی جاتی ہے۔ اس موقع پر البتہ ایک چیز قابل غور ہے۔ یوں تو کائنات (زمان و مکان) کے اسٹیج پر رونما ہونے والے ہر ڈرامے کی (ریہرسل) ہر وقت جاری رہتی ہے۔ لیکن صاحب کشف لوگوں کو اس کائنات کے ڈرامے کے صرف وہ مناظر خواب یا بیداری میں نظر آتے ہیں۔ جن کا تعلق ان کی ذات اور اپنے جذباتی میلانات سے ہوتا ہے۔ مثلاً اقبال صاحب کی نگاہ کشف نے صرف وہ واقعات قبل از وقت رونما ہوتے دیکھے جن میں وہ خود مبتلا ہوئے، مثلاً تقسیم برکوچک کے فسادات اور ۱۹۴۷ء کا قتل عام یا لیاقت آباد کا فساد عظیم یا جہاد ستمبر ۱۹۶۵ء کے مناظر سابق صدر کی ناگہانی علالت بھی قومی سطح پر اثر انداز ہوئی تھی۔ اس لئے وہ واقعہ بھی چند روز پہلے ان کی نظر سے گزر گیا۔

اخلاق احمد ۷۱/۳۷۷ بلاک ڈی نارنگھ ناظم آباد کراچی۔ ۳۳ کے بیان سے بھی اس مفروضے کے نفس انسانی مستقبل کے صرف اسی پہلو کو دیکھتا ہے جس کے ساتھ اسے دلچسپی ہوتی ہے، مکمل تصدیق ہوتی ہے۔ یہ صاحب رقم طراز ہیں: (۱) سابق صدر ایوب کے سبکدوش ہونے سے ایک مہینے قبل میرے دل میں خود بخود خیال آیا کہ موجودہ حکومت عنقریب بدل جائے گی اور ملک میں مارشل لا لگ جائے گا۔ میں نے یہ بات تاریخ ڈال کر ڈائری میں نوٹ کر لی۔ ۲۵ روز کے بعد میرے اس خیال کی تصدیق ہوگئی۔ (۲) ۲۵ جون کو میں نے ایک دوست کو بتلایا تھا کہ عنقریب ہندوستان و پاکستان کے کسی ممتاز شاعر کا انتقال ہو جائے گا۔ چند روز بعد حیدر آباد دکن سے محمد مجی الدین کی وفات کی خبر آگئی۔ (۳) مسجد اقصیٰ میں آگ لگنے سے پہلے میں نے ایک دوست کو بتلایا کہ کسی عظیم الشان سانحے کی بناء پر تمام اسلامی ممالک متحد ہونے پر مجبور ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور رباط (مراکش) میں ممالک اسلامیہ کی عظیم الشان کانفرنس منعقد ہوئی۔ اخلاق احمد نے اعتراف کیا ہے کہ:

مستقبل بنی کے متعلق میں خود غور و فکر نہیں کرتا، بلکہ دل کی یہ آواز قطعاً غیر اختیاری ہوتی ہے۔ بلاشبہ جناب اخلاق احمد کا یہ بیان سو فیصدی صحیح ہے۔

تو پندار کہ اس قصہ ز خودی گوئم
گوش نزدیک لم آر کہ آوازے ہست

ماضی کی طرف

کشف کے ذریعے وقت کے درپے کھول کر ہم صرف مستقبل ہی کی جھلک نہیں دیکھ سکتے بلکہ نفس انسانی میں یہ قوت بھی موجود ہے کہ وہ زمانے کی نگین دیوار میں سوراخ کر کے ماضی کو اس کی لامحدود وسعتوں کی حد تک دیکھ سکے، یعنی کشف کی استعداد، دیروز، امروز اور فردا۔ یعنی ماضی، حال اور مستقبل سب کی حدود سے بلند ہے۔

زاہد علی صاحب (ایف/۹/۱۳ یونیشا لائن، کراچی۔ ۳) اپنے مکتوب ۱۵ اکتوبر ۱۹۶۹ء میں لکھتے ہیں کہ:

اگر محسوس کرتا ہوں کہ میں ہزاروں سال پہلے بھی دنیا میں موجود تھا۔ مگر جو داؤد اور ہڑپہ کی پرانی تہذیبوں کو میں نے جیتے جاگتے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، میں نے محسوس کیا ہے کہ میں ان شہروں میں رہ چکا ہوں۔ میں نے سندھ کی ہزاروں سال کی تہذیب کو کسی دوسرے جنم میں دیکھا ہے یہی نہیں، یہیں تک نہیں، میں اس وقت بھی دنیا میں موجود تھا جب یہاں کوئی نہ تھا، میں نے فضاؤں کی بلندیوں سے اس کرۂ ارض کا مشاہدہ کیا ہے۔ ایسا لگتا ہے میری روح فضا میں جذب تھی، میں نے بہت سے دور دیکھے ہیں۔ سمندروں کے کنارے اندھیرے عمارتوں میں بھی ہزاروں سال تک گھومتا رہا ہوں۔ سمندر کی طوفانی لہروں کو سر سے گزرتے دیکھا۔ رئیس صاحب۔ آپ یقین کچھنے کہ میں موت کی تازیکہ وادیوں سے گزر کر بارہا فضاؤں کی تحلیل کر چکا ہوں اور جب آپ دھل کی اس قید (جسم) سے رہائی پاؤں گا تو پھر پہلے کی طرح فضا میں ڈوب جاؤں گا۔ کسی لہذا؟ ایسا، کی طرح؟

میں زمان تھا زمان میں فرق ہوا
میں مکاں تھا مکاں میں ڈوب گیا

اب رب نواز (ایس وی نڈل اسکول تربت ضلع کرمان) کے بیانات سنئے:
پچھلے سال دسمبر میں تادلے کے بعد کرمان میں (بمقام) باجپہ) میں متعین ہوا۔ سردی کی چٹنیوں کے بعد اسکول کھلا تو سیر کا پروگرام بنا۔ میں اور میرا دوست رحیم بخش سیر کو نکلے، ہم جنوب کی طرف ایک باجپہ میں چلے گئے۔ تھوڑی دیر ادھر ادھر گھومنے کے بعد رحیم بخش تو امرود کے بیڑ پر چڑھ کر امرود کھانے لگا اور میں گھومتا پھرتا اس باغ کے مغربی شمال گوشے میں چلا آیا۔ سائے میں بیٹھ گیا۔ مٹا مجھے خیال آیا کہ یہ جگہ میری دیکھی ہوئی ہے۔ یہ کھجور، یہ درخت، یہ باڑھ اور نظر آنے والے مکان۔ سب بارہا دیکھ چکا ہوں اور حیرت بھی ہوئی کہ میں نے پہلی مرتبہ اس ضلع میں قدم رکھا ہے۔ پھر آخر یہ کیا دیکھ رہا ہوں کہ ہر چیز مانوس معلوم ہوتی ہے۔

میرے نظر آتی ہے نظر آئی ہوئی ہی
حضرت یہ کیا مجہو ہے؟ میں نے اس علاقے کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ایسا کیوں ہوا کہ باغ میں پہنچ کر مجھے پورا ماحول جانا پہچانا محسوس ہونے لگا۔ اس وقت سے اب تک حافظہ پر بارہا زور دے چکا ہوں کہ اس راز کے چرے سے پردہ اٹھ سکے، پردہ نہیں اٹھا۔ شاید اسی جگہ کو پہلے خواب میں دیکھا ہو، جی ہاں۔ یاد آتا ہے کہ میں نے یہ مناظر خواب میں دیکھے تھے اور پھر یہ بھی یاد آیا کہ ہاں! میں اس جگہ خواب میں آچکا ہوں اور یہاں آکر عالم تنہائی میں اپنا محبوب سگریٹ K-2 بھی سلگایا تھا گویا خواب کا ڈرامہ بیداری میں دوبارہ دہرایا گیا تھا۔ یہ عجیب غریب تعلق صرف اشیاء کے ساتھ ہی محسوس نہیں ہوتا، افراد کے ساتھ بھی پیش آتا ہے۔ آج ہی کا ایک واقعہ سنئے۔ اچانک ایک صاحب مل گئے، بے اختیار ان کی طرف طبیعت کھینچ گئی جیسے پرانے آشنا ہوں غور کیا تو سمجھ میں نہ آیا کہ یہ کب ملے تھے؟ اب سوچ رہا ہوں سوچے جا رہا ہوں کہ ان کا کب

لے سانس بھی آہستہ

124

اور کہاں دیدار ہوا تھا؟ مگر کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ آخر بے حیا ہو کر پوچھ بیٹھا کہ آپ فلاں زمانے میں کہاں ملے تھے؟ وہ حیران ہو کر کہنے لگے کہ میں اس وقت خلیج عرب کی فلاں ریاست میں تھا۔ کیا یہ ممکن ہے رئیس صاحب کہ میں بحالت خواب اس سے پہلے بھی بھی باغ پالکل اسی شکل میں دیکھ چکا ہوں؟ اگر ایسا ہی ہے تو پھر مجھے توقع رکھنی چاہئے کہ میں میکسیکو کے وہ باغات بھی کبھی آنکھوں سے دیکھ لوں گا۔ جنہیں کبھی خواب میں دیکھا تھا۔ ان باغوں کی بھیریں آج تک ذہن نشین ہیں۔ وہ رنگ برنگے پھول تادور گئے درخت، سرسبز شاداب کیاریاں اور جمیل و دل فریب پھولاریاں! اور ہاں میں نے یہ بھی دیکھا کہ شمال کی طرف ایک چھوٹی سی پہاڑی کے سامنے میرا چھوٹا سا خوب صورت مکان، ٹین کی چھت اور ٹین کی چھت پر سورج کی شعاعوں کی چکاچوند اور ہزار طرح کے رنگ۔ محترم کیا یہ سب ممکن ہے؟ کشف کے ذریعے بعض مشاہدے ایسے ہیں کہ عام زبان میں نہ ان کو سمجھایا جاسکتا ہے نہ سمجھا جاسکتا ہے۔

یہ وہ نازک حقیقت ہے کہ سمجھائی نہیں جاتی

شب قدر

چند سال ہوئے ۱۵ شعبان کو ریڈیو نشریات میں سنا کہ یہ رات، برکت والی رات ہے۔ شب قدر ہے، آج کی رات عبادت میں بسر کرنی چاہیے۔ چنانچہ صبح کی نماز سے ایک گھنٹہ پہلے جاگ گیا۔ روزے کی نیت سے تموزا سا کھانا کھالیا اور خیال کیا کہ نماز صبح قریب ہے اب سونا نہیں چاہئے چنانچہ میں الحمد شریف پڑھنے لگا کمرے کے دروازے بند تھے۔ میں کمرے کے اندر تھا۔ منہ شمال کی طرف، آنکھیں بند، منہ پر خلف تھا۔ رفتہ رفتہ حویٹ سی طاری ہونے لگی اور جنوب کی طرف کا تمام سماں نظر آنے لگا (حالانکہ منہ شمال کی جانب تھا)۔ درختوں کے پتے اس طرح دکھائی دینے لگے جیسے دن کا سماں ہو۔ یہ بھی دیکھا کہ جنوب کی طرف سے مٹی دل شمال کی طرف جا رہا ہے۔ اگرچہ کسی قدر غنودگی طاری تھی، تاہم ہوش و حواس برقرار تھے۔ مجھے حیرت ہوئی کہ دونوں

لے سانس بھی آہستہ

125

آنکھیں شمال کی طرف ہیں اور پشت کی طرف کا پورا نظارہ نظر آ رہا ہے آخر یہ کیا ماجرا ہے؟ خیال آیا کہ شاید سوتے میں سب کچھ دیکھ رہا ہوں، چنانچہ آنکھیں دبا کر دیکھا۔ تو پوری طرح جاگ رہا تھا چند لمحوں تک یہ نظارہ قائم رہا۔ یہ خان ملک (ڈاک خانہ چنترہ ضلع راولپنڈی) کے الفاظ ہیں۔ آگے چل کر اپنے خط مورخہ ۲۱ اکتوبر ۱۹۶۸ء لکھتے ہیں کہ:

بعض اوقات جاگتے ہوئے کشف کی حالت طاری ہو جاتی ہے اور مستقبل کی جھلکیاں دکھائی دینے لگتی ہیں۔ مثلاً ایک لڑکے کو پھانسی کا حکم ہوا، اس کے وارثوں کو یقین دلایا گیا تھا کہ سزایافتہ مجرم کی یوم انقلاب (۲۷ اکتوبر) کے موقع پر رہائی ہو جائے گی..... میں نے انہیں بتایا کہ گومیری دعا ہے کہ سزائے موت معاف کر دی جائے لیکن افسوس ایسا نہ ہو سکے گا سزا معاف نہ ہوگی۔ چنانچہ مجرم کو ۱۹ اکتوبر کو پھانسی دے دی گئی، یہ سب میرا کشف تھا۔

فاروق احمد (ریلوے اسٹیشن راولپنڈی) کے مکتوب (۲۳ ستمبر ۱۹۷۱ء) کا اقتباس کتنا خیال انگیز ہے۔ یہ واقعہ ان کی والدہ محترمہ پر گزرا تھا۔ لکھتے ہیں کہ:

گرمیوں کے دن تھے اور ماہ مبارک رمضان کی ستائیسویں رات نفا بہت خوش گوار تھی۔ میری والدہ محترمہ رات میں کافی دیر تک گھر کا کام کاج کرتی رہیں۔ پھر نماز کے بعد تراویح و نوافل وغیرہ پڑھے۔ آدھی رات کے وقت وہ اپنی آنکھوں میں سرمہ ڈال کر پگیں پیچے بیٹھی تھیں کہ اچانک انہیں تیز روشنی کا احساس ہوا، اتنی تیز روشنی۔ جیسے آگ لگ گئی ہو۔ والدہ نے گھبرا کر آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ مغرب کی طرف سے ایک چاند نما چیز مگر اس سے بڑی اور کہیں زیادہ روشن آہستہ آہستہ اوپر کی طرف چڑھ رہی ہے۔ سفید و دوسیا رنگ برسانے والی یہ چیز رفتہ رفتہ چاند کی طرف بڑھی اور درخشاں تر ہو گئی، پورا ماحول روشنی میں رنگ گیا۔ نور میں نہا گیا، اس چاند نما کرۂ نور نے افق کے ساتھ تقریباً ۴۵ درجے کا زاویہ بنایا ہوگا کہ والدہ مبہوت ہو گئیں اور انہوں نے پریشان ہو کر فوراً والد کو جگا دیا۔ اتنی ہی دیر میں نہ وہ کرۂ نور تھا نہ وہ روشنی نہ وہ تعجب انگیز نظارہ۔

والد نے سنا تو حیران رہ گئے۔ صبح کو محلے کی عورتوں سے تصدیق کی گئی تو انہوں نے کہا۔ ہاں! ہم نے بھی نصف شب کو یہ پر نور نظارہ دیکھا تھا۔

لفظ فاروق احمد کی والدہ اس نظارے کی تماشائی ہوتیں تو اس کو التباس نظر Hallucination کہا جاسکتا تھا۔ ممکن ہے کہ شب قدر کے تصور نور نے کڑے نور کو خیالی شکل دے دی ہو۔ لیکن محلے کی عورتوں نے بھی اس مشاہدے کی تصدیق کی۔ اب اس سلسلے میں کیا کہا جاسکتا ہے۔ میں اس قسم کے مظہر کو اجتماعی کشف کہا کرتا ہوں۔

وجدان کے بارے میں اپنے خیالات بیان کر چکا اور کشف کی مثالیں بھی آپ کی نظر سے گزر چکی ہیں۔ مزید مثالیں آئندہ پیش کی جائیں گی آپ اس تمام بحث کو ایک مرتبہ پھر نگاہِ غور سے پڑھ کر نتیجہ نکالیں کہ وجدان اور کشف کے درجے میں کیا فرق ہے۔ وجدان کی تازہ مثال پیش ہے، خط ای وقت موصول ہوا ہے=

عبدالکافی خان (واجی سینئر نواب شاہ سندھ) ۱۱ اکتوبر ۱۹۷۱ء کے محبت نامے

میں لکھتے ہیں کہ:

مجھ پر بھی وجدانی کیفیت کبھی کبھی طاری ہوتی ہے۔ گزشتہ سال جب ڈاکٹروں، حکیموں کے علاج سے کچھ نہ ہوا تو اندرونی آوازِ نبی کی آواز یا ضمیر کی آواز (آپ کوئی نام رکھ لیں) نے ایک ایسے طریقے پر مجھے بیان نہیں کیا جاسکتا۔ ہدایت کی کہ فلاں چیز کھا کر دیکھو وہی چیز استعمال کی اور فائدہ ہوا۔ میں نے چالیس سال تک کھلاڑی کی حیثیت سے زندگی بسر کی ہے۔ تین مرتبہ نازک موقع پر وجدان نے اس طرح رہنمائی کی کہ حیران رہ گیا، ایک مہرہ پٹ گیا تھا۔ تماشائیوں کی بڑی تعداد کھیل دیکھ رہی تھی۔ یکا یک نامعلوم طریقے پر محسوس ہوا، کوئی طاقت اشارہ کر رہی ہے۔ جارحانہ کھیل کھیلو۔ حملہ کرو۔ حملہ کیا اور کامیابی نصیب ہوئی۔ حالانکہ اس سے پہلے بازی جیتنے کا کوئی امکان نہ تھا۔ عبدالکافی خان کو جس قوت نے جارحانہ کھیل کھیلنے کا مشورہ دیا تھا۔ وہ یقیناً وجدان کی طاقت تھی مگر رب نواز صاحب ایس وی ٹیچر (کمران) ایک بارغ میں قدم رکھ

کر یہ احساس کہ میں یہاں پہلے بھی آچکا ہوں۔ محض کشف پر مبنی ہے۔ اس تجربے میں اور حضرات بھی شریک ہیں۔

امان میرزا (ایورنیو اسٹوڈیوز، ملتان روڈ۔ لاہور) رقم طراز ہیں کہ:

جو شخص مجھے خواب میں ملتا ہے دوسرے روز اس سے ضرور ملاقات ہو جاتی ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ میں کسی شخص سے ملنا چاہتا ہوں۔ مگر کسی مجبوری کے تحت اس کی طرف نہیں جاسکتا تو ذہن میں اس سے ملاقات کی خواہش کو تقویت پہنچاتا رہتا ہوں اور وہ یقیناً وہ شخص مل جاتا ہے۔ بعض اوقات کسی ایسی جگہ جاتا ہوں جہاں پہلے کبھی نہیں گیا تھا، مگر مجھے ایسا لگتا ہے کہ پہلے بھی یہاں آچکا ہوں۔ سبب یہ ہے کہ بحالت خواب وہ جگہ دیکھی ہوئی ہوتی ہے۔ اس قسم کے بے شمار واقعات میری زندگی میں پیش آچکے ہیں۔ مگر ان واقعات کا تعلق ان اشخاص سے زیادہ ہوتا ہے جن سے گہرا روحانی تعلق ہوتا ہے۔

صاحب کشف خاتون

کشف کی صلاحیت حادثوں کی نشاندہی کے سلسلے میں غیر معمولی طور پر فعال اور چست ثابت ہوتی ہے۔ شرط یہ ہے کہ ان حوادث کا تعلق آپ کی ذات سے ہو۔

شیخ محمود اکبر ناصر رستم یار خان (خط مورخہ ۲۰/ نومبر ۱۹۶۹ء) میں لکھتے ہیں کہ:

آں مكرم کے لئے ایک خوش کن اطلاع یہ ہے کہ پشتوں کی بدولت بندے میں چند انتہائی خوشگوار تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں۔ سب سے زیادہ حیران کر دینے والی تبدیلی یہ ہے کہ مجھے تقریباً ۹۰ فیصد باتوں کا پیشگی علم ہو جاتا ہے۔ مثلاً: میرے ایک دوست کے والد مدت سے طویل تھے اور بعض حالات کے سبب میرے دوست اور ان کے والد میں قطع تعلق ہو چکا تھا۔ پرسوں رات جب میں سونے کے لئے بستر پر پر لینا تو بے اختیار منہ سے نکلا۔ واہ مسٹر قادری تم بھی یتیم ہو گئے۔

اپنے ان الفاظ پر مجھ کو سخت غم امت ہوئی، مگر بات زبان سے اور تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اطلاع مل گئی کہ قاری صاحب کے والد اللہ کو پیارے

ہو گئے۔ یہ خبر سنتے ہی میں چند لمبے پہلے والے الفاظ پر خود دنگ رہ گیا۔

تاج ملک (ڈا خانہ دول ضلع کیبل پور) کا سیاسی کشف بھی قابل توجہ ہے۔

یکم فروری ۱۹۶۹ء کو سابق صدر ایوب نے حزب اختلاف کے رہنماؤں کو مذاکرات کی دعوت دی تھی۔ اس دعوت سے بہت قبل میں نے خواب میں دیکھا کہ صدر صاحب تقریر کر رہے ہیں اور مخالف لیڈروں کو بحث و گفتگو کی دعوت دے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ کالج بند ہونے سے پہلے شب میں دیکھا کہ امتحانی پرچہ سامنے ہے اور میں سوالات حل کر رہا ہوں۔ سوالات ذہن نشین ہو گئے، دوسرے روز پرچے میں وہی سوالات آئے تھے۔

اب آپ یلگم شیر حسین انصاری کے خطوط کے اقتباسات پڑھیے، میں نے ان کا تعارف روزنامہ جنگ (اشاعت یک شنبہ) کے سلسلے مضامین میں ”صاحب کشف خاتون“ کی حیثیت سے کرایا تھا اور ان کے سلسلے میں سیکڑوں خطوط مجھے ملے تھے۔ اپنے پہلے خط مورخہ ۱۳ اکتوبر ۱۹۷۰ء میں انہوں نے لکھا تھا کہ:

آج سے تقریباً پچیس سال پہلے کی بات ہے کہ میں ایک وظیفہ پڑھ رہی تھی۔ اس وظیفہ غوثی میں حق تعالیٰ سے ملنے والی کہ بارالہ میرے ذہن میں وہ بات آجایا کہ میرے حق میں بہتر ہوتا کہ میں خواہ خواہ کی دماغی پریشانیوں سے بچی رہوں، ابھی میں جا نماز پڑھ رہی تھی کہ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میری آنکھیں اور دماغ سب کچھ دیکھ سکتا ہے۔ فوراً ہی اس خیال کی تصدیق ہو گئی میری نظر دور تک جانے لگی۔ آسمانوں اور زمینوں کے اندر جو کچھ تھا وہ بے پردہ ہو گیا، یہاں تک کہ میں جنات و ارواح کو بھی دیکھنے لگی۔ آپ اسے ظاہری آنکھ سے دیکھنا نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ خود بخود دماغ کے اندر تصویریں اتر آتی ہے۔ میرے کئی بچے ہیں، جب ان میں سے کوئی بیمار ہوتا ہے تو فوراً (روحانی بصیرت سے) مجھے ان کی بیماری کی نوعیت کا پتہ چل جاتا ہے۔ یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ انہیں کیا غذا اور دوا دینی چاہئے اس طرح یا تو انہیں صحت نصیب

ہو جاتی ہے۔ نہیں تو کم سے کم بیماری ضرور رک جاتی ہے مثال کے طور پر عرض کروں، میرے لڑکے کے سر میں چوٹ لگی بہت خون نکلا۔ ڈاکٹر کو دکھایا گیا، اس نے دوا دی بچے کو آرام آ گیا، مگر ہر وقت درد سر رہتا اور چکر آتے۔ درد سر کا علاج کیا۔ مگر بے سود۔ آخر ماہر خصوصی (اسپیشلسٹ) سے رجوع کیا۔ اس نے سر کے دو انکسے لیے۔ خون ٹیسٹ کیا اور پھر بڑی قیمتی گولیاں تجویز کیں۔ مگر وہ بھی بے کار ثابت ہوئیں نہ درد سر کم ہوا نہ دوران سر! ”مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی“ بچہ جتنی پابندی سے دوا کھاتا ہے، بیماری میں اتنا اضافہ ہوتا رہتا۔ اسکول جاتا تو بخار آ جاتا۔ آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ فکر مندی کے سب میری کیا کیفیت ہوگی۔ خدا سے دعا کرتی رہتی کہ اس بچے کو صحت کامل عطا فرما۔ آخر ایک روز عالم کشف میں ایک شیشی نظر آئی۔ دماغ میں آواز گونجی کہ یہ دوا پلا دو تو چکر بند ہو جائیں گے۔ میں فوراً اس شیشی کو پہچان گئی۔ کیونکہ یہ دوا ایک بار گھر آ چکی تھی۔ کچھ نہیں عام سیرپ (شربت) تھا۔ بچے نے اس شربت کی دو ہی خوراکیں لی تھیں کہ چکر آنے بند ہو گئے۔ ماشاء اللہ دو سال سے وہ بالکل چاقو چوبند ہے۔ اسی طرح ایک بار بچے کو نزلہ ہوا شدید کھانسی کے دورے پڑتے تھے اور سانس بہت سخت کھٹ کر آتا تھا۔ ڈاکٹر کو دکھایا تو اس نے دمہ (Asthma) بتلایا۔ یہ سن کر خود مجھے چکر سا آ گیا کیونکہ میرا خیال یہ ہے کہ دمہ نہیں صرف نزلہ بگڑ گیا ہے۔ یہاں (پشاور) کے مشہور ڈاکٹر رضا کے پاس بچے کو لے گئی۔ اس نے اچھی طرح معائنہ کرنے کے بعد کہا کہ یہ دمہ نہیں ہے (Bronchitis) ہے۔ سوال یہ ہے کہ آخر وہ کون سی قوت ہے جو مجھے یہ سب کچھ بتلا دیتی ہے۔ میں جب (نگاہ باطن) سے دیکھتی ہوں تو یہ بھی پتہ چل جاتا ہے کہ جسم کی کون سے جگہ میں بیماری واقع ہے۔ اگر ڈاکٹروں کی تجویز کردہ دوا سے شفا نہ ہو تو نگاہ کشف کو دوائی کی شیشی بھی دکھائی دے جاتی ہے اور ان اجزاء کے نام بھی لکھے ہوئے نظر آ جاتے ہیں۔ جن سے وہ دوا مرکب ہے۔ بلکہ بعض اوقات تو دوا کی قیمت بھی اس طرح معلوم ہو جاتی ہے لیکن یہ فیہی تحریر کبھی کبھی اتنی دھندلی ہوتی ہے

کہ میں اس لئے کو پڑھنے سے قاصر رہ جاتی ہوں۔ ایک بات اور عرض کر دوں کہ میرے والدین کراچی میں ہیں اور میں یہاں پشاور میں جب ان کی خبر خیریت نہیں ملتی تو محسوس ہوتا ہے کہ جدائی کی تاب نہ لا کر میری روح لے پشاور سے کراچی تک کا سفر طے کر رہی ہے۔ اب وہ گھر کے دروازے تک پہنچی، دروازے سے اندر داخل ہوئی۔ صحن سے گزر کر برآمدے میں آئی اور میں نے دیکھ لیا کہ والدین کیا کر رہے ہیں؟ بعد کو میرے اس مشاہدے کی تصدیق حرف بحرف ہو جاتی ہے۔ ایک بار ایک لڑکا دین میں پڑی سے پشاور آ رہا تھا میں پریشان ہوئی تو میں نے دیکھا کہ وہ رکشا میں بیٹھا، رکشا اسٹیشن سے گزرا میں نے سوچا کہ نگاہ کشف سے جو کچھ دیکھا ہے اگر وہ صحیح ہے تو لڑکے کو پانچ منٹ کے اندر یہاں آ جانا چاہیے۔ ایسا ہی ہوا پانچ منٹ کے بعد وہ گھر میں داخل ہو رہا تھا۔ ایک بار کا واقعہ ہے کہ بچہ مری میں تھا اور میں پشاور میں مقیم ہوں۔ مجھے پریشان ہوئی، تصور میں نظر آیا کہ وہ جھکا ہوا اپنے زخمی پاؤں کو غور سے دیکھ رہا ہے بعد کو اس کے خط سے معلوم ہوا کہ جس وقت میری نگاہ نے اس کا کشف کیا تو واقعی وہ اسی حالت میں تھا۔ اس نوعیت کے بہت سے واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔ ان کی تفصیل کہاں تک لکھوں؟ آپ بتا سکتے ہیں کہ یہ سب کچھ کیا ہے اور کیا ہے؟ اپنے متعلق اتنا عرض کر دوں کہ صحت مند ہوں اور صفائی پسند، کشف بیداری کے علاوہ جو کچھ خواب میں دیکھا وہی ہوا۔ کبھی کبھی عالم خواب میں اس قسم کا اشارہ ملتا ہے کہ ایسا مت کرو، یا ایسا کرو۔ رئیس صاحب! نہ میں اپنے کو ولی سمجھتی ہوں نہ خدا رسیدہ بزرگ! حد ہے اپنی شامت اعمال کے سبب پانچوں وقت کی نماز نہیں پڑھتی۔ البتہ جب کوئی مشکل پیش آتی ہے تو نمازی بن جاتی ہوں۔ قرآن شریف بچپن میں پڑھا تھا۔ بس یہ ہے میری مذہبی زندگی! بس اور بتلا دوں کہ (روحانی طور پر) میرے دیکھنے کا طریقہ کیا ہے؟ میں آسمان کی طرف نگاہ اٹھاتی ہوں تو فضا میں لہریں سی نظر آتی ہیں۔ یہ لہریں تحریر کی شکل میں منتقل

لے لے کیا ہے۔ ان تھیں کو ہم شعل کی بجائے کھلا جائے۔

ہو جاتی ہیں اس پر اسرار تحریر کو چشم سر سے نہیں ”چشم جان“ یعنی اندرونی آنکھ سے پڑھ لیتی ہوں۔ دوسری صورت (کشف کی) یہ ہے کہ ٹیلی وژن کی اسکرین کی طرح ایک پردہ سامنے نمودار ہو جاتا ہے اور ذہن میں جو سوال ہوتا ہے اس کا جواب تحریر کی صورت میں اسکرین پر ابھر آتا ہے اسی کے ساتھ دماغ میں آواز پیدا ہو جاتی ہے۔ گویا روحانی طور پر دیکھنے اور سننے کا عمل ایک ساتھ ظہور پذیر ہوتا ہے۔

ان کو دیکھا کہ گفتگو کر لی

ایک شے ہے تجلی و آواز

بلاشبہ حالت کشف میں وہ نوبت بھی آ سکتی اور آ جاتی ہے کہ روشنیاں بولنے اور آواز میں چمکنے لگتی ہیں۔ بعض خاص حالات میں یہ بالکل ممکن ہے کہ سونگھنے کی حس (شامہ) سے دیکھنے کی حس (بصرہ) سننے کی حس (سامعہ) سے دیکھنے کی حس اور دیکھنے کی حس سے چھونے کی حس (لامسہ) کا کام لیا جاسکے کچھ زیادہ مدت نہیں ہوئی کہ روس میں سائنسی طور پر ایک خاتون کا تجربہ کیا گیا جو حس لامسہ سے حس بصرہ کا کام لیتی تھی یعنی الفاظ کو چھو کر نہیں پڑھ سکتی تھی۔ اس خاتون کا بیان یہ تھا کہ میری انگلیوں میں آنکھیں پیوست ہیں۔ خود میں نے ایک شدید احساس معمول پر تنویدی عینہ طاری کی پہلے اسے یہ ہدایت دی گئی کہ:

میرا تجربہ

”تم کتنی ہی کوشش کیوں نہ کرو، کسی طرح اپنی آنکھیں نہیں کھول سکتے۔“

جب یہ ہدایت معمول کے نفس میں سرایت کر گئی تو اس سے کہا گیا کہ اچھا اب تم آنکھیں کھولنے کی کوشش کرو۔ معمول نے ہر چند کوشش کی مگر ناکام ہو گیا تو معمول کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی (وہ اب تک تنویدی نیند کی حالت میں تھا) آنکھوں پر پٹی باندھنے کے بعد میں نے ایک کانڈ کو جس پر باریک لفظوں میں کوئی عبارت تحریر تھی۔ معمول کو بند آنکھوں سے ایک فٹ کے فاصلے پر رکھا اور ہدایت کی کہ تم

اس کاغذ پر انگلیاں پھیرو۔ تمہاری انگلیاں آنکھوں کا کام دیں گی اور تم اس تحریر کو بخوبی پڑھ کر سنا سکو گے۔ پہلے روز یہ تجربہ ناکام رہا، دوسرے روز سے کامیابی کی علامات ظاہر ہونے لگیں اور دو ہفتے کی کوشش کے بعد معمول کی حس لامسہ، جس باصرہ کا کام کرنے لگی یعنی وہ چمکی ہوئی اور پٹی بندھی ہوئی آنکھوں کے باوجود محض چھو کر بڑی سے بڑی عبارت اس طرح پڑھنے لگا جس طرح کھلی آنکھوں کوئی تحریر پڑھ رہا ہے تاہم یہ تجربہ ہنوز نامکمل تھا جب معمول چھو کر عبارت پڑھنے میں کامیاب ہو گیا تو ایک قدم آگے بڑھایا گیا اور معمول کو ہدایت کی گئی کہ اب تم چھوئے بغیر پڑھنے کی کوشش کرو۔ معمول پر تنویری بے خودی طاری ہو جاتی تھی اور میں کوئی دیوان کوئی اخبار یا کوئی کتاب کھول کر اس کے سر بالیں بیٹھ جاتا تھا اور ہدایت کرتا تھا کہ:

تمہاری چشم باطن کھل رہی ہے اور تم دماغ سے اس عبارت کو پڑھ رہے ہو جو میرے سامنے ہے۔ معمول نے رفتہ رفتہ اس تجربے میں کامیابی حاصل کر لی، یہی میرے سامنے ہے۔ تنویری معمولوں سے بڑے بڑے کام لئے جاسکتے ہیں شرط یہ ہے کہ وہ تنویم کے زیر اثر ہوں اور عامل سے بے دخل و جان نخواستہ نہ ہوں یعنی معمول کو تنویری عمل کے دوران جو ہدایات دے ان پر وہ بے اختیارانہ عمل پیرا ہوئے کی کوشش کرے۔

ڈاکٹر مسعود چشتی سیکرٹری سینٹرل طبیبہ کالج سرگودھا لکھتے ہیں کہ:

جب میں طبیبہ کالج میں زیر تعلیم تھا تو میں نے چنانچہ سیکھنے کی کوشش کی تھی۔ معمول کو میں نے پہلے دو دن لگا تار تین مرتبہ ”پہنا نازد“ کیا تنویری نیند کے درمیان معمول کا ”بسم لطیف“ اس کے مادی بدن سے الگ ہوا اور پھر واپس آ گیا۔ یہ بھی تجربہ معمول کو ہدایت کی گئی ”نفلان شخص کا تصور کرو“ معمول نے جو بنی تصور کیا وہ تصور قائم ہو گیا جسے وہی شخص سامنے کھڑا ہے۔

مار آتشیں!

مشق شخص نور ہو یا متبادل طرز تنفس یا سانس کی کوئی اور مشق ان سے تمام

اعضاء ریسر، دل و دماغ، جگر اور معدے پر غیر معمولی اثرات پڑتے ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ ”قلب“ پر! جدید فعلیات (فزیا لوجی) میں قلب کی اہمیت اس سے زیادہ نہیں رہ جاتی کہ گوشت کا لوتھڑا ہے۔ جو نظام خون میں ”سپونج مشین“ (پانی پھینکنے والی مشین) کی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن مابعد انفعالیات اور قدیم علم انفس میں ”قلب“ کو غیر معمولی قوتوں کا سرچشمہ اور مرکز قرار دیا گیا ہے۔ تصوف میں لطیفہ قلب کی بڑی اہمیت ہے۔ مسلسل ذکر سے (جو درحقیقت ایک قسم کی مشق تنفس ہی ہے) قلب جاری ہو جاتا ہے۔ یعنی چلنے لگتا ہے یعنی اس سے اللہ اللہ یا ہو ہو کی آواز خود بخود آنے لگتی ہے۔ بعض لوگ لطیفہ قلب کی اس حالت سے خوف زدہ ہو جاتے ہیں۔

ارشاد احمد چغتائی تازہ ترین خط (۶ نومبر ۱۹۷۱ء) میں لکھتے ہیں کہ

تنفس نور کے چکر کرتے ہوئے عجیب عجیب خوف ابھرتے ہیں۔ پہلا چکر کرتا ہوں تو سانپ کا خوف ناک تصور ابھرتا ہے جیسے وہ چمن پھیلائے منہ کے سامنے لہرا رہا ہے یا میری بغل میں رینگ رہا ہے یا کہیں سے میری گود میں آ پڑا ہے۔ یہ تصور کا پیدا کردہ سانپ مختلف قسموں اور رنگوں کا ہوتا ہے، کبھی دہلا، کبھی مونا، کبھی چنگبر، کبھی مینالا۔ یہ تصور مشق شخص نور کے پہلے چکر میں ٹائیوں کے لئے ہوتا ہے۔ جیسے ہی نگاہ باطن کے سامنے سانپ کی شبیہ نمودار ہوتی ہے۔ خوف کے ساتھ یہ احساس بھی ہوتا ہے کہ میرا اپنا شعور۔ سانپ کا تصور پیدا کر کے مجھے ڈرانے اور مشتوں سے باز رکھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ بہر حال لمبے بھر کا یہ تصور خواہ مخواہ مجھے خوف زدہ کر جاتا ہے۔ جب سانس روک کر یہ تصور کرتا ہوں کہ قلب میں روشنی چمک رہی ہے تو یہ ڈر رہتا ہے کہیں قلب نہ جاری ہو جائے۔ جوں جوں قلب پر سانس کا دباؤ بڑھتا چلا جاتا ہے۔ یہ خوف ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔ گویا میں لطیفہ قلب کی بیداری سے خائف ہوں۔ یہ وہم ہوتا ہے کہ قلب جاری ہو گیا تو نہ جانے کیا ہو جائے گا۔ شاید میں بے ہوش ہو جاؤں گا۔ ایک اور کیفیت بھی قابل ذکر ہے۔ جب میں ناک کے نشتوں کے ذریعے سانس اندر کھینچتا ہوں

تو ریزہ کی ہڈی میں خاص قسم کی تحریک پیدا ہو جاتی ہے۔ متحرک لہروں کا رخ پشت سے سر کی جانب ہوتا ہے۔ آپ کے کسی مضمون میں پڑھا تھا کہ ان مشقوں سے قوت حیات میں حرکت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اپنے ذخیرہ گھر (ریزہ کی ہڈی کا نچلے حصہ) سے اٹھ کر آہستہ آہستہ نور اور حرارت کی شکل میں دماغ کی طرف بلند ہونے لگتی ہے اور ”چودہ طبعی“ روشن ہو جاتے ہیں۔ آپ کی تحریر کا مفہوم کچھ اسی قسم کا تھا۔ اب مجھے یہ خوف لاحق ہوتا ہے کہ قوت حیات بیدار ہو کر جب ریزہ کی ہڈی کے ساتھ نور اور توانائی کی لہروں کی شکل میں سر میں داخل ہو گئی تو ”چودہ طبعی“ روشن ہو جائیں گے اس حسیہ سے آپ کا کیا مطلب ہے؟ یہ مطلب تو نہیں کہ آدمی اس مرحلے پر ناکارہ اور پاگل ہو جاتا ہے۔

ارشاد احمد بیک صاحب نے اپنے خط میں ارشاد کیا ہے کہ انہیں مشق شخص نور کرتے ہوئے گرد و پیش سانپ کی موجودگی کا احساس ہوتا ہے۔ روح حیات پر بحث کرتے ہوئے میں نے ”کنڈلانی فکس“ کا ذکر کیا تھا جو ریزہ کے نچلے حصے میں سانپ کی طرح کنڈلی مارے بیٹھی ہے سانس، اور توجہ اور مراقبہ کے ذریعے اس ”مار آتیش“ (Serpant Fire) میں حرکت پیدا ہوتی ہے اور یہ قوت اپنے پیچ و خم محو کر، دماغ کی طرف سرگئے لگتی ہے۔ اس قوت کو ”مار آتیش“ استعارے اور تشبیہ کے طور پر کہا جاتا ہے ورنہ درحقیقت یہ نہ مار ہے نہ آتیش یعنی سانپ ہے نہ آگ! بلکہ یہ تخلیق و تولید کی قوت ہے جو کہا جاتا ہے کہ زیر ناف ”کنڈل“ (نول دائرے) میں خوابیدہ ہے۔ اس قوت کا تجربہ نہ کسی لیبارٹری (معمل) میں کیا جاسکتا ہے نہ اس کا تجزیہ کیمیائی طریقہ پر ممکن ہے بلکہ جس طرح طبعیات میں برق پاروں کی حرکت یا انیم کی ساخت یا روشنی کے قوانین یا حرکت و حرارت کے ضوابط کو پہلے فرض کر لیا جاتا ہے اور پھر اس مفروضے کی تائید حقیقتوں اور علمی سچائیوں کے ذریعے کی جاتی ہے۔ یہی حال ”مار آتیش“ کا ہے لیکن جن لوگوں کو اس ”آگنی سانپ“ کی موجودگی کا احساس ہونے لگتا ہے۔ وہ اس مفروضے کی بجائے حقیقت تسلیم کرنے لگتے ہیں۔ لطیفہ زیر ناف کی قوت، تخلیقی ہے۔ جب اس کا

روح حیاتیات کی طرف ہوتا ہے تو یہ جنسی عمل کے ذریعے زندگی کو جنم دیتی ہے۔ جو لوگ اس قوت کا رخ جسم و جنس کے بجائے روح و نفس کی طرف پھیر دیتے ہیں۔ ان میں رویت لٹی استعداد بیدار ہو جاتی ہے نفس کی استعداد اور مخفی قوتوں کو بروئے کار لانے کے لئے مجرد یا غیر جنسی زندگی بسر کرنے کی ہدایت کی جاتی ہے۔ اس کا سبب یہی ہے کہ ہماری روح حیات کا ذخیرہ، روحی اور نفسی ترقی کے کام میں آئے۔ اعتدال کی حد تک عورت و مرد کا ملاپ نہ صرف ضروری بلکہ قانون فطرت کی حیثیت رکھتا ہے۔ کیونکہ جنسی زندگی سے مکمل پرہیز بھی نفس کو آلودہ، دماغ کو غلیظ، قلب کو افسردہ اور روح کو بے رونق کر دیتا ہے، بیشتر ذہنی امراض اس لئے پیدا ہوتے ہیں کہ انسان کا جنسی جذبہ یا تو مکمل نشوونما سے محروم رہتا ہے یا غلط راستے پر چل نکلتا ہے۔ خود میری نظر سے نامردی، جریان، سرعت انزال، ہم جنس پرستی، مفعولیت، مشت زنی اور جنسی مانچھولیا کے ہزاروں مریض گزر چکے ہیں، آج ہی ایک نوجوان کا خط ملا۔

بال اور جنسی جذبہ آمین
یہ بے چارہ (س۔ الف) لکھتا ہے کہ:

میری عمر میں سال ہے، میں تقریباً ایک سال سے عجیب و غریب البھن میں پھنس گیا ہوں۔ وہ البھن یہ ہے کہ عورتوں یا لڑکیوں کے بال دیکھ کر میری عجیب حالت ہو جاتی ہے۔ دل چاہتا ہے کہ ان کو سونگھوں، مسلوں، کھینچوں اور کھا جاؤں۔ کبھی کبھی اس سے بھی زیادہ گندی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اس حالت میں میرے جسم سے عجیب قسم کی بدبو نکلنے لگتی ہے۔ جنس تیز ہو جاتا ہے، ہاتھ پاؤں کاٹنے لگتے ہیں۔ اس عجیب و غریب کیفیت کا تاریک ترین پہلو یہ ہے کہ میں اپنی ایک عزیزہ (جو مجھ سے پانچ سال چھوٹی ہیں) پر ہڈ ہوں لگا ہیں ڈالنے لگتا ہوں۔ مجھ سے بڑی شرم ناک حرکتیں سرزد ہو جاتی ہیں۔ جب وہ سوتی ہیں تو میں اس کے بالوں اور جسم کے پچھلے حصے سے ایسی غلط

روحیت اور حیثیت کی تخریب ”نفسیات و بعد نفسیات“ میں کی جا چکی ہے۔

حکمتیں کر گزرتا ہوں کہ اپنے سے نفرت ہونے لگتی ہے۔ عالم خمار میں مجھے اپنی غلط روی کا احساس نہیں ہوتا۔ لیکن جب یہ نشہ اتر جاتا ہے تو جی چاہتا ہے، سر پھوڑ لوں، ناچار ہو کر رونے لگتا ہوں میں عہد کرتا ہوں کہ دوبارہ یہ حرکت نہ کروں۔ لیکن دو تین روز سے زیادہ اس عہد و پیاں پر قائم نہیں رہ سکتا۔ اس کے علاوہ جن فلموں میں لمبے بالوں والی لڑکیوں یا لڑکوں کے مناظر ہوتے ہیں، بے حد پسند آتی ہیں۔ ان فلموں کو بار بار دیکھتا ہوں۔ ایسے اشعار جن میں گیسو کی تعریف ہو، فوراً حفظ ہو جاتے ہیں۔ لمبے بالوں والی تصویروں سے بیجانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ عجب بات یہ کہ لڑکی کتنی خوب صورت کیوں نہ ہو، اگر گیسو بریدہ ہے یعنی اس کے بال کٹے ہوئے ہیں تو اس کا حسن مجھے قطعاً اثر انداز نہ ہوگا۔ برخلاف اس کے اگر اس کے بال لمبے ہیں، خواہ صورت کتنی بری کیوں نہ ہو، تو میرے اندر قیامت برپا ہو جاتی ہے۔ میں اس کی لمبی زلفوں کو گھورنے لگتا ہوں اور ذہن میں طرح طرح کے گندے خیالوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ جناب! کیا میں سدھر سکتا ہوں۔ خدا کے لئے مجھے حال پر رحم کر کے کوئی مفید مشورہ دیں۔ میں پانچویں وقت کا نمازی ہوں پھر بھی یہ سلسلہ جو بک کی طرح چٹنی ہوئی ہے۔ (مکتوب ۱۲ اکتوبر ۱۹۷۱ء)

آپ نے میں سالہ لڑکے کا خط پڑھا۔ اس کی کیفیت یہ ہے کہ لمبے بال دیکھ کر اس کے نفس میں شہوت اور تشدد (کہ دونوں لازم و ملزوم ہیں) کی آگ بجڑک اٹھتی ہے۔ اس کا جی چاہتا ہے کہ بالوں کو چوے، چھوے، کھینچے بقول اس کے نہ جانے کیسے کیسے گندے خیالات ذہن میں آنے لگتے ہیں۔ بعض اوقات بیجان اس درجہ شدید ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی ایک کم سن عزیزہ کے بالوں اور جسم کے پچھلے حصے پر دست درازی کرنے لگ جاتا ہے۔ یہ دونوں حرکتیں (بالوں اور پچھلے حصہ جسم سے لذت اندوزی) جنسی انحراف کی علامتیں ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اس نوجوان لڑکے کے نفس میں شہوت کا ریلا کہیں ایک کر رہ گیا ہے اور اس کی مناسب جنسی نشوونما نہیں ہو سکی۔ نوجوان مریض کا

جنسی جذبہ بالوں کے ساتھ چسپاں (اور Fixed ہو کر) کیوں رہ گیا؟ صرف ایک معالج نفسیات ہی اس گرہ کو کھول سکتا ہے۔ بے شک اس نوجوان کے نفس میں بالوں اور جنس کے درمیان کوئی غلطی رشتہ موجود ہے۔ اس رشتے کی بازیافت تحلیل نفسی ہی سے ممکن ہے۔ میں نے مریض کے لئے مشق متبادل طرز تخفیف اور خود نویسی تجویز کی ہے۔ یقیناً ہے کہ انجام کار ان مشقوں پر عمل کرنے سے اس کے نفس کی یہ گتھی سلجھ جائے گی۔ یہ بات عین ممکن ہے اور متواتر تجربہ یہی ہوا کہ سانس کی مشق شروع کرنے کے بعد مریض کے ”اندرون“ میں ہلچل مچ جاتی ہے۔ سانس کی مشقیں جب دبے ہوئے یا دباوے ہوئے چھپے اور چھپائے ہوئے مسخ شدہ جذبات پر حملہ کرتی ہیں تو وہ یکا یک ابھر آتے ہیں اور اس طرح جس منفی جذبے کی شدت پر غالب آنے کے لئے مشق شروع کی گئی ہے وہ بیجان عارضی طور پر شدید ہو جاتا ہے۔ تاہم شدت مرض کا یہ دور عارضی ہوتا ہے اور رفتہ رفتہ انسان اپنے نظام اعصاب اور نظام جذبات پر قابو پالیتا ہے۔

مشق نفس نور سے سانپ کا تصور پیدا ہونا یا جنسی جذبے کی بیداری درحقیقت ایک نئی سلسلہ عمل کی وہ لڑیاں ہیں۔ ریڑھ کی ہڈی کے پچھلے اعصاب کا مارا تھیں، جنس کے خزانے کی حفاظت کرتا ہے۔ سانپ بجائے خود جنس کا استعارہ ہے۔ خزانہ کے فن تعبیر خواب کے بموجب سانپ مردانہ عضو تولید کی علامت ہے۔ آدم و حوا کے قصے کے پس منظر میں بھی ہم سانپ کو لہراتے ہوئے دیکھ سکتے ہیں۔ انڈیا میں ”ناگ دیوتا“ کی باقاعدہ پرستش کی جاتی ہے۔ براہمہ افریقہ، لاطینی امریکہ اور بحر الابل کے بعض جزیروں میں بھی سانپ اور اژدہے کو ”دیوتا“ کا درجہ حاصل ہے۔ لوگ گیتوں، دیو مالائی اور قصے کہانیوں میں سانپ کی سریت (یعنی اس کے پراسرار پن) پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ اردو کا محاورہ ہے ”خزانے پر سانپ“ یعنی جب کوئی شخص کسی ناوار اور انمول چیز کو دبا کر بیٹھ جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ وہ خزانے پر سانپ بن کر بیٹھ گیا ہے۔ یہ ”خزانے پر سانپ“ کا محاورہ کہاں سے پیدا ہوا؟ بلاشبہ جنسی خزانے کی نگہبانی کرنے والے مارا تھیں کی تحلیل

سے (خواہ یہ جشیل آپ کے لئے شاعرانہ کیوں نہ ہو) یہ مثال وجود میں آئی ہے۔

محمد اکرم (کراچی) اپنے خط مورخہ ۱۳ اکتوبر ۱۹۷۱ء میں رقم طراز ہیں کہ:

جناب کے حسب ارشاد میں نے ۲۶ ستمبر سے مشق محض نور شروع کر رکھی ہے۔ فی الحال اس مشق کو ایک مہینہ اور چند روز ہوئے ہیں۔ میں نے اس زمانے میں معمولی سی تبدیلی محسوس کی ہے، یہ کہ گاہے گاہے مشق کے دوران ایسا لگا جیسے کوئی کرنٹ رگ و پے میں دوڑ رہا ہے۔ کرنٹ دوڑنے کے ساتھ ہی جسم سے پسینہ چھوٹ جاتا ہے۔ یہ عجیب و غریب احساس بھی ہوا کہ عضو تناسل اور خصیتیں (Testicles) میں کوئی مہین سا سانپ لہرا رہا ہے۔ سانس اندر کھینچتے وقت تو اس آپ کی ہڈیوں پر مکمل طور پر عمل کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔ البتہ سانس خارج کرنے کا معاملہ مختلف ہے۔ آپ کی ہدایت یہ بھی تھی کہ ناک کے سوراخوں سے سانس کو آہستہ آہستہ خارج کرنے کی کوشش کرتا ہوں تو ایک دم سانس باہر نکل جاتا ہے اور روک روک کر خارج کرنے کی نوبت نہیں آنے پاتی، مجبور ہو جاتا ہوں۔

روحیت پسند

میں روحیت اور روحانیت پر اپنی پہلی کتاب میں گفتگو کر چکا ہوں۔ روحیت پسند (Psy Chic) حساس، چوکی، نگران اور چاق و چوبند روح رکھنے والے کہتے ہیں (S.C.T) کی مشقیں۔ اس قسم کے لوگوں غیر معمولی اثر انداز ہوتی اور ان کی حساسیت اور روحیت کو مزید بڑھا دیتی ہیں۔ صرف لفظوں کے ذریعے ”روحیت پسندی“ کی تشریح ممکن نہیں۔ اس عرض سے ایک مثال درج ذیل ہے، تاکہ حساسیت کی حالت کو سمجھ سکیں۔

م۔ ا۔ ج (ایم اے ایل ایل بی) کی کیفیت ملاحظہ ہو (خط مورخہ ۷ دسمبر

۱۹۶۹ء)

اس اعتراف کے بعد کہ ”میں خود بھی روحیت پسند واقع ہوا ہوں“ لکھتے ہیں

۱۔ کہ اکتوبر ۱۹۵۸ء میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ اس وقت میری عمر پندرہ سولہ سال کی

ہوگی۔ فرسٹ ایئر کا طالب علم تھا۔ ہاں تو یہ ہوا کہ میں نے اپنے ساتھی سے کہا کہ:

یار! مجھے آج کل ہوا میں ایک عجیب بات محسوس ہوتی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ کوئی بہت بڑا حادثہ ہونے والا ہے۔ دوست فیس کر کہنے لگا کہ ہوا کا تعلق موسم سے ہوتا ہے سیاست سے نہیں ہوتا، دو تین روز بعد (۷ اکتوبر کی شب میں) ملک میں مارشل لا لگ گیا اور ثابت ہو گیا کہ ہوا کا تعلق موسم سے ہی نہیں، ملک کے مستقبل سے بھی ہے۔ میرے خیال میں اس پیش بینی کی پشت پر روایت کی استعداد کار فرما تھی۔ میں نے آپ کے مضامین پڑھ کر یہ نتیجہ اخذ کیا کہ انسانی تصور کی پرواز لامحدود ہے۔ شاید حقیقی دنیا سے بھی بلند ترین اور وسیع تر! آپ مختلف واقعات کی مختلف اصطلاحوں میں توجہ نہ کر سکتے ہیں۔ مگر میں ان خارق العادات کو بھی تصور کی پرواز ہی سمجھتا ہوں۔ (خارق العادات پر بحث کرتے ہوئے مکتوب نگار نے خود اپنا تجربہ نقل کیا ہے لکھتے ہیں کہ):

جب سے انسان کے قدم چاند پر پہنچے ہیں۔ میں جب چاند کی طرف نظر اٹھاتا ہوں تو کمرے کے غار اور گڑھے واضح طور پر دکھائی دیتے ہیں۔ امریکی غلام باز چاند کی سطح پر دو مرتبہ اتر چکے ہیں۔ دونوں بار ایسا ہوا کہ مجھے چاند کی سطح پر نکلے ہوئے دکھائی دیے اور چاند کے گرد حلقہ سا نظر آیا۔ یہ حلقہ وہ خلائی جہاز تھا، جو مدار پر چکر لگا رہا تھا۔

خارق العادات کی صلاحیت ہر شخص میں کم و بیش موجود ہے جس طرح ہر شخص میں عشق، شاعری، رقص، موسیقی، مصوری، جمالیات پسندی، تصوف اور دوسری صلاحیتیں اور قوتیں کسی نہ کسی درجے میں پائی جاتی ہیں۔ اسی طرح ہر شخص کو ایک سپر نارل استعداد بھی ودیعت کی گئی ہے اور یہ بات ہے کہ کسی کے نفس میں وہ استعداد نمایاں طور پر موجود ہو کسی شخص کے اندر خوابیدہ ہو نصاب تعمیر و تنظیم شخصیت کی مشقوں سے ہر شخص کے

۱۔ خارق العادات ایسے واقعات کو کہتے ہیں جو عادت کے خلاف ہوں۔ مثلاً قمر پر و قمر یا ایشیادوں کے ذریعے دوسروں کے خیالات اور جذبات کو معلوم کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص قمر پر غرور اور ایشیادوں کتابیے کے بغیر دوسرے کے غلط خیالات اور اندرونی جذبات سے واقف ہو جائے تو ان واقعات کو خارق العادات یعنی عادت کے خلاف کہیں گے!

لے سانس بھی آہستہ

140

باطن میں رفتہ رفتہ ایک انقلاب رونما ہو جاتا ہے، کبھی انقلاب واضح یعنی کھلا کھلا ہوتا ہے۔ کبھی جہم اور بند بند! جو لوگ پیدائشی طور پر حساس یا سوداوی مزاج کے ہوتے ہیں ان کے اندر تخیل اور واہمہ طرازی (Fantasy) کی قوتیں پوری طرح فعال اور چست ہوتی ہیں حواس خمسہ کا عمل تیز ہوتا ہے اور وہ بہت جلد اس میدان میں دوسروں سے سبقت لے جاتے ہیں۔

خالد حسین بھٹی جزل اسٹور ۲۵/۱۵ گاندھی پارک گلبرگ لاہور کی کیفیت انہیں کے لفظوں میں سنئے:

میں ایک بائیس سالہ نوجوان ہوں۔ مدت سے آپ کے مضامین سے مستفیض ہو رہا ہوں، اب آپ میرا تجربہ سنئے:

ایک روز مجھے یونہی خیال آیا کہ ہم جب چاہیں پھولوں کی خوشبو سونگھ سکتے ہیں، خوشبو کے لئے پھولوں کا وجود ضروری نہیں ہے۔ چنانچہ میں پھولوں کی خوشبو سونگھنے کی کوشش شروع کر دی اور یقین کیجئے کہ پھولوں کا تصور کرتا، دماغ ان کی خوشبوؤں سے مہکے لگتا اور عجیب بات یہ ہے کہ کیلوں پھول، پھولاریوں کا وجود نہ ہوتا۔ میں خود یہ سوچ کر حیران پریشان رہ جاتا کہ پراسرار خوشبو کہاں سے آ رہی ہے اور یہ خوشبو کس کا پیام لے کر آئی ہے؟

ہاں ابھی آپ کا پیام کرم!

بوئے گل پر سوار گزرا ہے؟

جب یہ بات میں نے اپنے دوستوں کو بتائی تو وہ مذاق اڑانے لگے، مجھے اس پراسرار خوشبو کا تجربہ مری میں ہوا تھا۔ مری سے میں سرگودھا چلا آیا اور یہاں بھی مجھے جب ضرورت ہوتی (مثلاً کسی بدبودار جگہ سے گزر رہا ہوں) خوشبوؤں کا تصور کرتا اور دل و دماغ مہک اٹھتے۔ پھر یہ بھی عجیب بات ہے کہ جس قسم کی خوشبو کا تصور کرتا۔ ویسی ہی خوشبوئیں سنگھائی دینے لگ جاتیں۔

لے سانس بھی آہستہ

141

آپ ابھی ابھی م۔ ا۔ ج (انیم اے ایل ایل بی) کا یہ بیان پڑھ چکے ہیں کہ ”انسانی تصور کی پرواز لامحدود ہے شاید حقیقی دنیا سے بلند تر وسیع تر“

اور اب خالد حسین کے اس اعتراف سے دوچار ہیں کہ جس قسم کی خوشبو کا تصور کرتا ہوں دماغ اس سے معطر ہو جاتا ہے۔ خالد حسین کے تصور کی اس حیرت انگیز کارکردگی کا سبب بھی انہی کے لفظوں میں سنئے لکھتے ہیں کہ:

میں دو مرتبہ (I.S.S.B) امتحان میں ناکام ہوا ہوں۔ ایک معالج نفسیات نے مجھے بتلایا کہ تم بے حد (Touchy) اور حساس ہو۔ میں نے تم جیسا شدید الاحساس آدمی زندگی بھر نہیں دیکھا۔ ماہر نفسیات کا یہ بیان صحیح ہے۔ کچھ کچھ میں بہت حساس اور جذباتی ہوں۔ معاف کر دیں۔ اپنے منہ میاں مٹھو بن رہا ہوں میں جس قدر حساس ہوں اتنا ہی ذہین بھی ہوں۔ کبھی رٹ رٹا کر امتحان نہیں دیا۔ اب بی ایس سی میں بخوبی پاس ہو جاؤں گا۔ سوچتا ہوں کہ اگر ذرا محنت کر لوں تو (Top) کر لوں۔ دیئے جب سے (I.S.S.B) میں فیل ہوا ہوں، خیالی دنیا میں گم رہتا ہوں۔

بار بار عرض کر چکا ہوں کہ حساسیت اور ذہانت جزواں بہنیں ہیں۔ کند ذہن آدمی کے حواس بھی کند ہوا کرتے ہیں۔ ذہین آدمیوں کا الیہ یہ ہے کہ انہیں ان کی ذہانت، خواب کی دنیا کا پاس بنا دیتی ہے۔ وہ اپنے شاندار تخیل کی مدد سے ایک شاندار تصوراتی دنیا بنا لیتے ہیں اور اس دنیا تصور میں گن رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حساس اور ذہین آدمیوں کو جس قدر جلد خارق العادات کی مشق میں رومی، ترقی نصیب ہو جاتی ہے۔ ان کی گمراہی کا خطرہ بھی اتنا شدید ہے۔ میری نظر سے ایسے متعدد افراد گنورے ہیں جنہیں ان کی حساسیت اور ذہانت نے جاہ و دم گشتہ راہ کر دیا ہے۔

تو مہدی ہے

محمد اسماعیل ولد محمد عثمان۔ سابق وطن گلبرگ (دکن) پیشہ ڈرائنگ ماسٹر کراچی کے متعلق ۲۳ ستمبر ۱۹۷۱ء کے روزنامہ مشرق کراچی میں یہ خبر چھپی تھی کہ ”وہ مہدویت

کے مدھی ہیں اور انہیں آواز سنائی دیتی ہے کہ تو مہدی ہے، اس کا اعلان کر دے۔“
اعلان مہدویت کے دعوے کے چند ہفتے بعد ۱۳ نومبر کو یہ بزرگ کاغذوں کا
بستہ دبائے غریب خانے پر تشریف لائے بیک نظر اعزاز ہو گیا کہ سوداویت کے مریض
ہیں اور سودے کی زیادتی نے سوچ بچار کو غیر متوازن کر دیا ہے۔ انہوں نے ایک تحریری
یادداشت پیش کی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

میں اکثر خواب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کرتا تھا۔ اس
کے بعد قیام لاہور کے زمانے میں بحالت بیداری حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت
کی۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مجمع اصحاب بھی تھا۔ آپ صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں میں سے دو آدمیوں کو میری طرف متوجہ کر کے کہا کہ میں محمد
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں اور یہ امام مہدی! پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارے
سے حکم دیا کہ میں ساتھ چلوں۔ چنانچہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم رکاب چلنے
لگا۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نظر سے اوجھل ہو گئے۔ اب شب
معراج سے برابر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خواب میں نظر آ رہے اور حکم دے رہے ہیں
کہ میں ”مہدی“ ہونے کا اعلان کر دوں، حیران ہوں کیا کروں۔ اس راز کو عوام پر کس
طرح ظاہر کیا جائے، کیونکہ یہ بے حد غیر معمولی بات ہے، میں جس سے بھی اس کا ذکر
کرتا ہوں وہ اسے جنون و دیوانگی پر محمول کرتا ہے۔ حالانکہ بخدا یہ بالکل سچا تجربہ ہے،
حال یہ ہے کہ نہ علم غیب حاصل ہے نہ میں کسی روحانی قوت سے مالا مال ہوں تاہم احقر
کو بہت سی باتیں معلوم ہیں۔ لیکن ان کے اظہار کی ممانعت ہے۔ علاوہ ازیں حضور صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخصوص اشاروں سے پتہ چتا ہے کہ مجھے روحانی قوتیں چالیس سال
کی عمر میں ملیں گی۔

ان بزرگوں کی یادداشت کا مطالعہ کرنے کے بعد میں نے موصوف سے براہ
راست چند سوالات کیے۔ پوچھا کہ حضرت! آپ کو معلوم ہے کہ اس امت کے کتنے

افراد نے پچھلے ہزار سال میں مہدویت کا دعویٰ کیا اور ان کا حشر کیا ہوا؟ کہنے لگے۔
معلوم ہے کہ ہر صدی میں کوئی نہ کوئی ”مہدی“ ظاہر ہوتا رہا ہے مگر امت نے ان کے
اس دعوے کو تسلیم نہیں کیا۔ اس کے بعد فرمانے لگے میں مجبور ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ
آلہ وسلم برابر خواب میں حکم دے رہے ہیں اس کی تعمیل بھی واجب ہے اور آپ کو معلوم
ہے کہ حدیث صحیح کے بموجب کوئی دوسرا شخص حضور کے عنوان سے خواب میں نہیں
آ سکتا۔ میں نے کہا کہ مجھے حدیث کی صحت میں شبہ نہیں۔ شرط یہ کہ اس آدمی کی عقل
حواس اور وجدان یہ تینوں چیزیں صحیح سلامت ہوں واپس طرازی میں مبتلا نہ ہو۔ دیکھتے
میں نماز، روحانی ترقی کا ذریعہ ہے لیکن اگر کوئی شخص نشے کی حالت میں نماز پڑھے تو اس
کی نماز اٹھک بیٹھک سے بھی گرے ہوئے درجے کی کوئی حرکت ہوگی۔ آپ نے بقول
خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب اور بیداری دونوں حالتوں میں دیکھا ہے اور
معراج کی رات سے برابر آپ کو یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ تم مہدویت کا دعویٰ کر دو یہ آپ
کا بیان ہے اور میرا یہ مشاہدہ ہے کہ آپ سو فیصدی نفسیاتی مریض ہیں آپ کے دل و
دماغ پر سوداویت کی تاریک تہہ چڑھی ہوئی ہے۔ بلکہ یہ کہنا صحیح ہے کہ آپ پیدائشی طور
پر دماغی امراض میں مبتلا ہیں۔ مہدویت کے دعوے سے بہتر یہ ہے کہ آپ فی الحال
الیکٹرو شاک تھراپی کے ذریعے اپنے دماغ کی چولیس صحیح مقام پر بٹھائیں۔ اس پر فرمانے
لگے کہ بعض ایسی قوی وجوہ موجود ہیں جن سے مجھے اپنے مہدی ہونے کا یقین ہو گیا۔
راقم الحروف نے گزارش کی کہ حضرت! جہاں تک ”وجوہ“ کا تعلق ہے تو ہر شخص مہدی
موجود ہونے کی کوئی نہ کوئی وجہ پیدا کر سکتا ہے صرف وہم کو حرکت میں لانے کی ضرورت
ہے۔ آنے والے کے باب میں روایتیں یہ بھی ہیں کہ وہ نبی فاطمہ سے ہوگا۔ اس کا نام
محمد مہدی، ماں کا نام زحس اور باپ کا نام حسن ہوگا۔ اتفاق سے مجھ میں یہ چاروں
چیزیں پائی جاتی ہیں۔ تو کیا میں محمد مہدی ابن سید شفیق حسن فرزند سیدہ زحس خاتون رحمۃ
اللہ علیہم ہونے کے سبب ”مہدی“ ہو گیا لاحول ولا قوۃ الا باللہ!

خارق العادات تجربات کی چھان بین E.S.P. (ادراک ماورائے حواس) کی صلاحیت کی تحقیق کرتے وقت سب سے پہلے یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ جو شخص ہر نارمل ازم کا مدعی ہے اس کی مزاجی کیفیت کیا ہے؟ وہ کسی التباس حواس (مثلاً ری کو سانپ سمجھ لینا) میں تو جھٹلا نہیں۔ درحقیقت سپر نارمل اور ایب نارمل یعنی مجذوب اور مجنون دونوں میں بال برابر کا فرق ہے۔ واسطہ معمول یا Medium ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جن کے ذریعے خارق العادات مظاہر (مثلاً دوسروں کے دل کی بات بتا دینا کسی ظاہری وسیلے کے بغیر) نمودار ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کا اعصابی اور دماغی نظام بہت پیچیدہ نازک اور حساس ہوتا ہے۔ میڈیم شپ (معمول بننے کی اہلیت) اور ہسٹریا کی علامتیں بھی بعض اوقات ایک دوسرے سے اتنی مشابہہ ہوتی ہیں کہ اکثر مجذوبوں کو مجنون اور مجنوں کو مجذوب سمجھ لیتے ہیں۔ ہمارا عام جسمانی نظام سپر نارمل تجربات کا بوجھ نہیں برداشت کر سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ روح کی مخفی صلاحیتوں کو بیدار کرنے اور بروئے کار لانے کے لئے پہلے جسم کو ان تجربات کا اہل بنانا پڑتا ہے۔ جسم کو روتی مظاہر کا آلہ کار بنانے کے سلسلے میں S.C.T کی مشقیں غیر معمولی اہمیت رکھتی ہیں، اسی کے ساتھ روزہ، ترک حیوانات، قلت غذا، نظر کم کوئی، کم خوابی، تنہائی، مجرد اور ضبط نفس کے ذریعے ہم اپنے غددی نظام اور جسم میں ایسی مناسب کیماوی تبدیلیاں پیدا کر سکتے ہیں کہ ہمارے حواس کی سطح بلند تر ہو جائے اور براہ راست خارق العادات سے دوچار ہو جاتی ہیں۔ میں نے پشاور کی جن خاتون کے کشف کا ذکر کیا ہے ان کا جسم اور شخص دونوں صحت مند ہیں اگر انہیں غلاء میں ٹیلی ویژن اسکرین کی طرح مستقبل کی جھلکیاں نظر آ جاتی ہیں یا م۔ ا۔ ج ہوا میں مستقبل کو سونگھ لیتے ہیں یا انہیں چاند کی سطح پر نئے نئے نقطوں کی طرح اسر کی غلاء باز دیکھنے نظر آتے ہیں یا خالد حسین محض تصور کی قوت سے ہر موقع پر اپنی پسندیدہ خوشبو کو سونگھ لیتے ہیں تو یہ سپر نارمل ازم کے صحت مند تجربے ہیں۔ جن کی ہمت افزائی کی جانی چاہیے۔ لیکن جناب محمد اسماعیل ولد محمد عثمان ڈرائنگ ماسٹر کے تمام تخیلات اور تمام

دعوے التباس حواس (حواس کا دھوکہ کھا جانا مثلاً عجیبی شکلیں دیکھنا اور خیالی آوازیں سننا) ضعف دماغ اور سوداوی دہم کی پیداوار ہیں۔ میں جو بار بار مابعدالغیاتیات کے طلباء اور طالبات سے اصرار کرتا ہوں کہ وہ یہ مشقیں کسی تجربہ کار شخص کی نگرانی میں شروع کریں تو صرف اس لئے کہ وہم اور حقیقت سپر نارمل اور ایب نارمل گڈ ٹڈ نہ ہو جائیں۔!

☆☆☆

مرچو
امین

خواب اور بیداری

اہم واقعات کو ان کے واقع ہونے سے پہلے ظہور پذیر ہوتے ہوئے دیکھ لینا بھی روحیت پسندی اور خارق العادات صلاحیت ہی کا مظہر ہے، کبھی مستقبل کا کشف خواب میں ہوتا ہے۔ ج۔ ح۔ لکھتے ہیں کہ!

ایک رات عجیب خواب دیکھا کہ کسی ویران جگہ پر ایک آدمی کو چند آدمی پکڑے ہوئے ہیں جو آدمی جلاد کا فرض انجام دینے کے لئے تیار ہے اس کے جسم سے عجیب قسم کی بدبو آ رہی ہے۔ میں اپنے آپ کو کسی جگہ چھپائے یہ تمام واقعہ دیکھ رہا ہوں۔ جلاد اپنے کام کو پورا کرتا یعنی اس مظلوم انسان کی گردن اڑا دیتا ہے۔ یہ منظر اتنا ہمایاں ہے کہ مجھے خوف کے بحر میں گھٹکی بندھ جاتی ہے۔ غصہ آ کر کھل جاتی تو اذان ہو رہی تھی، خواب میں جلاد کے بدن کی بو اس طرح دماغ میں بس گئی تھی کہ آنکھ کھلنے کے بعد بھی دماغ سزا سزا سا رہا۔ بہت دن تک میں اس بو کو نہ بھلا سکا۔ جب کبھی خواب کے اس ہمایاں منظر کا خیال آتا، جسم پر لرزہ پڑ جاتا۔ ایک نئے بعد اخبار میں خبر آئی کہ فلاں جگہ قتل کا واقعہ پیش آیا ہے اور اس کی تفصیلات یہ ہیں۔ وہ تمام تر تفصیلات..... منظر خواب سے ہو بہو ملتی تھیں۔ مجھے اس وحشت ناک خبر کی تفصیلات پڑھ کر توجہ ہوا۔ تاہم رفتہ رفتہ اس خواب اور خبر دونوں کو بھول گیا۔ اب سینے کے سال بعد نکاح جانے کا اتفاق ہوا میں بس میں بیٹا ارد گرد گزرنے والے مناظر کی دید میں محو تھا کہ شیخوپورہ آ گیا جس کے نواح میں نہایت سرسبز و شاداب گاؤں تھا جو اب اس گاؤں سے گزری مجھے وہی ناگوار بدبو سگھائی دی جو بحالت خواب میں سو گئی تھی معلوم ہوا کہ اس بیٹ ناک

واقعے کا تعلق اسی گاؤں سے تھا۔ ج۔ ح کے اس تجربے میں چند باتیں قابل غور ہیں انہوں نے قتل سے قبل خواب میں مقتول، جلاد اور منظر قتل دیکھ لیا، دیکھ ہی نہیں جلاد کے بدن کی بدبو بھی سگھ لی۔ یہ اتنی شدید اور قوی الٹرتھی کہ بہت دن تک ج۔ ح کے دماغ میں باقی رہی۔ بظاہر اس خواب سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قتل کا ڈرامہ ایک نئے پہلے ج۔ ح کے نفس (نفس) کے اٹیچ پر کھیل گیا۔ اس وضاحت کے ساتھ کہ جلاد کی بدبو تک ان کے مغز میں بیوست ہو گئی۔ خواب کے ایک نئے بعد اخبار میں حادثہ قتل کی جو تفصیلات شائع ہوئیں وہ ہو بہو خواب کے مطابق تھیں، کشف بذریعہ خواب ہزاروں افراد کا ذاتی تجربہ ہے اور بعض اوقات تو خوش نصیبی سے میں نے ان تجربات کی رہنمائی بھی کی ہے۔ لیکن ج۔ ح کے اس کشف خواب کا عجیب تر پہلو یہ ہے کہ انہوں نے جلاد کے بدن کی بدبو سگھ لی وہ بو ان کے شامے (سوگھنے کی حس) میں بیٹھ گئی اور جب وہ ایک سال بعد نکاح جاتے ہوئے شیخوپورہ سے گزرے تو وہی بدبو انہوں نے سال بھر پہلے سوتے میں سگھی تھی۔ یکا یک ان کے دماغ پر مسلط ہو گئی۔ اسی ایک واقعے سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ انسانی ذہن کس طرح زمان و مکان کی مسدود پر غالب آ سکتا ہے کیا یہ کہنا صحیح نہیں کہ خود زمان و مکان بھی اس طرح انسانی ذہن کی خصوصیتیں ہیں۔ جس طرح رنگ، بو، حسن، بدصورتی، ذائقہ وغیرہ۔ اگر اس تمام مادی کائنات کو سمجھا جائے، چھانا جائے، زیرہ زیرہ کر کے اس مادی عالم کی تحقیق اور چھان پھک کی جائے تو یہ تمام کائنات چھتے چھتے ایسے برقی پاروں کا مجموعہ بن کر رہ جائے گی۔ جن میں نہ رنگ پایا جاتا ہے نہ خوشبو، نہ ذائقہ نہ ناطقہ، نہ شاعری نہ موسیقی، نہ رقص، نہ فلسفہ، نہ طبعیات، نہ کوئی علم، نہ فن یہ تمام چیزیں ایسے اضافے کی حیثیت رکھتی ہیں جو انسانی ذہن نے کائنات پر کیا ہے۔ ٹھیک اسی طرح زمان مثلاً آج ۸ نومبر تھی کئی نوے تاریخ ہو گئی اور مکان مثلاً یہ کراچی ہے اور وہ لاہور! یہ ساری خصوصیتیں بھی ذہن نے ہی پیدا کی ہیں بجائے خود برقی پاروں (الیکٹران) سے بنی ہوئی کائنات میں یہ چیزیں نہیں پائی جاتیں۔ اب آئیے بیداری کی

طرف! یہی صاحب لکھتے ہیں کہ آج صبح دکان پر آیا تو بارہا یہ انوکھا خیال آ رہا تھا کہ جیسے لڑائی ہو رہی ہے۔ گولیاں چل رہی ہیں ایک گولی سے میری بچی ہلاک ہو جاتی ہے۔ یہ خیال کیوں آیا؟ سخت حیرت تھی۔ شادی شدہ نہیں پھر بچی کہاں سے آگئی؟ یہ خیال دیکر تمام خیالات سے ہٹ کر تھا جن سے بالعموم دوچار ہوں۔ حیرت ہوئی یہ نامعقول بات کہاں سے اور کیوں میرے ذہن میں گھس گئی ہے۔ اتنی دیر میں اخبار آ گیا۔ سب سے پہلے جس خبر پر نظر پڑی وہ یہ تھی کہ ۱۳/ اپریل کو کوہاٹ میں ایک بچی گولی لگنے سے ہلاک ہوگئی۔ تفصیلات وہی تھیں جو پہلے سے میرے دماغ نے مرتب کر لی تھیں، اور خود بخود۔ دوسرا واقعہ سنئے: بقرعید کے خیال سے میں نے بہت خوب صورت بکرا خرید اور ایک مینے تک اس کی خوب پال پوس کی اچھی طرح کھلایا پلایا، بقرعید میں ہفتہ بھر باقی تھا کہ میں صبح کی نماز پڑھ کر فاتحہ خوانی کے لئے قبرستان کی طرف چلا گیا۔ جب والد مرحوم کی قبر پر فاتحہ پڑھ کر (جو میرا روزانہ کا معمول ہے) واپس آ رہا تھا تو خود بخود ذہن میں یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ کتے نے بکرے کو ڈنکی کر ڈالا ہے، اور وحشت میں گھبرایا ہوا گھر پہنچا تو دیکھا کہ بکرا مزے سے جگاتی کر رہا ہے۔ اپنے وہم پر لحنت بھیجی ناشتہ کیا اور دکان پر چلا گیا۔ چلتے وقت چھوٹے بھائی کو تاکہ کر دی کہ آج بکرے کو ٹھلانے کے لئے باہر نہ لے جانا۔ گھر پر ہی بندھا رکھنا، مزید احتیاط یہ ہدایت دے کر میں دکان کو روانہ ہو گیا۔ مگر بار بار ذہن میں یہ خطرہ پھنکار رہا تھا کہ آج کتا، بکرے کو ڈنکی کر ڈالے گا۔ جونہی یہ خیال آتا، لاجول پڑھ کر تھوک دیتا۔ اتنے میں چھوٹا بھائی دوڑتا ہوا آیا کہ بکرے کو دو کنوں نے ڈنکی کر ڈالا ہے، ایک اور حادثہ عرض کروں، میں صبح دکان پر بیٹھا تھا کہ ایک تندرست خوب صورت اور جوان آدمی دکان کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے پوچھا کہ بھائی آپ کیوں کھڑے ہیں۔ کہنے لگا روپینڈی جانا ہے، بس کا انتظار کر رہا ہوں۔ اب جو میں نے نظر ڈالی تو آپ یقین کیجئے کہ اس کا چہرہ ایک مردے کے چہرے جیسا نظر آیا حالانکہ وہ ایک تندرست جوان آدمی تھا، فوراً میری زبان سے نکلا کہ:

خدا خیر کرے، یہ شخص واپس نہیں آئے گا۔

اس فقرے کے ادا کرتے ہی میرے بھانجے نے جو کہ دکان پر موجود تھا، مڑ کر دیکھا، میں بھی شرمندہ ہوا کہ یہ کیا بک گیا، خیر وہ آدمی چلا گیا۔ میں اسی ادھیڑ بن میں جتا تھا کہ نہ جانے کیا ہونے والا ہے۔ ٹھیک تین گھنٹے بعد وہ شخص درد شکم میں جتا دوسری بس سے لایا گیا آدمی گھٹنے بعد مر گیا۔ بے چارے کا نام رحمت تھا۔

نہیم انصاری (اپنے خط مورخہ ۱۹/ ستمبر ۱۹۷۷ء کے ذریعے) مطلع کرتے ہیں کہ:

چند سال پہلے میرے اندر یہ صلاحیت موجود تھی کہ آنے والی مصیبت یا افتاد کا پیشگی اندازہ ہو جاتا تھا۔ کبھی کبھی دوسروں کے بارے میں بھی اس قسم کی پیش گوئیاں کر دیا کرتا تھا اور وہ پیش گوئیاں صحیح ہوتی تھیں۔ خصوصاً کے ساتھ ان لوگوں کے متعلق جو موت کی گرفت میں آنے والے ہوتے تھے۔ میرا اندازہ بالکل صحیح ثابت ہوتا تھا۔ ان کا چہرہ ہی بتلا دیتا تھا کہ یہ اب رخصت ہونے والے ہیں۔ میری والدہ کا انتقال کیم اپریل کو ہوا ہے، اسی دن صبح سے مجھے اندیشہ تھا کہ یقیناً کوئی افتاد پڑنے والی ہے۔ اس اندیشے کے پیدا ہونے ہی ایسا نظر آیا کہ گویا والدہ کا جنازہ سامنے رکھا ہے۔ (حالانکہ والدہ حیدر آباد میں تھیں اور کوئی پریشانی کی بات نہ تھی) اس روز میں جلدی جلدی تیار ہو کر گھر سے نکلا کہ باہر جا کر دل بہل جائے۔ پہلے ٹیکسٹری گیا اور کارکنوں کو ہدایت دے کر دوستوں کے پاس چلا گیا کہ ذرا جی بہلا رہے (کیونکہ دل میں وہ اندیشہ زہریلے بچھو کی طرح رینگ رہا تھا) ہاں! یاد آیا۔ چلتے وقت چھوٹی بہن نے کہا تھا کہ ذرا جلدی آ جانا کیوں کہ ماں حیدر آباد سے آنے والی ہیں۔ بہن کی اس یاد دہانی پر دل نے کہا کہ اماں، کہاں سے آئیں گی۔ وہ جس گاڑی سے روانہ ہونے کا ارادہ رکھتی ہیں۔ اس گاڑی کے چھوٹے سے پہلے ہی وہ اس دنیا سے رخصت ہو جائیں گی۔ جوں جوں دن چڑھتا چلا جا رہا تھا وحشت دل بڑھتی چلی جاتی تھی۔ بار بار ٹیلی فون کی طرف ہاتھ بڑھتا، مگر رک جاتا، کوشش یہ تھی کہ جتنی دیر میں یہ خبر بد سنوں، اتنا ہی اچھا ہے کہ گویا میں اپنے کو فریب

دینے کی کوشش کر رہا تھا مگر وقت گزرنا مشکل ہو رہا تھا۔ پس و پیش کی کیفیت تھی، دوپہر کا کھانا کھانے کے لئے بمشکل گھر کی طرف روانہ ہوا تو مکان سے باہر نکل کر روتے ہوئے دیکھا، کہے بغیر سمجھ گیا کہ حادثہ ناگزیر نازل ہو چکا ہے۔

ان ہی فہم انصاری کی زبان (قلم) سے ایک اور واقعہ سنئے:

میرے کسی عزیز کی بیوی میرے پاس مقیم تھیں، وہ جب بھی اپنے شوہر کے پاس جانے کا ارادہ کرتیں کوئی نہ کوئی رکاوٹ حائل ہو جاتی اور ان کے جانے کی تاریخ ٹل جاتی۔ ایک سال سے میاں بیوی میں جدائی تھی، یکا یک مجھے خیال آیا کہ اب یہ میاں بیوی کبھی نہ مل سکیں گے اور بد قسمتی سے میرا یہ نخوس خیال صحیح ثابت ہوا، شوہر کا انتقال ہو گیا، بیوی ان سے نہ مل سکی!

عملی شعور اور مشقین

خط کے آخر میں فہم انصاری نے شکایت کی ہے کہ:

پہلے ان کی پیش بینی اور وجدان کی جو صلاحیتیں موجود تھیں۔ وہ رفتہ رفتہ نابود ہو گئیں۔ اب وہ کورے کاغذ کی طرح سادہ اور سبک ہو کر رہ گئے ہیں۔ خارق العادات کی عملی تحقیق اور سائنٹفک چھان بین میں یہ ”نقطہ“ غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔ میں نے سیکڑوں افراد کو دیکھا کہ ابتداً ذہنی طور پر ان کی اٹھان بے حد شاندار اور روحی استعداد، حیرت انگیز طور پر قوی تھی۔ پھر آہستہ آہستہ کشف، وجدان اور الفتا کی تمام قوتیں مرجھا کر رہ گئیں۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اس کا جواب دینا مشکل ہے۔

میں نے قبض و بسط کی بحث کرتے ہوئے ذہن کی اس خصوصیت پر زور دیا تھا کہ: وہ ایک حال پر قائم نہیں رہتا، ایک سیکنڈ میں نہ جانے کتنے تصورات اور کتنے تاثرات ہمارے ذہن سے گزر جاتے ہیں۔ یہ عام تجربہ ہے کہ صبح آکھ کھل تو طبیعت بٹاش تھی۔ ناشتہ کرنے کے بعد افسردہ ہو گئی، کام کی طرف توجہ کی ذہن کھل گیا۔ دوپہر کو پھر دماغ بند ہو گیا۔ سہ پہر کو جی بھل گیا، شام کو پھر انتہا لال کا دورہ پڑ گیا۔ الغرض چوبیس

گھنٹے خوش و ناخوشی۔ امید و امید اور قبض و بسط (یعنی کھلے بندھے) کا سلسلہ ایک دائرے کی شکل میں مکمل ہوتا رہتا ہے۔ ذہن ایک لمبے کے لئے ٹھہر جائے یعنی مختلف تاثرات قبول کرنے سے انکار کر دے تو آدمی پر ہنسریا، بانچو لیا اور پاگل پن کا دورہ پڑ جائے۔ نفسیاتی صحت مند اور ذہنی مریض میں فرق یہی کہ ایک عام صحت مند آدمی مختلف مہیجیات سے حسب ضرورت اور حسب موقع مثبت یا منفی اثر قبول کرتا ہے برخلاف اس کے ذہنی مریض کسی ایک مہیج یا جذبے سے چپک کر رہ جاتا ہے اور آگے بڑھنے یا ماحول کے مطابق اپنے کو بدلنے سے انکار کر دیتا ہے۔ مثال کے ذریعے یہ بات بخوبی سمجھ میں آجائے گی۔ مہیج ہر وہ چیز جو آپ کے ذہن پر اثر انداز ہو کر اسے حرکت میں لے آئے۔ مثال کے طور پر کوئی مجھے ڈانٹنے تو میرے ذہن میں بیجان برپا ہو جائے گا یا کوئی میری خوشامد کرے تو جی پکھل جائے گا۔ ڈانٹنا اور خوشامد کرنا یہ دونوں عمل ذہن کے لئے مہیج (بیجان اور تحریک انگیز) کی حیثیت رکھتے ہیں۔ نفسیاتی طور پر ہر صحت مند شخص ان تمام بیجانوں اور تحریکوں سے اثر قبول کرتا اور ان کے مطابق اپنے آپ ڈھال لیتا ہے۔ لیکن نفسیاتی مریض میں مطابقت احوال (Adjustment) کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ اگر امید کے دورے میں جتنا ہے تو ہمیشہ اسی کیفیت کا نشانہ بنا رہے گا۔ افسردہ ہے تو اس کی افسردگی کسی طرح دور نہ ہوگی۔ غصے کا مرض ہے تو اس کے غضب کی ترقی پڑے گی مختصر یہ کہ نفسیاتی مریض کے ذہن میں چپک نہیں رہتی، اس کا نفس سوکھی لکڑی کی طرح سخت شعور صرف ایک ہی سمت میں رواں دواں رہتا ہے گوراستے میں کتنے ہی مؤذ کیوں نہ آئیں۔

القاء، وجدان اور اشراق بھی ذہنی صلاحیتیں ہیں۔ ذہنی صلاحیتیں کبھی کبھی دب جاتی ہیں، کبھی ابھر جاتی ہیں۔ اگر ان صلاحیتوں کی مناسب نگہداشت اور پردوش و پرداخت نہ کی جائے تو یہ انہماک کا بکھر کر رہ جاتی ہیں۔ پھر یہ اصل حقیقت بھی پیش نظر ذہنی چاہئے کہ عام زندگی صرف عملی شعور اور فراست عامہ (کامن سنس) کے ذریعے بسر کی

جاسکتی ہے۔ عملی شعور کہتے ہیں دو اور دو چار کی صلاحیت کو! یعنی کپاس اگر کر روئی نکالی جائے۔ روئی نکال کر اسے کاٹا جائے کپڑے بنے جائیں یا میٹلی میں دانا تکبیر کر کھیت کو سینچا جائے۔ پودے اگائے جائیں، فصل تیار کر کے اناج کاٹا جائے پھر روئی پکاائی جائے۔ انسان نے اپنے ظہور کی ابتداء سے آج تک روئے زمین پر یعنی ترقی کی ہے وہ اسی قدر ترقی طریق کار پر عمل کر کے! یہ نہیں ہوا کہ جنت سے ملے اتر آئے اور انسانوں نے ستر پوشی کر لی۔ آسمان سے من و سلوئی نازل ہو گیا اور بھوکوں نے پیٹ بھر لیا۔ فرشتوں، جنوں، درختوں اور حیوانوں کو زندہ رہنے کے لئے وہ منظم تک و دو میس کرنی پڑتی جو انسان کا مقدر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ خاک کا چٹا، اشرف المخلوق کہلایا اور وہ نور کے مجسمے (فرشتے) اور آگ کے جیکر (جنات) آدمی کے مقابل اورزل المخلوق ٹھہرے۔ جن و فرشتے (حیوانات اور نباتات کی طرح) آزاد ارادے کے مالک نہیں ان دونوں مخلوق کی حیثیت بہت حد تک مشینی ہے۔ وہ سختی کے ساتھ اپنی جبلت کی زنجیروں میں اسیر ہیں اور مقررہ دائرے سے بال بھر تجاوز نہیں کر سکتے۔

ہر مالک کی زندگی کا سناٹا

انجم ہیں خلا میں پا بہ جولاں

سورج ہے زمیں سے پا بہ زنجیر

انسان اس لئے اشرف المخلوقات ہے کہ وہ فاتح کائنات ہے۔ یہ کائنات شروع سے آخر تک مادی قوانین کا اتباع کرتی ہے۔ فاتح کائنات وہی مخلوق ہو سکتی ہے جو مادی قوتوں کو دریافت اور ان قوتوں کے قوانین پر عمل کر کے اس جہاں آب و گل کو تسخیر کر سکے۔ پانی ہوا، آگ مٹی بھاپ گیس بجلی اور کشش کے (افرض کائنات کی تمام قوتیں) کچھ قانون ہیں۔ ان قوانین کو صرف عمل اور تجربے کے ذریعے دریافت کیا جاسکتا ہے۔ اگرچہ انسان میں ماورائی بصیرت موجود ہے (یعنی آنکھ کے بغیر دیکھنے کی

لے سانس بھی آہستہ

153

قوت) لیکن قدرت کا اصرار ہے کہ کائنات کے مظاہر کو تیسری آنکھ کے بجائے صرف ماتھے کی دو آنکھوں سے دیکھے۔ یعنی آدمی کو ادراک ماورائے حواس کی قوت دی گئی (ادراک^۱ ماورائے حواس یہ آنکھ، کان، ناک وغیرہ استعمال کئے بغیر وہ اشیاء اور افراد کے بارے میں علم حاصل کرے) تاہم عملی زندگی کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ آنکھ سے آنکھ، کان اور کان اور ناک سے ناک کا کام لے۔ قدرت نے انسان کو نازل بنایا ہے اور یہ رعایت مشکل ہی سے کسی شخص کو دی جاتی ہے کہ وہ ”سپر نازل“ بن سکے، انسان کے ذہنی اور دماغی ارتقاء کا رخ ہے سپر نازل کی طرف!!

یہی وجہ ہے کہ انسان کو مشق مجاہدے اور ریاضت میں اپنی زحمت اٹھانی پڑتی ہے۔ لاشعوری مزاحمت کے سلسلے میں اس سے قبل تفصیل کے ساتھ عرض کیا جا چکا ہے جب ہم اپنے نظام جذبات کو ارادے کے تحت لانے کے لئے بطور مثال سانس کی مشقیں شروع کرتے ہیں تو کچھ دن بعد ان مشقوں کی خلاف خود اپنے اندر ایک بغاوت شروع ہو جاتی ہے۔ کسی طرح مشقیں کرنے کو جی نہیں چاہتا، نفسِ طرح طرح کے بہانے اٹھاتا ہے۔ الغرض مشقیں شروع کرنے کے بعد بڑی گواہ قسم کی وہی شکل پیدا ہو جاتی ہے۔ نصابِ تعمیر و تنظیم شخصیت S.C.T کے طالب علم کے لئے ہر مرحلے پر حدت ہوتا ہے۔ تاہم شفیق استاد کی نگرانی اور ہمت افزائی سے میں اور آپ اس منزل دشوار کو طے کر سکتے ہیں۔ درحقیقت بعض لوگ مشقیں شروع کرتے ہی اس غلط فہمی میں جکڑا ہو جاتے ہیں کہ چند روز کے بعد وہ آدمی کے بجائے دیو اور انسان سے ترقی کر کے برتر بن جائیں گے۔ جب اس غلط فہمی کا پردہ چاک ہوتا ہے تو مشقوں کی طرف سے طبیعت بیزار ہو جاتی ہے۔ نائنے ہونے لگتے ہیں۔ مقررہ ہدایات کی پابندی جی کا جنجال بن جاتی ہے ر آدمی آدمی سے میں نلک کر رہ جاتا ہے۔ عین وقت جب میں مشقوں کے خلاف لاشعوری مزاحمت کا ذکر کر رہا تھا، میرے ایک نوجوان دوست ریاض مسعود (بی ای سی ایچ ایس

۱۔ مغربی وید اساتذہ کی میں اس صلاحیت کو E.S.P اور P.S.I کہتے ہیں۔

کراچی) نے کہ ذہنی صحت مندی اور دماغی بحالی کے سلسلے میں سانس کی مشقیں کرتے ہیں یہ شکایت کی کہ ان مشقوں میں ان کا جی نہیں لگتا۔ محسوس ہوتا ہے کہ یہ مشقیں عملی شعور کے خلاف ہیں۔ میں نے ان کی خدمت میں گزارش کی کہ بے شک عملی شعور (دور اور دو چار) کے نقطہ نظر سے دیکھیں تو ان مشقوں سے نہ آپ پہلوان بن سکتے ہیں نہ چیمپیئن! البتہ ان مشقوں سے رفتہ رفتہ گہری اندرونی تبدیلیاں واقع ہوں گی انجام کار آپ کی شخصیت بدل جائے گی۔ شخصیت کی تبدیلی کا عمل در طلب سہی اور وقت طلب بھی تاہم قلب ماہیت کا یہ غیر محسوس اور بالائی عمل چتر کو بہرہ اور آدنی کو نہ جانے کیا سے کیا بنا دیتا ہے؟

سالمہا باید کہ بریک سنگ تابد آفتاب
لعل گردد در بدخشاں یا عقیق اندر یمن

چند اور تجربات

فہیم انصاری کی یہ شکایت کہ پہلے ان میں پیش بینی کی صلاحیت کار فرما تھی، اور اب وہ دب کر رہ گئی ہے۔ ریاض مسعود کے شکوے سے مختلف نہیں، دونوں جگہ نفس کا عمل ایک ہی ہے۔ مختصر یہ ہے کہ ایک تو قوانین حیات کے خواص واقعات کے بغیر ضروری اظہار پر پابندیاں عائد کر رکھی ہیں۔ تاکہ انسان نارمل طور پر ترقی کر سکے۔ دوسرے انسانی ذہن بھی ان جکڑ بندیوں کی خلاف ہمیشہ بغاوت کرنے پر مائل رہتا ہے جو نصاب تعمیر و تنظیم و شخصیت ان پر عائد کرتا ہے۔

محمود اکبر ناصر (مکتوب ۱۰ دسمبر ۱۹۶۹ء) بھی پیش بینی کی صلاحیت سے بے بہرہ نہیں، رحیم یار خان سے لکھتے ہیں کہ:

انجم میرے گہرے دوست ہیں، مستقل سکونت صادق آباد۔ رہتے لاہور میں ہیں۔ رمضان میں ارادہ کیا کہ انہیں تقریب عید کے موقع پر عید کارڈ بھیجوں۔ جب عید کارڈ ڈاک سے بھیجے لگا تو ذہن میں یہ خیال بجلی کی طرح کوند گیا کہ ”پرسوں خود انجم لے صدیوں تک ایک نگر ہونے پر سورج چمکا ہے۔ جب کہیں بدخشاں میں لعل اور یمن میں عقیق بنتے ہیں۔

ادھر آ رہا ہے۔“ یہ خیال اتنا قوی تھا کہ میں نے عید کارڈ روک لیا۔ ۵/ دسمبر کو انجم کا لاہور سے خط ملا کہ ۶ دسمبر کی شب میں آ رہا ہوں لیکن میرے القاء (شعبی خیال) کی رو سے انجم کو ۶ دسمبر کی شب میں لاہور سے آنا چاہئے تھا۔ تاہم حالات پر نظر کر کے بطور آزمائش انشیں پر گیا۔ خیبر میل کو دیکھا، چناب ایکسپریس کو ٹوٹا، مگر انجم نہ آیا۔ ۶ دسمبر کی صبح کو سندھ ایکسپریس کو بھی احتیاطاً دیکھ بھال لیا مگر القاء کے مطابق انجم ۶ دسمبر کی شب میں ہی لاہور سے رحیم یار خان پہنچے اور میرے خیال کی تصدیق ہو گئی۔ اسی طرح یہ بھی اکثر ہوا ہے کہ کسی عزیز کو خط لکھنے بیٹھا۔ القاء ہوا کہ آخر خط کیوں لکھ رہے ہو؟ وہ خود نہیں آنے والے ہیں۔ چنانچہ بعد کو اس کی تصدیق ہو گئی۔ دفتر میں بار بار ایسا اتفاق ہوا کہ کسی پارٹی کو سامان منگوانے کے لئے آرڈر دیا۔ یکا یک یہ بات دل میں ڈالی گئی (یعنی القاء کیا گیا) کہ اس آرڈر کی تکمیل نہ ہو سکے گی۔ دفتر کو بعض چیزوں (Items) کی ضرورت تھی کلرک نے رائے دی فلاں ڈیلر کو سرکلر بھیج دیں کہ فلاں فلاں سامان درکار ہے۔ پھر اس نے ڈیلروں کی فہرست میرے سامنے رکھ دی۔ میں نے چند ڈیلروں کے نام لکھ کر دوسرے ناموں پر نشان لگ دیئے۔ کلرک کا اصرار پھر بھی ایسا تھا کہ میں انہیں بھی سرکلر بھیجوں۔ حالانکہ اندر سے برابر آواز آ رہی تھی کہ جن ڈیلروں کے نام کاٹ دیئے ہیں۔ ان کے نام سرکلر بھیجنا فضول ہے۔ لیکن کلرک کا دل رکھنے کو میں نے ان کے نام بھی سرکلر بھیج دیئے۔ مگر وہ سارے سرکلر واپس آ گئے۔ البتہ میں نے جن ڈیلروں کے نام وجدانی طور پر پتے تھے۔ انہوں نے مطلوبہ سامان بھیج دیا یہی نہیں بلکہ مجھے دفتر میں بیٹھے بیٹھے خود بخود یہ علم ہو جاتا ہے کہ آئندہ چند روز میں کیا واقعات پیش آئیں گے؟ اس طرح گھر کے بارے میں یکا یک جو خیالات ذہن میں آتے ہیں، بعد کو ان کی تصدیق بھی ہو جاتی ہے۔ میں جس فرم میں کام کرتا ہوں وہاں کے ارباب اہتمام سے میرے تعلقات خراب ہو گئے، میں نے استعفاء دینے کا ارادہ کر لیا خوش قسمتی سے ملازمت کی بعض معقول پیش کشیں پہلے ہی مل چکی تھیں۔ پہلی پیشکش کسی بیرونی کمپنی کی

طرف سے تھی۔ دوسری کسی بینک کی طرف سے چنانچہ میں نے استعفاء نامہ ٹائپ کرنا شروع کیا۔ ٹائپ کرتا جاتا تھا اور یہ خیال ستا رہا تھا کہ استعفاء منظور نہ ہوگا، چنانچہ استعفاء دے کر میں کھانا کھانے چلا گیا۔ القاء یہ ہوا کہ نہ صرف استعفاء منظور نہیں ہوگا بلکہ تنخواہ میں اضافہ کر دیا جائے گا۔ حالانکہ اس خوش فہمی کی کوئی وجہ موجود نہ تھی کیونکہ فرم کے مقتدر حضرات سے تعلقات خراب تھے۔ یہ وہم بھی ہوتا تھا کہ جب یہ مطالبات خوشامد سے منظور نہ ہوئے تو استعفیٰ کی دھمکی سے کس طرح منظور ہو سکیں گے؟ مگر القاء وہم پر غالب رہا جب میں کھانا کھا کر واپس آیا تو صاحب نے بلا کر کہا کہ جاؤ اطمینان سے کام کرو۔ میں نے تمہارے سارے مطالبات منظور کر لئے ہیں۔ ایک اور واقعہ حاضر ہے۔ عید کی خریداری کے لئے میں نے ۱۰ نومبر کو تنخواہ پیشگی لے لی۔ اچانک ذہن میں یہ خیال آیا کہ تم نے بے کار پیشگی پیسے لیے۔ تم اس رقم سے کچھ بھی نہ خرید سکو گے۔ حالانکہ رقم پاس ہوتے ہوئے عید کے موقع پر کچھ نہ خریدنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا چنانچہ یہی ہوا، میں عید کی خریداری نہ کر سکا تو عالی جاہ۔ یہ ہیں وجدانی واقعات کے سلسلے میں میرے تجربے! مالک کل میرے والدین پر رحم فرما۔

سانس کی مشقوں سے ذہن پر کیا اثرات پڑتے ہیں۔ رفتہ رفتہ نفس کی کون کون سی قوتیں بروئے کار آتی ہیں ان مشقوں سے اعصاب اور دل و دماغ کس طرح متاثر ہوتے ہیں۔ مستقبل بنی، غیب دانی، القاء، وجدان، کشف اور دوسری روحی استعدادیں کس حیرت انگیز طریقے پر نظر آتی ہیں۔ یہ تمام مباحث میکڑوں خطوط کے اقتباسات کی روشنی میں آپ کی نظر سے گزر گئے۔ رئیس اکیڈمی کی تیسری (ذریعہ تربیت) پیشکش میں ارتکاز توجہ (Concentration) کی مشقوں کے اثرات ثمرات فوائد اور نتائج پر بحث کی گئی۔ باقی باقی۔

رئیس یاد ہیں لاکھوں حکایتیں لیکن کوئی سنے تو سناؤں کوئی کہے تو، کہوں

لے سانس بھی آہستہ (جلد اول) آپ کی نظر سے گزر چکی ہے۔ اس جلد میں سانس کی مشق اور ان کے اثرات کے بارے میں بہت کچھ کہا جا چکا ہے، مگر ابھی بہت کچھ کہنا باقی ہے۔ سانس کی مشقیں (جس کے بہت سے طریقے ہیں) نصاب تعمیر و تنظیم شخصیت SELF CULTURE TRAINING COURSE (S.C.T) کا بنیادی جزو ہیں۔ سانس کی مشق کے بغیر ذہنی صحت مندی، دماغی چستی اور روحی ترقی کی صلاحیتیں ابھرا نہیں، یہ ممکن نہیں، یہ مشقیں ادارہ من نفسہ (م.ع.ن. یعنی معن) کے زیر اہتمام کرائی جاتی ہیں۔ نصاب تعمیر و تنظیم شخصیت کے طلبہ و طالبات میں مشق تنفس نور اور متبادل طرز تنفس بے حد مقبول و متعارف ہیں۔ اس سلسلے میں چند شرائط پیش نظر رکھنا ضروری ہیں۔

☆ سانس کی مشق کا بہترین اور مناسب ترین وقت طلوع آفتاب سے قبل ہے۔ یہ مشق دریا کے کنارے کی جائے، تو سبحان اللہ سونے پر سہاگہ۔

☆ سانس کی مشق کے وقت معدہ بالکل خالی ہو۔ یہ مشقیں حوائج ضروریہ سے فارغ ہو کر کرنی چاہئیں، تاکہ ذہنی یکسوئی میں کوئی خلل واقع نہ ہو۔ بہتر ہے کہ کھانے کے چھ یا سات گھنٹے بعد دودھ کا ایک گلاس پی لیا جائے تو مزید فرحت بخش ثابت ہوگا۔

☆ ماہرین کا مشورہ ہے کہ سانس کی مشق دن رات میں چار بار کی جائے یعنی قبل طلوع آفتاب (۲) دوپہر (۳) شام (۴) رات کے دس بجے، ایک وقت کی مشق کا وقت کم سے کم پندرہ منٹ ہونا چاہیے۔ اعلیٰ درجہ کے تربیت یافتہ یوگی بیک وقت ۸۰ چکر سانس کرتے ہیں، لیکن عام آدمی کو بقدر برداشت سانس کی مشق کرنی چاہیے۔

☆ مشقوں کا بہترین زمانہ فردی، مارچ اور دسمبر، جنوری کے مہینے ہیں۔

☆ سانس کی مشقیں صاف ہوا دار مقام پر کرنی چاہئیں۔

لے سانس بھی آہستہ

158

☆ مشقوں سے حقیقی فائدہ حاصل کرنے کے لئے وقت کی پابندی، جگہ کی پابندی اور طرزِ نشست کی پابندی ضروری ہے۔ بصورتِ دیگر مشقوں سے فوائد کم اور دیر طلب ہو جاتے ہیں۔

☆ سانس کی مشقیں صاف ہو اور مقام پر کرنی چاہئیں۔

☆ مشق کرتے وقت کمر گردن اور سینہ ایک سیدھ میں ہو، نہ کمر جھکی ہوئی ہو نہ سینہ باہر کی طرف نکلا ہوا ہو۔ مگر دیکھ لیں کہ کسی حصہ میں کھنچاؤ اور تناؤ نہ ہو، ورنہ ارتکازِ توجہ میں مشکل ہوگی یا ناکامی۔

☆ مشق کرتے وقت دو زانو ٹیٹیں (جس طرح نماز میں) یا اور کوئی آرام دہ نشست اختیار کریں۔

☆ سانس کے اخراج و ادخال (سانس کھینچنے اور نکالنے) کا عمل ہمیشہ ناک کے سوراخوں سے کرنا چاہیے۔ البتہ اگر زکام کے سبب ناک بند ہو تو ہونٹوں سے سانس اندر کھینچیں اور باہر نکالیں۔ سانس اندر کھینچنے اور نکالنے وقت ہونٹوں کی وہ شکل بنائیں جو بوسے کی شکل ہوتی ہے۔

☆ سانس کھینچتے، سینے میں روکتے اور نکالتے وقت چہرے پر دباؤ محسوس اور تناؤ کے آثار نہ ہوں اور نہ شکل بگڑے، کوشش یہ ہو کہ ہر حصہ بدن سکون محسوس کرے۔

☆ مشقِ تنفسِ نور (یا سانس کی دوسری مشقوں) میں آنکھیں اور ہونٹ بند ہونی چاہئیں، آنکھیں کھلی ہوں تو یقیناً توجہ بھٹکتی رہے گی۔

☆ مشق کرتے وقت ذہن کی پوری توجہ سے سانس اندر کھینچتے۔ سانس کو اندر سینے میں روکنے اور سانس کو (ناک کے سوراخوں کے ذریعہ) باہر نکالنے پر مضبوط اور مرکوز رہنی چاہیے۔

☆ مشقِ تنفسِ نور ناک کے سوراخوں سے سانس اندر کھینچتے وقت تصور یہ ہوتا ہے کہ نور کا شعاع سانس کے ساتھ جسم کی اندر داخل ہو رہا ہے۔ سینے میں سانس روکنے کے

لے سانس بھی آہستہ

159

ساتھ ساتھ یہ تصور کریں کہ سینے میں روشنی پھیلی ہوئی ہے اور سانس نکالتے وقت یہ تصور کریں کہ ہوا کے ساتھ شعاع نور باہر نکل رہا ہے۔

☆ نور کے کسی خاص تصور (مثلاً سورج کی روشنی، چاند کی روشنی یا شمع کی روشنی پر ذہن کو مجبور نہ کریں۔ بلکہ ذہن کو تصور نور کے ساتھ آزاد چھوڑ دیں۔ ذہن اپنی مناسبت کے لحاظ سے خود کوئی تصور نور قائم کر لے گا۔ مشقِ تنفسِ نور کے بعض طلباء نور کے تصور اور روشنی کے رنگ میں اس قدر الجھ جاتے ہیں۔ (روشنی کا رنگ سفید ہو یا سرخ) کہ مشق کی طرف توجہ ہٹ جاتی ہے۔

☆ مشقِ تنفسِ نور میں فوری طور پر نور کا تصور قائم نہ ہوگا۔ آپ رفتہ رفتہ تصور نور پر قادر ہوں گے۔ پھر عجیب و غریب نورانی کیفیات کا احساس ہوگا۔ مثلاً اشِ اقبال (روہی سکھر) سے لکھتی ہیں کہ:

جسم روشن ہو گیا

گزشتہ روز میں یونہی وہ پہر کو لیٹی ہوئی تھی کہ اچانک تمام جسم روشن ہو گیا۔ یہ روشنی اس قدر تیز تھی کہ جسم کی سیل صاف طور پر نظر آ رہی تھیں۔ میں گھبرا کر اچھٹیلی تو یہ روشنی اچانک غائب ہو گئی لیکن جسم کچھ دیر تک ہلکا ہلکا گرم رہا۔ سانس کی مشق کے دوران میں نے جس نادیدہ وجود کے نظر آنے کا ذکر پہلے خط میں کیا تھا۔ وہ جسم مثالی سے علیحدہ ہے جسم مثالی تو سامنے رہتا ہے لیکن وہ نادیدہ جسم صرف محسوس ہوتا ہے۔ مشق کرتے وقت احساس ہوتا ہے کہ کوئی شخص پشت پر یا دائی طرف کھڑا ہے۔ البتہ دکھائی نہیں دیتا۔ مثالی جسم ادھر ادھر جاتا نظر آتا ہے عقل حیران ہے کہ یہ کیا چیز ہے جو اپنے وجود کا احساس دلا رہی ہے۔ لیکن نظر نہیں آتی۔ میں نے شاید آپ کو پہلے بھی بتلایا تھا کہ مشقِ تنفسِ نور کے دوران بارہا میں نے چشمِ ظاہر اور دیدہ باطن سے دیکھا کہ چاند کی روشنی کی مانند دودھیا روشنی ہر طرف پھیلی ہوئی ہے۔ بعض اوقات یہ روشنی اس قدر تیز ہوتی ہے کہ سارا ماحول جگمگانے لگتا ہے۔ جب تک میں سانس کی مشق کرتی رہتی ہوں یہ

روشنی قائم رہتی ہے اور جب مشق ختم کر دیتی ہوں تو روشنی غائب ہو جاتی ہے۔

عجیب عجیب صلاحیتیں

سانس کی مشق سے نفس کی عجیب عجیب صلاحیتیں بیدار ہو جاتی ہیں۔ ش۔ اقبال پابندی سے مشق شخص نور کرتی ہیں۔ ان میں اور صلاحیتیں (مثلاً شفا بخشی کے علاوہ یہ قوت بھی بیدار ہو گئی ہے کہ وہ مختلف لوگوں میں مختلف بو محسوس کرتی ہیں اور اس بو سے ش۔ اقبال کو ان کے کردار کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ لکھتی ہیں کہ ہر شخص کی بو اسی سے مخصوص ہے اور اس کا تعین اس کے عمل اور کردار سے ہوتا ہے۔ بدکاری کی بو، بدکرداری کی بو، رشوت کی بو، حرص و ہوس کی بو، منافقت کی عداوت کی بو۔ وغیرہ، اس خط (مورخہ ۴ اپریل ۱۹۷۶ء) میں لکھتی ہیں کہ:

ہاں حضرت! بدکاری کی بو میں عجیب طرح کی بساوند ہوا کرتی ہے۔ اس بو کا اندازہ صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جو روحی طور پر حساس ہوں۔

لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام آفاق کی اس کارکہ شیشہ کری کا

☆☆☆

متبادل طرزِ نفس

آرام دہ نشست میں کمر اور پشت و سر کو ایک سیدھ میں کر کے بیٹھ جائیے اور داہنے ہاتھ کے انگوٹھے کو ناک کے داہنے سوراخ پر رکھ کر بائیں سوراخ سے آہستہ آہستہ، آہستہ آہستہ، آہستہ آہستہ، سانس اندر کھینچ کر ناف سے سینے تک لایئے۔ بائیں سوراخ سے سانس اندر کھینچ کر داہنے ہاتھ کی سب سے چھوٹی انگلی (چنگلیا) اور اس کی برابر والی انگلی یعنی چوتھی انگلی سے ناک کا پایاں سوراخ بند کر لیجئے۔ سانس کو سینے میں روک لیجئے، اس کے بعد ناک داہنے سوراخ سے انگوٹھا ہٹا کر سانس خارج کر دیجئے۔ پھر اس سوراخ سے سانس اندر کھینچے اور بائیں نٹنے سے داہنے ہات کی چوتھی انگلی اور پانچویں انگلی (چنگلیا) ہٹا کر سانس خارج کر دیں۔ یہ ہوا متبادل طرزِ نفس کا ایک چکر۔ اس ٹیکنیک کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیں۔ اس مشق میں بائیں ہاتھ کا قلعہ استعمال نہیں کیا جاتا۔ صرف داہنے ہاتھ کی چوتھی، پانچویں انگلی اور انگوٹھے سے کام لیا جاتا ہے۔ سانس اندر کھینچنے، روکنے اور خارج کرنے کا تناسب ایک چار اور دو ہے مطلب یہ کہ اگر اندازاً پانچ سیکنڈ میں سانس اندر کھینچا جائے تو۔ بیس سیکنڈ تک سانس کو سینے میں روکا جائے اور دس سیکنڈ میں خارج کیا جائے، یا چھ سیکنڈ میں سانس کھینچیں تو ۲۴ سیکنڈ تک روکیں اور بارہ سیکنڈ میں خارج کریں۔ مطلب یہ کہ جتنی دیر میں سانس اندر کھینچیں، اس سے چو گئے وقفے تک سانس کو سینے میں روکے رہیں اور دو گئے وقفے میں خارج کریں۔ اچھا اب سوال یہ ہے کہ سیکنڈوں کا تعین کس طرح ہو؟ آسان طریقہ یہ ہے کہ سانس اندر کھینچ کر دل ہی دل میں ایک سے پانچ تک گنتی کیجئے (پانچ سیکنڈ ہو گئے) دس سیکنڈ تک گنتی کیجئے (دس سیکنڈ ہو گئے)، بیس تک گنتی کیجئے (بیس سیکنڈ ہو گئے) بعض لوگ سانس کی مشق میں

وقفے اور وقفے کا اندازہ گھڑی کے ذریعے کرتے ہیں۔ بہر حال یہ اپنی سہولت پر موقوف ہے۔ ابتداء میں متبادل طرز تنفس کے پانچ چکر، نماز صبح کے بعد (بہتر ہے کہ قبل) پانچ چکر نماز مغرب کے بعد اور پانچ چکر، رات کے کھانے سے قبل کریں۔ تین مہینے کے بعد سات سات چکر کرنے لگیں۔ درحقیقت سانس کے چکروں کی تعداد بڑھانا مقصود نہیں۔ صرف یہ ہے کہ آہستہ آہستہ، آہستہ آہستہ (جتنی دیر میں ممکن ہو) سانس (ناک کے سوراخوں سے) اندر کھینچا جائے۔ زیادہ سے زیادہ دیر تک سینے میں روکا جائے اور آہستہ آہستہ خارج کیا جائے، سانس کی مشق کا فائدہ یہ ہے کہ ہم نیم جاں فزا (آکسیجن) کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں ہمسم کریں، تاکہ ایک نئی دنیا میں پہنچ جائیں۔

عالم بے خودی میں گہرا سانس

سیڑہ کائنات میں ہے سفر

مدیم ضیاء ہمدانی اپنے خط مورخہ ۳۰ مارچ ۱۹۷۶ء میں لکھتے ہیں کہ عجیب بات سانس کی مشق میں محسوس ہوئی کہ جب میں سانس اندر کھینچنے کے ساتھ نورانی شعلے کا تصور کرتا ہوں تو ایسا لگتا ہے جسم شیشے کا بنا ہوا ہے اور شیشے کے بنے ہوئے جسم سے ہلکی ہلکی نورانی روشنی نکل رہی ہے اور خون کی رگیں اس طرح چمکی ہیں جس طرح سورج، اور بالکل واضح طور پر نظر آتی ہیں۔ اس وقت آنکھیں بند ہوتی ہیں اور بے تحاشا پسینہ آتا ہے۔ نور کا تصور بالکل واضح ہو گیا اور تصور نور کیا اور نگاہ باطن کے سامنے گوندے سے لپکنے لگے۔ بجلیاں سی چمکنے لگیں۔ حقلہ نور سانس کے ساتھ خارج کرتے وقت جسم خصوصاً ٹانگیں بے تحاشا کانپتی ہیں۔ اس مشق سے دائمی قبض کی شکایت (جو بچپن سے تھی) بھی دور ہو گئی۔

لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام

آفاق کی اس کارگر شیشہ گری کا

☆☆☆

قبض و بسط

صوفیوں کو اپنے روحانی تجربات میں بار بار نفسی کیفیتوں سے دو چار ہونا پڑتا ہے کہی تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ فیضان کے دروازے بند ہو گئے اور ان کی تمام روحانی صلاحیتیں سلب ہو گئیں اور کہی ایسا لگتا ہے کہ ساری کائنات خود انہی کے اندر سمٹ آئی ہے اور وہ نہ صرف اٹھارہ ہزار عالموں کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ بلکہ خود حقیقت مطلق (ذات الہی) میں جذب ہو گئے۔ پہلی کیفیت کو تصوف کی اصطلاح میں قبض (بست یعنی ذہن کا بند اور دوسرے حالت کو بسط (کشاد یعنی ذہن کا کھل جانا) کہتے ہیں۔ نصاب تعمیر و تنظیم شخصیت کا طالب علم بھی انہی کیفیتوں سے گزرتا رہتا ہے۔

خلیق الزماں خان (ڈرگ کالونی، کراچی نمبر ۲۲) کا بیان ہے کہ ۲۳ جنوری ۱۹۷۶ء کو دوبارہ مشق تنفس نور شرور کی۔ تصور نور کے ساتھ سانس

روکتا ہوں تو گرمی کا احساس ہوتا ہے اور پسینہ آ جاتا ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ آنکھیں بند کر کے جس چیز کا تصور کرتا ہوں۔ وہ چیز ہو، ہو سامنے آ جاتی ہے۔ پہلے یہ بات نہ تھی، کسی چیز کا واضح تصور نہ کر سکتا تھا۔ بلاشبہ مجھے یہ مشق تھکا دیتی تھی، اور آخری چکر یعنی ساتویں چکر پر تو ہمت ہی جواب دے جاتی ہے۔ اب میں قبض و بسط کے دور سے گزر رہا ہوں۔ کبھی قلب کھل کر گفتگو بن جاتا ہے، کبھی فوج خزاں رسیدہ کی طرح مرجھا جاتا ہے۔ حراج کا عالم عجیب ہو گیا ہے۔ گھڑی میں تو لہ گھڑی میں ماشا!

خلیق الزماں نے اس خط میں چند خوابوں کا ذکر کیا ہے۔ پہلے یہ بات عرض کر دوں کہ سانس کی مشقیں ہوں یا نصاب تعمیر و تنظیم شخصیت کی دوسری مشقیں ان کے سبب

ذہن (نفس) کی مختلف تہوں میں ہلچل سی مچ جاتی ہے۔ خیالوں اور خواہوں، واہموں اور جذلوں کی شکل میں جو کچھ اندر بھرا ہوا ہے وہ سب کچھ اچھل کر باہر آ جاتا ہے، خلقت انڑماں کے خواب سنئے:

صبح کا وقت ہے، شندھی شندھی پر کیف ہوا چل رہی ہے اور میں ہرے بھرے کھیتوں، شاداب جنگلوں اور سر بلند پہاڑوں پر اڑا جا رہا ہوں۔ اڑان اتنی اونچی ہونے کے باوجود مجھے اپنا سایہ زمین پر دکھائی دے رہا ہے۔ جہاں جی چاہتا ہے اتر جاتا ہوں۔ چنانچہ عالم خواب میں تین مرتبہ زمین سے اڑا، چوتھی مرتبہ جو زمین پر اتر آ کچھ کھل گئی۔

دوسرا خواب

میں ایک بہت بڑے ہال میں فرش پر لیٹا ہوں، کچھ اندھیرا ہے، کچھ روشنی کہ اچانک میرے جسم سے ایک اور جسم برآمد ہوا۔ جو بالکل میرا ہم شکل اور ہمزاد ہے۔ اس کے چہرے سے رعب و جلال نکل رہا ہے۔ اور اس جسم میں نورانی شعاعیں پھوٹ پھوٹ کر باہر نکل رہی ہیں۔ اس عجیب مخلوق کو دیکھ کر جو میرے اندر سے برآمد ہوئی تھی اور میری جسم شکل تھی۔ فرش پر لیٹے ہوئے جس جسم کے اندر آہستہ آہستہ روشنی اور ہال کے اندر پکڑ لگانے شروع کیے۔ جوں جوں اس جسم نورانی کی پرواز میں شدت آتی گئی جسم خاکی میں جو فرش پر لیٹا تھا میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگتا ہے۔ سات پکڑ لگا کر وہ نورانی جسم نیچے اتر آیا اور جس طرح وہ میرے وجود خاکی سے باہر نکلا تھا۔ اسی طرح پھر اس کے اندر سا گیا۔ فوراً آ کچھ کھل گئی۔ دل زور زور سے دھڑک رہا تھا اور جسم پسینے پسینے تھا۔ ایک اور خواب میں خلقت انڑماں خاں کو ایک اور دل چسپ تجربہ ہوا لکھتے ہیں کہ:

میں نے دیکھا کہ تیز نور کی کرنیں مجھ پر پڑ رہی ہیں۔ جیسے نور کی بارش ہو رہی ہے۔ میں نے گھروالوں سے کہا کہ رئیس صاحب تشریف لے آئے اور یہ جو کرنیں نظر آ رہی ہیں رئیس صاحب کی ہیں۔ گھروالوں نے ایک چارپائی پر سفید چادر بچھا دی۔ میں نے کہا رئیس صاحب تشریف رکھیے۔ پھر وہ کرنیں چارپائی کی طرف گئیں اور سفید چادر پر

برسنے لگیں۔ تھوڑی دیر بعد کرنیں خود بخود غائب ہو گئیں۔ میں نے گھروالوں سے کہا کہ رئیس صاحب! تشریف لے گئے۔ الغرض خود کو بعالم خواب میں عجیب عجیب عالم میں دیکھتا ہوں کبھی جسم نور ہی نور! کبھی روشنیوں میں نہاتا ہوں۔ الغرض بہت پر لطف سی خوشگوار! (مکتوب ۹/ مارچ ۱۹۷۶ء)

خلقت انڑماں خاں نے قبض و بسط کا ذکر کیا ہے۔ اس کا تجربہ اکثر حضرات کو ہوتا ہے۔ افضل صاحب (راولپنڈی سے) لکھتے ہیں کہ میں شخص نور کی مشق کر رہا ہوں اور اس مشق کو (۱۸/ اپریل ۱۹۷۶ء) تک سات مہینے ہو گئے۔ آنکھیں بند کرنے پر بہت تیز روشنی (جیسے سواٹ کا بلب) نگاہ باطن کے سامنے چمکنے لگتی ہے اور بائیں طرف یعنی قلب میں بھی چراغوں کی سی جھلک بٹھ ہونے لگتی ہے۔ مگر میں اب تک روشنی کے تصور پر پوری طرح قادر نہیں ہو سکا۔ سانس کھینچنے کے ساتھ تصور کرتا ہوں کہ شعلہ نور ہوا کے ساتھ اندر جا رہا ہے اور اخراج کے وقت بھی یہی تصور ہوتا ہے مگر ابھی کامیابی نہیں ہوئی۔ پچھلے مہینے بے حد ذہنی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا اور پہلے دو ہفتوں میں کافی ٹانے ہوئے۔ اس زمانے میں مشق کی طرف طبیعت بالکل راغب نہ تھی۔ دل یہ کہتا تھا کہ یہ بڑی بومیل چیز ہے۔ بعض اوقات اب بھی یہ احساس ہوتا ہے کہ ہوا ناک تک بھری ہوئی ہے۔ ہاں! فوائد بھی بہت سے ہیں۔ مگر کبھی کبھی لگتا ہے کہ سارے قائمے خواب و خیال ہو گئے۔ اس مشق سے خود لذتی کی عادت ختم ہو گئی ہے۔ نیند خوب آتی ہے، پہلے دل بہت دھڑکتا تھا، اب نہیں دھڑکتا۔

ایک نکتہ

ان مشقوں کے سلسلے میں ایک نکتہ، نفسیاتی نکتہ، یاد رکھیے۔ جس طرح پیر و مرید کے درمیان ایک روحانی رشتہ یا عامل توہم اور تنویمی معمول کے درمیان ایک نفسیاتی رابطہ پیدا ہو جایا کرتا ہے۔ اس طرح میری تجویز و تحریک پر جو حضرات (S.C.T) کی مشقیں کرتے ہیں۔ وہ اپنے کو مجھ سے بہت قریب محسوس کرتے ہیں۔

خلیق الزماں خاں نے خواب دیکھا کہ میں برستی ہوئی کرنوں کے روپ میں ان کے گھر گیا ہوں، یہ کوئی میری روحانی کرامت نہیں ہے۔ یہ ایک عام مگر بنیادی دماغی جذباتی اور روحی رابطہ ہے۔ جو استاد شاگرد کے درمیان پیدا ہو جایا کرتا ہے۔ ہاں تو قبض و بسط کا ذکر کر رہا تھا۔ کہ قبض کی کیفیت بھی بسط کی طرح عارضی ہوتی ہے۔

غلام محمد (راولپنڈی) سے رقم طراز ہیں کہ:

آخر بیا میں دن قبض (ذہنی بندش) کی شدید کیفیت طاری رہی۔ مشق میں گھٹا نوپ اندھیرے کے سوا کچھ بھی نظر نہیں آیا۔ کل یہ حالت بدلی اور مجھے کنول کے پھول سے روشنی چھتی دکھائی دی۔ ریزہ کی ہڈی میں ایک آفتیں سانپ نظر آیا جو بالشتیا تھا اور بالکل نور کا بنا ہوا۔ پھر اس کا سائز بڑھ گیا اور نورانی کو برا سا لگنے لگا۔ رات کو خواب دیکھا کہ ایک گھوڑا سر پٹ بھاگ چلا آ رہا ہے جس کا سوار گر گیا ہے۔ پھر وہی سر پٹ بھاگتا ہوا گھوڑا میرے سامنے سے گزرا تو میں ڈر گیا ویسے بہت ہی طاقت ور اور عام گھوڑوں سے بڑا، سلور گرے رنگ کا گھوڑا (یا شاید گھوڑی) تھی۔ اس سے قبل وہ چیزیں دیکھیں، سورج کبھی کے پھول سے نکلتی ہوئی روشنی، عورتوں کے برہم جسم اور اعضائے مخصوصہ (لگا تار جیسے تقریباً ۵۰ ووٹ کے برابر) ایک دروازے پر اپنے سامنے بیٹھا ہوا روشنی کا غلام محمد (ہم زاد) نظر آیا۔ میں نے کہا میرے پہلو میں آ جاؤ، وہ آ گیا پھر جیسے وہ اڑنا چاہتا ہو میں نے کہا، اڑو۔ وہ تیراک کی طرح ہوا میں تیرنے لگا۔ میں نے روشنی کے بنے ہوئے غلام محمد کو پچاس سیل دور گاؤں بھیجا پھر واپس بلا لیا۔ وہ پھر میرا ہم شکل اور میرا ہم زاد میرے اندر سا گیا۔ غلام محمد صاحب نے خط کا خاتمہ ایک شعر پر کیا ہے۔ جسے نقل کرنے سے میں اپنے کو باز نہیں رکھ سکتا۔ کیا یہ مناسب نہیں کہ ایک دلچسپ بیان کا خاتمہ ایک دلچسپ شعر پر ہو۔

آؤ ساغر، قریب بستی ہے

کوئی انسان ڈھونڈ کر لائیں

نفس برہنہ

میں نے عرض کیا تھا کہ ان مشقوں سے انسانی نفس برہنہ ہو جاتا ہے اور اس کے تمام مثبت اور منفی پہلو شعوری سطح پر نمایاں ہو جاتے ہیں۔ عجیب عجیب خواب نظر آتے ہیں طرح طرح کے مناظر سے عام خیال میں واسطہ پڑتا ہے۔ الغرض رفتہ رفتہ ان ریاضتوں کی سبب ذہن اپنے حجابات کو ترک کر دیتا ہے۔

محمد علی بھٹی (بہاول پور) نے اپنا تجربہ نفس بڑی خوب صورتی سے کیا ہے۔

ملاحظہ ہو:

ایک ایسے وقت میں۔ جب کہ شدید ذہنی کشش کے سبب میں مشق ترک کرنے کا ارادہ کر چکا تھا۔ آپ کے بریل خط نے بے حد حوصلہ افزائی کی آپ کے خط سے دل میں نئی انگلیں کروٹیں لینے لگتی ہیں، نئے نئے حوصلے اور عزائم جاگ اٹھتے ہیں۔ (مجھے اس نکتہ سے محروم نہ کیجئے گا۔) صورت حال یہ ہے کہ تمام منفی جذبات اور خیالات اور احساس ابھر کر سامنے آ گئے ہیں اور مختلف مناظر کی صورت میں ذہن کے سامنے گردش کرتے رہتے ہیں۔ سانس اندھ کھینچتے وقت تیز روشنی کا شعلہ آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے۔ سانس روکتے وقت قلب بے حد منور درخشاں نظر آتا ہے۔ کبھی کبھی سفید روشنی دل پر پڑتی ہے تو وہ ٹوٹ کر قوس قزح کے رنگوں میں بٹ جاتی ہے اور میں ان مفت رنگ روشنوں کو دل کے گرد اور دل کے اندر گردش کرتے ہوئے دیکھ سکتا ہوں۔ ایک بار اپنے تمام جسم خصوصاً بائیں پہلو (جہاں قلب واقع ہے) کو غرق نور پایا، گویا۔

خاک سے دور ہو گیا ہوں میں

ہمہ تن نور ہو گیا ہوں میں

سگریٹ اب بھی چیتا ہوں، مگر اب تمباکو کا دھواں ایسا بے مزہ لگتا ہے جس طرح ٹان سموکر (نہ پینے والے) کو کلڑی کا دھواں (۲۳ ستمبر ۱۹۷۷ء صبح) آج اس شعبہ آفتاب میں ایک عجیب نرمی کا پہلو دیکھا۔ خود بخود سانس کے ساتھ جسم میں داخل ہوا۔

لے سانس بھی آہستہ

168

بڑے پیار کے ساتھ نہاں خانہ دل میں قدم رکھا! اور اس کے ساتھ لپٹ گیا۔ اس کے بعد ایک ادائے بے نیازی کے ساتھ سانس کے راستے خارج ہو گیا (یہ عمل جلی بھٹی صاحب کا تحریر کردہ فقرہ اس کا ایک لفظ میری کچھ میں نہیں آیا۔ ”شعبہ آفتاب“ سے ان کی کیا مراد ہے جو بہت نرمی کے ساتھ قلب کے نہاں خانے میں داخل ہوا اور سانس کے ساتھ خارج ہو گیا۔)

نوٹ: ممکن ہے شعلہ آفتاب لکھنا چاہ رہے ہوں اور شعبہ آفتاب لکھ گئے۔ (مرتب)

بنیادی تبدیلیاں

جی ہاں ان مشقوں سے انسانی شخصیت میں بنیادی تبدیلیاں رونما ہونے لگتی ہیں، ایک اور صاحب کا بیان ملاحظہ ہو پچھلے سات دن میں! دل کی دھڑکن بے قاعدہ ہو گئی ہے۔

صبح ناشتے کے بعد رات کے کھاٹے کے بعد، نوسوار کھانے یا کسی سے ہم کلام ہوتے وقت قلب کی دھڑکن ایک محسوس منٹ کے تجاوز کر جاتی ہے۔ کبھی کبھی مشق شخص کو رے قبل یا مشق کے دوران ضربات قلب میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ سانس کے ادخال اور جس (سانس لینے میں روکنا) اور اخراج اک وقفہ پہلے اور آخری پکڑ میں بالترتیب ۱۵-۲۵ اور ۲۰-۵۰ سیکنڈ ہے۔ سانس لینے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی۔ البتہ سانس کو روکنے وقت پہلے پکڑ میں دقت ہوتی ہے۔ دل بری طرح دھڑکتا ہے اور چھین سی محسوس ہوتی ہے۔ مشق شروع کرنے کے دوسرے روز مغرب کے وقت آخری پکڑ میں ماحول سے بالکل بے خبر ہو گیا۔ معمولی آہستہ بھی اعصاب پر بہت زور ڈالتی ہے کانوں میں سائیں سائیں ہونے لگتی ہے، کان گرم ہو جاتے ہیں، ہلکی ہلکی پیش محسوس ہوتی ہے۔ ۲۰/ جنوری کو مغرب کے وقت آخری پکڑ میں محسوس ہوا کہ جسم کے نچلے دھڑ سے ایک آندھی اٹھی اور بہت برقی رفتار سے اوپر کی

لے سانس بھی آہستہ

169

طرف بڑھی اور اوپر کے دھڑ میں سنسنائٹ پیدا کرتی، گرمائی، سر کی جانب بڑھی اور دماغ میں سنسنائٹ ہونے لگی۔ مشقوں میں اکثر کان گرم ہو جاتے ہیں۔ ۲ مرتبہ آنکھیں بند کرتے ہی نگاہ باطن کے سامنے نور کی چادر پھیل گئی اور سانس کی رفتار کے ساتھ روشن تر ہوتی چلی گئی۔ عجیب بات یہ کہ اندر کھینچنے وقت آنکھوں کے سامنے دووں بھیچر دے آ جاتے ہیں اور ایسا نظر آتا ہے کہ ان میں نور بھرا جا رہا ہے اور نور بھرے جانے کے سبب بھیچر دے پھیل رہے ہیں، اور ان کا رنگ چاندی جیسا ہوتا جا رہا ہے۔ سانس روکنے ہی قلب سامنے آ جاتا ہے۔ دیکھتا ہوں کہ بھیچر دوس سے نور رس رس کر قلب میں منتقل ہو رہا ہے اور قلب کی رنگت روپہلی ہوتی چلی جا رہی ہے۔ قلب کی ساخت پیش نظر رہتی ہے اور وہ دھڑکتا نظر آتا ہے۔ سانس خارج کرتے وقت یہ تصور غائب ہو جاتا ہے۔ اب چند حقائق تداویر کی تفصیل سنئے جو میں سانس کی مشق میں اختیار کرتا ہوں:

(الف) سردی کے سبب ناک بند ہو جائے تو مشق سے پہلے (NOSAL DROPS) استعمال کر لیتا ہوں جس سے ناک کھل جاتی ہے اور سانس لینے میں آسانی اور فرح محسوس ہوتی ہے۔ (ب) دوپہر کا کھانا بند کر دیا ہے، البتہ شام کے چار بجے چائے کے ساتھ ہلکی چیز کھا لیتا ہوں۔ (ج) دو زانو بیٹھ کر مشق کرنے میں آسانی ہے۔ کمر، پیٹھ اور سر ایک سیدھ میں ہوتا ہے۔ (د) اڑے اور پھٹلی کا استعمال بند کر دیا ہے۔ البتہ گوشت کا شوربہ کھاتا ہوں، بوٹی نہیں پکھتا۔ ان مشقوں کے سبب اپنی شخصیت میں حسب ذیل بنیادی تبدیلیاں محسوس کرتا ہوں۔

(۱) بات بات پر الجھن اور بے چینی کی عادت ہو گئی ہے۔ (۲) خواب ہائے بیداری (DAY FREEMING) سے بہت کم واسطہ پڑتا ہے۔ (۳) طبیعت میں ہلاکت پیدا ہو رہی ہے۔ (۴) کبھی کبھار ایک آدھ سگریٹ پی لیتا ہوں، مگر طبیعت ادھر مائل نہیں ہوتی، البتہ نوسوار کھاتا ہوں، گویا یقین کامل ہے کہ اب مجھ میں اتنی خود اعتمادی پیدا ہو گئی ہے کہ چاہوں تو نوسوار کھانا ترک کر دوں! مشقیں شروع کرنے کے بعد

خواب روشن اور واضح ہو گئے ہیں، عجیب احساس ہوتا ہے۔ یعنی دنیائے خواب کے لوگ مجھے اہمیت دینے لگے ہیں اور میں معاشرے کا ایک کارآمد فرد بنتا چلا جا رہا ہوں۔ ۱۸ جنوری کی رات کا واقعہ ہے کہ میں مشقِ تنفس اور کے پانچ چکر کر کے لیٹ گیا۔ بدن ڈھیلا چھوڑ دیا اور اپنے آپ کو صبح ۶ بجے نماز اور مشق کے لئے جگانے کی تاکید، اس وقت مجھے آواز عجیب سی لگی۔ تب میں نے خود کو مخاطب کر کے کہا تمہارے دل و دماغ کے درمیان کھلنے جا رہے ہیں۔ اس وقت محسوس ہوا کہ یہ آواز گہرے کنوئیں سے آ رہی ہے۔ میں خود اپنی آواز سے ڈرنے لگا۔ یہ آواز سیدی دل میں اترتی محسوس ہوئی۔ یوں لگا کہ یہ آواز میرے پورے جسم میں ارتعاش پیدا کر رہی ہے، خصوصاً دماغ میں۔ (خالد) خود اعتمادی

عام طور پر نفسیاتی مریض خود اعتمادی اور حقیقت پسندی کی صلاحیت سے محروم ہوتے ہیں۔ ان مشقوں (خصوصاً) مشقِ تنفس اور متبادل طرزِ تنفس کے ذریعہ رفتہ رفتہ انسان میں یہ صلاحیتیں نمودار ہونے لگتی ہیں۔ محمد حسین عاقل (حیدر آباد) لکھتے ہیں کہ میں جو احساس کتری کا مریض تھا، اب خود اعتمادی کے مانجے میں ڈھل رہا ہوں۔ مشق کرنے کے بعد عجیب طرح کا سرور محسوس کرتا ہوں، جیسے مجھے دنیا میں کوئی غم نہیں جیسے میں ہر الجھن سے آزاد ہوں، البتہ کبھی کبھی یہ خدشہ ہوتا ہے کہ مبادا پھر احساس کتری کا دورہ پڑ جائے۔ دورانِ مشق پسینہ بھی بہت آتا ہے جسم پر چھوٹیاں ریگنے کا احساس ہوتا ہے۔

ذہن پر جیسے چھوٹیاں ریگیں

اف یہ میرے لطیف احساسات

چھوٹیاں ریگنے کا احساس سانس خارج کرتے وقت ہوتا ہے۔ نور کا تصور ابھی تک نہ ہو سکا۔ اس ضمن میں ایک خواب کا تذکرہ ضروری ہے۔ دیکھا کہ میرے ہاتھ میں کرکٹ کا بلا ہے اور میں پیدل نہ جانے کون سے شہر کی طرف جا رہا ہوں۔ ایک جگہ

دیکھا کہ تمام افراد خاندان وہاں موجود ہیں اور کسی پر اسرار ہستی کو قتل کرنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔ وہ شخص جس کے قتل کا ارادہ ہے، کافی خطرناک ہے۔ تجویز یہ ہے کہ جب وہ کسی پیٹرول پمپ پر قیام کرے گا تو وہاں پہنچتے ہی اسے بم سے اڑا دیا جائے گا۔ اس بم کو خاص ترکیب سے تیار کیا گیا۔ یعنی انسانی خون سے! اور اس نسخہ میں میرا خون شامل ہے۔ دیکھا آپ نے کتنا عجیب خواب ہے۔ یہ خواب محمد حسین عاقل کے لاشعور سے ابھرا ہے۔ اس خواب کا ہر منظر تشریح طلب ہے۔ ایک پر اسرار خطرناک ہستی، اس کے قتل کا منصوبہ، خوئیں بم کی تیاری۔ ایک اور بیان ملاحظہ ہو۔

میرا ابتدائی ماحول بہت ناسازگار اور مخالفانہ تھا۔ میں بچپن میں انتہائی شرمیلا اور سادہ مزاج، مگر ماں کی بے شمار امیدوں کا مرکز تھا۔ اس ہمت شکن ماحول کے سبب میرے اندر بہت سی خامیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ جن سے اب تک نبرد آزما ہوں۔ کوتاہ قامت ہونے کے سبب سخت احساس کتری میں مبتلا تھا۔ عدم اعتماد، شرم، جھجک، چال میں کھڑکھڑاہٹ، الغرض ایک زمانے میں مجموعہ خرافات تھا۔ ان میں سے کافی خامیوں پر غالب آچکا ہوں اب جو کمزوریاں باقی ہیں ان پر بھی امید ہے کہ رفتہ رفتہ غالب آجاؤں گا۔ آپ نے مشقیں تجویز کی تھیں وہ میں نے اس مظلانہ خیال کے تحت ترک کر دی تھیں کہ میں لاشعوری مزاحمت کا سامنا نہ کر سکوں گا۔ اب پھر میں نے مشقِ تنفس اور شروع کر دی ہے۔ میں ڈنٹی اور جذباتی طور پر ایک عجیب رشتے میں آپ سے منسلک اور وابستہ ہوں۔ اگر یہ رشتہ نہ ہوتا تو میں والد مرحوم کے غم میں رو رو کر کبھی کا ہلاک ہو گیا ہوتا۔

دیکھ اے اٹک رواں! یہ تو میرا چہرہ ہے

سنگ کٹ جاتے ہیں۔ پانی کی جہاں دھار گرے

فی الحال حسب ذیل کیفیات کا تجربہ کر رہا ہوں!

(۱) نورانی شعلہ ناک سے گلے تک نظر آتا ہے، پھر غائب ہو جاتا ہے۔ جب سانس روکتا ہوں تو یہی شعلہ نور بائیں طرف چمکنے لگتا ہے۔ کبھی مدہم کبھی تیز شیشے

کی طرح۔ (۲) کچھ دن تک رگوں کا ایک شفق نما دائرہ سادل کے گرد گھومتا نظر آیا۔ (۳) احساس کتری جھک اور دوسرے مثنیٰ جذبے اکثر اس طرح غائب ہو جاتے ہیں جس طرح کوئی چادر سے گرد جھاڑ دے۔ لیکن کبھی اس کے برعکس جذبات میں شدت پیدا ہو جاتی ہے۔ (۴) پہلے پھر کے دوران سرور کی عجیب سی لہریں رگ رگ میں دوڑنے لگتی ہیں۔ خصوصاً جسم کے مثنیٰ اعضاء میں۔ (۵) چند دن نور میں سانپ لہراتے نظر آتے رہے۔ بعض اوقات تو ایک بہت بڑا کوبرا سینے پر محیط نظر آتا ہے۔ (۶) تین روز تک جب معاملہ پیش آتا ہے۔ دیکھا کہ زرد روشنی کا بنا ہوا ایک مجھ جیسا انسان ہوا میں آلتی پالتی مارے بیٹھا ہے۔ (۷) ایک روز ایسا لگا کہ قلب سے روشنی بڑی تیزی کے ساتھ نکل رہی ہے اور اس روشنی میں میری محبوبہ کھڑی ہے۔

رات کی سطح پر اترے ہوئے چہرے کے نقوش

وہی چپ چاپ سی آنکھیں وہی سادہ سی نظر

(۸) ایک دن دیکھا کہ سینے پر کلہ شریف لکھا ہوا ہے، اور اس میں سے نورانی کرنیں نکل رہی ہیں۔ (۹) اکثر ایک خوب صورت ہیرا (جس کا نظر آتا ہے، پھر ایک کوڑی میں سے نور نور پھوٹ پڑتا ہے۔ (۱۰) کل رات جسم کے شرمناک اعضاء کے عکس نظر آئے۔ (۱۱) آج صبح دیکھا کہ قلب میں بالکل اندر ہے۔ (غ۔ محمد)

کیفیت پرواز

علی نواز شاہ (مورو) نے مشق تنفس نور کے سبب خود اعتمادی کی وہ شدت محسوس کی کہ اپنے آپ سے باہر "ہو جانے کا اندیشہ ہونے لگا" لکھتے ہیں کہ: اب سینے کے مشق سے کیا کچھ محسوس ہوا۔ جہاں تک اثرات کا تعلق ہے تو فوائد ہی فوائد ہیں۔ خود اعتمادی اور مستقل مزاجی میں برابر اضافہ ہو رہا ہے۔ کام سے دل چسپی بڑھی ہے، پہلے دوستوں کے ساتھ ادھر ادھر کی کپ بازی میں جو وقت صرف ہوتا تھا۔ وہ

اب مفید مشاغل میں گزرتا ہے۔ اپنے اوپر بہت کچھ قابو پا چکا ہوں، روزے بھی رکھ رہا ہوں۔ گوشت چھلی، چائے، سگریٹ ناپسند ہیں۔ کبھی دورانِ مشق بے خودی طاری ہو کر کیفیت پرواز (جیسے اڑ رہا ہوں) کا احساس ہوتا ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ مشق ختم کرنے کے بعد چار پانچ منٹ تک آنکھیں کھولنے کو جی نہیں چاہتا، بہت سرور محسوس ہوتا ہے۔ جس طرح سیلف مینا ٹائزڈ ہو گیا ہوں۔ تصور نور خوب پختہ ہو چکا ہے۔ پچھلے ایک ماہ میں صرف دو مرتبہ سوتے میں یہ احساس ہوا کہ میں جاگ رہا ہوں اور سو بھی رہا ہوں۔ اس حالت میں (میرا اندازہ ہے کہ) گردشِ خون اس طرح ہوتی ہے کہ پاؤں سے لے کر سر تک لہریں نکلنے لگتی ہیں۔ (جس طرح شدتِ خوف میں) اس حالت میں بول سکتا ہوں نہ بل جل سکتا ہوں۔ دماغ ماؤف ہو جاتا ہے۔ یہ لہریں باقاعدہ سر سے پاؤں تک اور پاؤں سے سر تک چلتی ہیں۔ تاہم ارد گرد کی آوازیں سننا رہتا ہوں البتہ خود نہیں بول سکتا۔ ایک بات اور سننے میں جب جب چاہتا ہوں ارادے کی قوت سے گردشِ خون کو تیز (یا ست) کر سکتا ہوں۔ یہ فعل دل سے شروع ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ (گردشِ خون) کا تصور کرتے ہی دل سے لہریں کی ہشتی ہیں اور جسم میں پھیل جاتی ہیں اور اکثر خون کی رفتار بدل جاتی ہے۔ علی نواز شاہ کو مشق تنفس نور سے لہریں دوڑنے کا احساس ہوتا ہے اور اظہر منظور (سمہ سہ بہاول پور) کو چنگاریاں نکلنے کا! ان کا بیان ہے کہ مشق سے کر میں جھٹکے لگتے ہیں۔ سانس کھینچتے وقت جسم پسینہ پسینہ ہو جاتا ہے۔ بہت گرمی لگتی ہے، جیسے جسم سے چنگاریاں نکل رہی ہوں۔ تصور نور سے بڑی لذت کا احساس ہوتا ہے۔ طبیعت فرح ناک ہو جاتی ہے۔ خالی پیٹ مشق کروں تو حزا دو بالا ہو جاتا ہے۔ (مشقوں کی بدولت) چہرہ سرخی مائل ہو گیا ہے، دماغ کل سما گیا ہے۔ خدو خال پر کشش ہو گئے ہیں دوست احباب حیرت سے اس تبدیلی کا ذکر کرتے ہیں۔ مختصر یہ کہ میں اس مشق کے سبب اندر باہر سے بدل رہا ہوں۔ خالد محمود (لاہ کالج لاہور) کی حالت اور بھی اطمینان بخش ہے۔ (رقم طراز ہیں) کہ:

پہلے ہی روز سے سکون قلب کا احساس ہوا اور اب صورت یہ ہے کہ طبیعت ہر وقت کفایت دیتی ہے۔ کبھی کبھی جی چاہتا ہے کہ رقص کرنے لگوں تاہم اس جذبہ رقص و وجد پر قابو پا لیتا ہوں۔ حسب ذیل فوائد کا نمایاں طور پر احساس ہوا: (۱) آنکھیں کشادہ اور روشن ہو گئی ہیں۔ (۲) اندھیرے میں آنکھوں کے سامنے ایک شعاع نور بنتی ہے اور آخر میں جا کر شعاع ایک گولہ نور کا بن جاتی ہے۔ (۳) اس زمانے میں طرح طرح کے خواب آئے کبھی جنسی خواب، کبھی قتل و خون کے خواب! ایک دن دیکھا کہ قبرستان میں ایک قبر کے پاس لیٹا ہوں۔ نور کی بارش ہو رہی ہے، گلے میں منوں پھولوں کے ہار پڑے ہیں۔ سینے پر قرآن پاک کھلا ہوا ہے جسے میں بشوق پڑھ رہا ہوں۔

خالد محمود کا بیان بھی سنئے:

جنت کی خوشبو

یقین کیجئے کہ اس دوران میں اتنی مسکور کن خوشبو آئی کہ مدھوش و مخمور ہوتا چلا گیا۔ احساس ہوا کہ یہ جنت کی خوشبو ہے۔ درگاہ کہ کہیں اس نئے اور مدھوشی کے عالم میں مر نہ جاؤں، چنانچہ آٹھ گھنٹے کی کوشش کی، تو آنکھیں کھل گئیں۔ دیکھا کہ سخت خدا کے عالم میں ہوں۔ سانس کی مشق میں اب روشنی کا شعلہ ناک کے سوراخوں سے بہت قریب آ جاتا ہے۔ جسم میں سنسنی دوڑ جاتی ہے، پھر بے خودی کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ یکا یک شعلہ نور سیاہ رنگ کا ہو جاتا ہے اور میں ڈر جاتا ہوں۔ لیکن اس خیال سے تسلی ہو جاتی ہے کہ آپ میری طرف متوجہ ہیں۔ سلمہ (مکتوب ۵ نومبر/۱۹۷۴ء) نے مشق شروع کرتے ہوئے دیکھا کہ ان اللہ مع الصابرين کی نورانی نعمت سینے میں چمک رہی ہے۔ لکھتی ہیں کہ میں نے ۲۰/۱۱/۷۴ء سے مشق شخص نور شروع کی، ابتداء میں ناسے ہوتے ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ کبھی تصور نور کوشش کے باوجود قائم نہیں ہوتا اور ایسا ہوتا ہے کہ مشق ختم کرتی ہوں تو قلب روشن ہو جاتا ہے۔ یہ روشنی کافی دیر تک قائم رہتی ہے اکثر رات کو مشق کے بعد دل جگمگ کرنے لگتا ہے۔ کبھی قلب پر اللہ، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور

علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسمائے نورانی بخیر نور کندہ نظر آتے ہیں۔ ابھی چند روز ہوئے کہ دوران مشق ایسا لگا کہ سوچے جسم سے لال لال شعلے اٹھ رہے ہیں۔ یہ کیفیت بھی ایک ٹاپے میں ختم ہو گئی۔ لیجئے اور سنئے، خواب میں جس شخص کو دیکھا اس سے چند روز بعد یا دوسرے دن ہی ملاقات ہو جاتی ہے۔ ایک دو بار تو جو کچھ خواب میں دیکھا حقیقت میں وہی ہوا۔ یہاں تک کہ خواب میں جو الفاظ ادا ہوئے تھے۔ بیداری میں بھی ٹھیک وہی الفاظ زبان سے نکلے۔ یہ بات شاید آپ کے ریکارڈ میں نہ ہو کہ تین مہینے ہوئے مجھے طلاق ہو چکی ہے اور شوہر نے کسی دوست کے کہنے سے مجھے گھر سے نکال دیا ہے۔ دو سال تک اس نے مجھ سے جو سلوک کئے اس کا تصور بھی ہولناک ہے۔ آپ جانور بھی پالیں تو اس کے ساتھ یہ برتاؤ نہ کریں۔ ان حالات میں صحت کا گر جانا تعجب انگیز نہ تھا۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ ان مشقوں کے سبب ”سکون قلب“ واپس آ رہا ہے۔ صحت بھی بہتر ہوتی جا رہی ہے۔ بلکہ اگر میں یہ کہوں تو مبالغہ نہ ہوگا کہ اگر میں آپ کی تجویز کردہ مشقوں پر عمل نہ کرتی تو شاید اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھتی۔ ایک بار تو میں نے گھبرا کر بہت سی گھولیاں کھالی تھیں۔ مگر سخت جان تھی فحش گئی۔ اب قدرے سکون ہے دن گزر رہے ہیں۔ مگر کل اچانک معمولی بات پر اتنا غصہ آیا کہ بے قابو ہو گئی اور کافی دیر تک بکتی رہی۔ اس کے بعد بہت روٹی پورا دن سخت بیزار کی عالم میں گزرا، چپ لگ گئی کھانا بھی نہ کھایا گیا، بار بار جی بھرا آتا۔

مگر آنسو پی لیتی، دوسرے دن پھر معمول کے مطابق ہو گئی۔ ان مشقوں سے مجھ میں کافی خود اعتمادی پیدا ہو گئی ہے۔ پہلے دو چار مہمان بھی آ جاتے تھے تو میں ان کا سامنا نہ کر سکتی تھی۔ لیکن اب تو مجمع میں جانے سے بھی ڈر نہیں لگتا۔ پہلے مشکل سے دن بھر میں ایک قمیض تیار ہوتی تھی اب کارکردگی میں اضافہ ہو گیا ہے کہ گھر بیٹو کام نمنا کر دو تین کپڑے ہی لیتی ہوں اور تھکان بھی نہیں ہوتی۔ میری کمزوری کا عالم یہ ہے کہ مٹی، جون میں ٹھنڈے پانی سے نہا نہیں سکتی تھی۔ فوراً سردی سے کپکپاتی لگتی اور پٹکسا بند

کردیتی، بارش کے بعد باہر نہ نکل سکتی تھی۔ جب گرمیوں میں یہ حال تھا تو اندازہ کیجئے کہ سردیوں میں کیا کیفیت ہوگی سردی شروع ہوتے ہی موزے اور سوٹر کے بغیر زندگی کا تصور ممکن نہ تھا۔ اب یہ صورت ہے کہ گھر والے رضائی اوڑھ کر سوتے ہیں اور میں ایک چادر میں گزرا کر لیتی ہوں۔

خلائی کیفیت

S.C.T (نصاب تعمیر و تحظیم شخصیت) کے اکثر طلبہ و طالبات اب مشقوں کی نسبت اپنے تاثرات قلم بند کر کے بھیج رہے ہیں۔ ان تاثرات کے مطالعہ سے نفس انسانی کے بارے میں عجیب عجیب خصوصیات کا انکشاف ہوتا ہے۔ مثلاً بے وزنی کا احساس، یہ ایک خلائی کیفیت ہے جب خلا باز زمین کے مرکز ثقل کی حد سے نکل جاتا ہے تو اسے بے وزنی کا احساس ہوتا ہے۔ ڈاکٹر عبدالحمید (مجمرات شہر) کا بیان ہے کہ مشق میں سبز روشنی کا تصور کا پختہ ہو چکا ہے لیکن کبھی ذہن روشنی کے کسی تصور کو قبول نہیں کرتا۔ نجانے کیوں؟ کبھی کبھی آنکھیں کھول کر جب تصور نور کرتا ہوں تو ہر سانس میں نولہ کی آمد و رفت جاری ہو جاتی ہے۔ ایک بات عرض کروں کہ رات کے وقت مشق شخص نور کرتے وقت تمام کمرے میں سنہری روشنی پھیل جاتی ہے اور بے وزنی کا احساس ہوتا ہے۔ جسم بالکل بے وزن ہو جاتا ہے، سانس کی رکاوٹ کا یہ حال ہے کہ اکثر اوقات چار یا پانچ منٹ تک آسانی سے سانس روک لیتا ہوں اور کبھی آدھے منٹ بھی سانس نہیں رکھتا۔ اس صورت میں روشنی کا تصور قائم ہونا ممکن نہیں البتہ اگر سانس سینے میں رک جائے تو بسولت تصور نور پیدا ہو جاتا ہے۔ محمد سعید خان (کراچی) میں مشق شخص نور کے سبب کشف کی صلاحیت بیدار ہو گئی۔ میں نے پیدا کے بجائے دانستہ طور پر بیدار رکھا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کشف اور مستقبل بینی کی مفت حیات کے اوصاف میں داخل ہے۔ اس دہشت ناک کائنات میں جہاں قدم قدم پر زندہ وجود کو ہٹا کا خطرہ لاحق ہے اگر زندگی کشف، ٹیلی ویشن اور چمچی حس کی قوتوں سے مسلح نہ ہوتی تو ممکن نہ تھا کہ وہ ان ہفت

خوانوں کو سر کر سکتی۔ جن سے گزر کر درجہ ارتقاء پر فائز ہوئی ہے۔ حیوانات نطق کی نعمت سے محروم ہیں ان کے درمیان رابطہ کا ذریعہ صرف ایک ہی ہے۔ اشارتی ابلاغ یعنی لفظوں کے بغیر ایک دوسرے کے خیالات کو سمجھ لیتا اور ایک دوسرے کے طرز عمل کے باطنی مفہوم سے وقف حاصل کر لیتا۔ سعید خان لکھتے ہیں کہ میں اپنی مصنوعات کے علاوہ دوسرے دکا نداردوں سے بھی مال لے کر اپنے مال کے ساتھ سپلائی کر رہا ہوں جہاں لوگوں کو رقم دینا ہوتی ہے وہاں ان سے رقم لینا بھی ہوتی ہے۔ اگر رقم کی وصولی میں دیر ہو جائے تو یقیناً ادائیگی میں تاخیر ہوگی۔ جب بھی یہ صورت حال درپیش ہوتی ہے خوف سے لرزہ براندام ہو جاتا اور لوگوں کے سامنے جانے سے گریز کرتا۔ یہ میرے اندر بہت بڑی کمزوری تھی۔ لوگ کہتے تھے کہ رقم میں دیر سویر تو ہو ہی جایا کرتی ہے آپ لٹے سے کیوں گریز کرتے ہیں۔ کیونکہ اس طرح کاروبار میں خلل پیدا ہو جاتا ہے آپ لٹے سے تو گریز نہ کریں۔ میں بھی اس نکتہ کو سمجھتا تھا لیکن خوف پر غالب آتا میرے امکان سے باہر تھا۔ اب خدا کا شکر ہے کہ مشق شخص نور کے سبب میں اس خوف پر غالب آ گیا ہوں۔ گھبراہٹ بالکل ختم ہو گئی ہے اور ذہنی سکون مل گیا ہے۔ اب چند باتیں اور سن لیجئے، میں اس زمانے میں مذہبی پابندیوں سے بیزار رہتا تھا۔ آپ کے بھارتی افسر مضمین پڑھ کر میں نے گناہوں سے توبہ کی۔ اب روزانہ مشق شخص نور کرنے کے بعد صبح کو اور شب میں گیارہ گیارہ مرتبہ درود تاج پڑھتا ہوں اور اس کا ثواب حضرت داتا گنج بخش ججویری رحمۃ اللہ علیہ کی روح پر فوج کو بخش دیتا ہوں اور اپنے گناہوں کی معافی طلب کرتا ہوں۔ یہ بھی تصور کرتا ہوں کہ میرے اندر کشف کی صلاحیتیں بیدار ہو رہی ہیں الحمد للہ کہ اس مقصد میں کامیابی نصیب ہوئی ہے!

لاشعوری مواد

آپ کے علم میں ہے کہ ان مشقوں سے لاشعوری مواد ابھر کر شعور کی سطح پر آ جاتا ہے۔ لاشعوری مواد سے کیا مراد ہے؟ بچہ بطن مادر سے برآمد ہوتے ہی خارجی

ماحول کی ٹکس پذیری اپنے علم اور ارادے کے بغیر کرنے لگتا ہے وہ جو کچھ دیکھتا اور سنتا، چھوتا اور سونگھتا ہے اس کی تصویر حافظہ کے نیچے پر چھپ جاتی ہے۔ پیدائش کی ساعت اول سے لے کر دم باز واپس تک ٹکس پذیری کا یہ سلسلہ جاری رہتا ہے اور بے شمار مانوس اور نامانوس تصویریں نفس (لاشعور) میں محفوظ رہتی ہیں۔ یہی لاشعوری مواد یا حافظہ کی دفن شدہ تصویریں کبھی خواب میں نظر آتی ہیں اور کبھی عالم خیال میں!

جو کچھ کہ خواب میں تھا وہی ہے خیال میں

یہی لاشعوری مواد مشقوں کے دوران تصویریں روپ میں سامنے آتا ہے۔

عبدالکیم (بہار لاہوری ٹیڈو آدم) کا بیان ہے کہ:

سانس کی مشق کرتے ہوئے جب سانس روکتا ہوں تو انجانی صورتیں نظر آتی ہیں بعض اوقات انہی انجانی شکلوں میں بعض جانی پہچانی صورتیں بھی ہوتی ہیں کبھی کبھی مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کی جھلک نظر آتی ہے۔ مثلاً چند روز قبل دوران مشق نظر آیا کہ کسی ریل گاڑی کو زبردست حادثہ پیش آ گیا ہے۔ دوسرے روز ریڈیو سے ٹرین کے حادثہ کی خبر معلوم ہوئی۔ سانس کی مشق کے دوران بدن گرم ہو جاتا ہے۔ جسم کے بعض عضلات پھڑکنے لگتے ہیں اور جسم پر چھوٹیاں سی رہتی محسوس ہوتی ہیں۔ ذاکر حسین (ملیر کراچی) نے مشق شخص نور کے دوران استغراق و بے خودی کا ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ اس کیفیت استغراق کو الفاظ کے ذریعہ بیان کرنا ممکن نہیں ہے اکثر اپنے گرد ہالہ نور کو قصاں پاتا ہوں۔ اس ہالہ نور میں کبھی کبھی اپنی شبیہ ابھرتے ہوئے محسوس ہوتی ہے اگرچہ یہ منظر صرف چند لمحہ قائم رہتا ہے لیکن یہ چند لمحے طویل مدت کی طرح ذہن سے گزرتے ہیں۔

محویت کامل

جس چیز کو ہومیو پیثی میں وائٹل فورس (قوت حیات) کہتے ہیں۔ وہ راجیہ یوگ میں کنڈا لانی کہلاتی ہے۔ روسی سانس دانوں نے کیرلین فوٹو گرافی کے ذریعے

انسانی ہالہ نور (ہر شے کے گرد ایک نورانی ہالہ نور ہوتا ہے۔ یہ عرف عام میں ہم زاد) کی جو تصویر کشی کی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جسم مثالی (روسی سانس دان اے انرجی باڈی کہتے ہیں) کس شدت سے انسانی جسم پر اثر انداز ہوتا ہے۔ سانس اور ارتکاز توجہ کی دوسری مشقوں سے قوت حیات یا کنڈا لانی کھتی انگڑائی لے کر جاگتی ہے اور اس وقت مشقیں کرنے والے کو عجیب و غریب کیفیات کا احساس ہوتا ہے۔

اس سلسلہ میں (س۔ معرفت راج کمار گھوگی) کا بیان سنئے۔ رقم طراز ہیں کہ اس مینے سانس کے پکروں کی مدت میں اضافہ ہوا ہے اور مشق کی مدت دس منٹ کی بجائے گیارہ بارہ منٹ بھی ہو گئی ہے۔ آپ کا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ S.C.T کورس میں ابتدائی چالیس روز بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ اس زمانے میں سلف کلچر ٹینک کورس S.C.T کے طالب علم کو مشق کرنے کا طریقہ نظر آتا ہے اور (۱۰۰) دن میں مشقیں مستحکم ہو کر بڑھ چکی ہیں اور چوتھے مینے میں پھٹک پیدا ہوئی ہے۔ اس مادہ کے ابتداء ہی میں تصور نور واضح تھا۔ ۱۱، ۱۲، ۱۳ دمبر کو محبت میں سرسراہٹ اور گرمی محسوس ہوئی۔ کنڈا لانی کھتی کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ ریڈیو کی ہڈی کے نچلے حصہ میں یہ قوت سانپ کی شکل میں کنڈلی مارے بیٹھی رہتی ہے ریڈیو کی ہڈی میں سرسراہٹ اور گرمی کے ساتھ مل کر عجیب محویت کامل کی حالت طاری ہو گئی ہے۔ محویت میں نہ صرف گرد و پیش سے غافل ہو جاتا ہے بلکہ خود رک کا تصور بھی فراموش ہو جاتا ہے۔ اپنی ہی خبر نہیں دیتی۔ آنکھیں اوپر کو چڑھ جاتی ہیں اور تصور نور میں اوپر وسیع و عریض آسمان کی جھلک بھی شامل ہو جاتی ہیں۔ ۱۵، ۱۶، ۱۷ دمبر کے بعد مندرجہ ذیل کیفیات میں مزید شدت پیدا ہو گئی۔ البتہ ۱۲ دمبر کو مشق کرتے ہوئے پیٹ میں درد کی لہریں اٹھیں۔ جس کے سبب تصور نور مدہم پڑ گیا۔ صبح سوچی (صبح نہار منہ سانس کی مشق) میں تصور واضح نہ تھا۔ ۲۶ دمبر کے بعد مشق کرتے وقت سر اور بالخصوص پیشانی کے بیچوں بیچ اتنا درد ہوا کہ خدا کی پناہ۔ ۳۰ دمبر کو سارا دن پیشانی میں درد کی لہریں اٹھتی

رہیں۔ حالت یہ ہوئی کہ جونہی سانس اندر کھینچتا ہوں درد شروع ہو جاتا ہے سانس روکتا تو درد میں شدت پیدا ہو جاتی ہے۔ ۳۱/ دسمبر کو کنپٹیاں گرم ہو گئیں اور کاسے سر کی رگیں پھڑکنے لگیں۔ سانس روکے ہوئے کافی دیر ہو جاتی ہے تو سینہ اور جسم کا پٹنہ لگتا ہے۔ واضح رہے کہ واضح تصور اور گہرے ارتکاز سے بہر حال مشقیں جاری رہیں۔ یکم جنوری ۱۹۷۵ء کو کمر کی باری آئی اور پیشانی کے بجائے کمر سے درد کی لہریں نکلنے لگیں۔ نیز گھر گھر، گھول گھول کی (جیسے جگہ چل رہی ہے) ناقابل فہم آوازیں دل سے آنے لگیں۔ (اسے کہتے ہیں قلب جاری ہو گیا) اس شب میں اتنی خویت ہوئی کہ سانس اکھڑنے لگا۔ جسم پر کبکی طاری ہو گئی۔ جونہی سانس باہر نکلا کمر میں آگ سی دکھ اُٹھی (یہ کنڈا لٹی فشتی کا واضح مظاہرہ ہے انگریزی میں کنڈا لٹی فشتی کو SERPENT FIRE یعنی مار آتیشیں کہتے ہیں۔) مشق کرتے ہوئے ایسی حالت گزرتی ہے کہ میں اس کے بیان سے قاصر ہوں۔ دوسری جنوری کے بعد مندرجہ بالا کیفیات کی شدت میں کمی ہوئی۔ خویت اور استفراق کے علاوہ درد کمر کی ہلکی لہریں آؤر گاہے گاہے سر سر اہٹ محسوس ہوتی رہی۔ چوتھی جنوری کو بعض مخصوص میں درد کی لہریں اُٹھیں اور غلبہ بے خودی کے سبب میں بے ہوش ہو گیا۔ جونہی خویت ٹوٹی محسوس کیا کہ کوئی چیز کمر کے نیچے جسے سے اٹھی اور سر کی طرف چڑھ گئی۔ ۷/ جنوری کو نور کا تصور دہم پڑ گیا اور بار بار توجہ بٹنے لگی۔ دورانِ مشق جذبات بھڑک اُٹھے، ۱۰/ جنوری کو لاشعوری مزاحمت کے سبب چار پکڑوں کے بعد مشق ترک کر دی۔ (اس کے بعد) معرفت راج کمار گھونگی نے مراقبہ نور کی تفصیلات لکھی ہیں۔) راشدہ کی عمر بائیس سال کی ہے لکھتی ہیں کہ میں نے ۲۸ اکتوبر کو مشق تنفس نور شروع کی تھی۔ پہلے تو کچھ محسوس نہ ہوا، مگر ۳۱ اکتوبر کو مجھے یکا یک اپنا دل بہرے کی طرح چمکتا دمکتا نظر آیا، اب ایک اور تماشا ہو رہا ہے۔ جب سانس کھینچتے ہوئے یہ تصور کرتی ہوں کہ موج ہوا کے ساتھ شعلہ نور جسم میں آ رہا ہے تو مجھے جسم ڈرم کی طرح خالی نظر آتا ہے اور اس ڈرم میں بائیں طرف قلب لٹکا ہوا دکھائی دیتا ہے اور پورا جسم ناف

سے گلے تک کھوکھلا لگتا ہے۔ جب یہ تصور کرتی ہوں کہ شعلہ نور قلب کی طرف بڑھ رہا ہے تو سارا نور سمت کر قلب میں چمکنے لگتا ہے۔ ابھی صرف تین منٹ تک سانس روک سکتی ہوں۔ کبھی پانچ پچکر کرتی ہوں، کبھی سات، جب پرسکون ماحول میں مشق کرتی ہوں تو عجب بے خودی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، مشق کے دوران یہ خیال ہوتا ہے کہ گرد و پیش کے حالات کا مجھے علم ہے مگر جب آنکھیں کھولتی ہوں تو اندازہ ہوتا ہے کہ میں حقیقت گرد و پیش سے بالکل بے خبر تھی۔ جس رات میں نے اپنے قلب کو بہرے کی طرح چمکنے روشن اور درخشاں پایا تھا، اس رات خواب میں دیکھا کہ ایک لاش تنگی ہوئی ہے اس کے گلے میں رسی کا پھندہ پڑا ہوا ہے۔ اس لاش کا جسم اندر سے کھوکھلا ہے۔ نصف حصہ یعنی سینہ اور شکم نہیں ہے صرف نچلا دھڑ ہے یہ بھی نہ معلوم ہوسکا کہ وہ لاش کس کی ہے۔ اور وہ کون تھا۔ راشدہ نے خواب میں جس لاش کو دیکھا وہ ان کے نفس کا مردار حصہ تھا۔ ان مشقوں سے نفس میں غیر معمولی تبدیلی واقع ہوئی۔ اس خواب سے اس کا کسی قدر اندازہ ہو جاتا ہے۔ محمد اور یس (لاہور) ایک صاحب ریاضت انسان ہیں، اور اسمائے الہی کا درد کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ پہلے درد و غلبہ خوانی میں مزہ نہ آتا تھا لیکن جب اسے آپ کی ہدایت پر سانس کی مشق شروع کی ہے، تو درد میں مزہ آنے لگا ہے اور بے پناہ توجہ پیدا ہو گئی ہے۔ سانس کھینچنے اور نکالنے کا وقتہ پندرہ سینڈ ہیں اور سانس روکنے کی مدت ۹۰ سینڈ ہے۔ ہر مرتبہ جب سانس اندر کھینچ کر سینے میں روکتا ہوں تو دماغ سے بجلی کا ایک سمندر پھوٹ کر پورے جسم میں برقی طوفان کی طرح پھیل جاتا ہے۔ اس وقت میں مکمل استفراق (TRANCE) میں ہوتا ہوں۔ سارے جسم میں سنسنی دوڑ جاتی ہے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ میں نے گوشت، انڈہ، پھلی اور چائے کا استعمال ترک کر دیا ہے۔ اس سے سانس کی مشق کے اثرات میں ترقی ہوئی ہے۔ حالانکہ سانس کی مشق کو دسرا دن ہے، مگر اعصابی ہیجان میں کمی ہو گئی ہے، ہر روز رات کو سات مرتبہ یہ مشق کرتا ہوں۔ مگر پیر و مرشد! میں کرسی پر سر بانہ رکھ کر کرسی پر بیٹھ جاتا ہوں،

ہاتھیں نیچے لگی ہوتی ہیں۔ مگر کمر، گردن اور سینہ ایک سیدھ میں ہوتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر کسی دن ایک سیدھ میں نہ رکھیں تو بجلی کا طوفان برپا نہیں ہوتا ہاں جب جسم کو ایک سیدھ میں کر کے لیٹ جاتا ہوں تو بجلیاں بھٹ پڑتی ہیں، میں اس انداز نشست کو اپنے لئے مفید پاتا ہوں۔

روحانی ترقی

بعض حضرات مشق نفس نور کے ذریعہ ایک عجیب قسم کی روحانی ترقی محسوس کرتے ہیں۔ ایک صاحب لکھتے ہیں کہ مشق شروع کرنے سے پہلے ہی دن میں نے خواب میں دیکھا کہ میں کسی بڑے بزرگ (اولیاء اللہ) کے مزار پر حاضر ہوں۔ مزار شریف کے گرد سر جھکائے کئی بزرگ کلام اللہ پڑھ رہے ہیں۔ ایک مزار مشق ہوا اور وہ بزرگ چند سیکنڈ کے لئے نمودار ہوئے اور غائب ہو گئے۔ یہ نہ معلوم ہوا کہ صاحب مزار کون بزرگ ہیں؟ اس مشق سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اپنے آپ کو جسمانی طور پر ہلکا چھلکا محسوس کرتا ہوں جیسے اندرونی بیماری سے پاک ہو گیا ہے۔ میری چھوٹی آنت میں تکلیف تھی، دس سال سے خون آ رہا تھا۔ دماغ کے بہت سے ڈاکٹروں، ہومیو پیتھک اور حکیموں سے علاج کما کما آچکا تھا۔ جب سے سانس کی مشق شروع کی ہے۔ اس تکلیف میں نمایاں افادہ محسوس کرتا ہوں صرف اتنا اضافہ ہے کہ سانس کو ناک کے ذریعہ باہر نکالتا ہوں تو (RACTAM) کو سیکڑ لیتا ہوں اور بار بار ڈھیلا کر کے سیکڑتا رہتا ہوں۔ اب اللہ کا فضل ہے کوئی خون نہیں آتا اور سب کچھ بختم کر لیتا ہوں۔ یہ مشق بواہر کے لئے اکسیر ہے، اس حیرت انگیز مشق سے یہ بھی فائدہ ہوا کہ حاملہ عورت کو فوراً اور اک مادرائے (E.S.P) کے ذریعہ بتا دیتا ہوں کہ لڑکا ہوگا یا لڑکی پیش گوئی عموماً صحیح ثابت ہوتی ہے یا اگر مریض کوئی دوا استعمال کر رہا ہے تو چھٹی حس ذریعہ بتا دوں گا کہ دوا موافق ہے یا نہیں؟ (اسلم کا شمیر کر ابھی ۳۳)

ہیجانی دورے

ایک اور خط ملاحظہ ہو:

بار بار وضاحت کی جا چکی ہے کہ سانس کی مشق سے تمام اندرونی ہیجانات انحر کر سانس آ جاتے ہیں۔ چنانچہ اس مشق سے غصے اور دماغی غلبان میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد سکون ہو جاتا ہے، سکون کے عارضی وقفے کے بعد ہیجان دماغی کا دورہ پڑ جاتا ہے۔ ایک واقعہ عرض کر دوں منگنی کو چھ سال ہو گئے ہیں۔ میں نے اس سلسلے میں کبھی ماں و باپ کے سامنے زبان نہیں کھولی، پچھلے ہفتہ یکا یک مجھ پر ہڈیان کا دورہ پڑ گیا۔ اور میں نے چیخ چیخ کر اس منگنی کے سلسلے میں ماں و باپ کو مورد الزام ٹھہرایا اور وہ دم بخود رہ گئے کیونکہ یہ میرا عمل ان کی لئے بعید از فہم تھا۔ میر تقی میر کی طرح کبھی کبھی مجھ پر بھی اداسی کے دورے پڑتے ہیں اور کبھی خود اپنے اوپر اداسی طاری کر لیتا ہوں۔ یقیناً اس مشق کے جسمانی فوائد بہت سے ہیں۔ نظر تیز ہو گئی ہے، چہرے پر خوب صورتی اور نکھار آ گیا ہے، معدہ خوب طاقت ور ہو گیا ہے۔ بھوک کھل کر لگتی ہے۔ پورا جسم حسین اور سڈول ہو گیا ہے۔ البتہ کنڈانی قحط کی بیداری کا کوئی مظاہرہ میں نے نہیں دیکھا نہ شعور کی رو معطل ہوئی۔ میری توجہ بکھری بکھری سی ہے میں بھاری مشینوں پر کام کرتا ہوں جب بھی ان کی نویمت اور ماہیت سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں اور الجھ جاتا ہوں۔ البتہ جب بھی آپ کی کسی تصنیف کا مطالعہ کرتا ہوں تو بالکل ڈوب جاتا ہوں، دو روحانی گھنٹے میں پوری کتاب ختم کر لیتا ہوں!

یہ ذکر ہو چکا ہے کہ ابتدائی چالیس روز مشق کرنے والے کو کسی محسوس یا نمایاں تبدیلی کی بالعموم توقع نہیں رکھنی چاہیے۔ (S.C.T) کے طلبہ و طالبات کا یہ شکوہ میں سنتا رہتا ہوں کہ مشق شروع کئے ہوئے ایک ہفتہ یا دو ہفتہ یا تین ہفتے ہو گئے۔ مگر ہمیں تبدیلی کا احساس نہیں ہوا، پھر سمجھ لیجئے کہ ان چالیس روز میں طالب علم کو صرف مشقیں کرنے کا طریقہ آتا ہے، کبھی ابتدائی تربیت کی مدت ۹۰ روز اور کبھی چھ ماہ بھی ہو جاتی ہیں۔ یعنی طالب علم مدتوں مشق کرتا ہے مگر اس کا کوئی واضح نتیجہ برآمد نہیں ہوتا اور انجام کار نصاب تعمیر و تنظیم شخصیت (سلف کلچر ٹینک کورس یا ایس۔سی۔ٹی) کا طالب علم بیزار

ہو کر مشق ترک کر دیتا ہے۔ اس ناکامی کا سبب توجہ کا انتشار اعتماد کی کمی اور لاشعوری مزاحمت ہوتی ہے۔ یعنی منفی ارادہ مثبت ارادے پر غالب آ جاتا ہو۔ کبھی اس کے برعکس ہوتا ہے یعنی مشق شروع کرتے ہی آدمی کا کایا پلٹ جاتی ہے۔ سید حسین احمد حسین لکھتے ہیں کہ:

برعکس

میں نے ۳۰ اپریل ۱۹۷۲ء کو آپ کی ہدایت پر مشق محض نور شروع کی تھی ۱/۳ مئی تک کی رپورٹ حاضر ہے۔ کیم مئی کو آپ کی ہدایت پر دن کے ۲ بجے سانس کے سات پکر مکمل کرنے کے بعد خود نویسی شروع ہی کی تھی کہ اچانک تالو کے نیچے ہلکا پن محسوس ہوا۔ اور سرور کی ایک لہر تالو سے نکل کر پیشانی اور دماغ تک پھیل گئی اور توسیع کیف و سرور کا یہ عمل برابر جاری رہا۔ خود نویسی ختم کرنے پر اس قدر سرور تھا کہ بستر پر لیٹ گیا۔ رفتہ رفتہ یہ سرور ریڑھ کی ہڈی میں داخل ہو گیا اور سر سے لے کر پٹلی تک پھیل گیا۔ میں اس مدہوش کن کیفیت کا حال بیان نہیں کر سکتا، اسی دوران میں ہر سانس کے ساتھ سرور میں بے حد اضافہ ہو جاتا تھا۔ حالت سرور کو قائم کرنے کے لئے میں بار بار گہرے سانس لیتا اور ہر سانس کے ساتھ گویا ایک جرعه شراب جسم کے اندر اتر جاتا۔ ہر سانس میں شربت کی محاسن محسوس ہوتی تھی۔ میری ایک بچی ”نوشین“ ہے، اس کی عمر ایک سال! مجھے شروع ہی سے نہ جانے کیوں اس بچی سے شدید نفرت تھی، بناء بریں میری اہلیہ اس بچی کو مجھ سے دور رکھتی تھیں۔ کیم مئی کو اچانک جذباتی مجرہ رونما ہوا۔ میں نے یکا یک محسوس کیا کہ یہ بچی میری لخت جگر اور جسم کا حصہ ہے میں نے بے اختیار ”نوشین“ کو اٹھا کر سینے سے لگا لیا۔ اور بہت پیار کیا دوسری مئی کو میں پھر کوشش کی کہ وہی ہشتی عالم سرور طاری ہو جائے، مگر ناکام رہا، دوسری بات یہ کہ تصور نور اب تک قائم نہ ہو سکا۔ سانس خارج کرتے وقت بڑی گھٹن ہوتی ہے اور ریڑھ کی ہڈی میں درد کی لہریں اٹھنے لگتی ہیں۔ آج عجب بد مزگی محسوس ہوئی، آخر مشق نفس نور سے اس بد مزگی کو

رفع کیا۔ جی چاہتا ہے کہ سانس کی مشق کرتا ہی رہوں۔

لشکر چنگیز

ایک دن میرے شعور نے تھوڑی سی پرواز کی یہ واقعہ آپ کی نذر ہے:

عطائے توبہ تقائے تو

ایک شب پورا چاند تھا۔ تقریباً ساڑھے نو بجے رات میں نے سانس کی مشق اس تصور سے شروع کی کہ دنیا میں ہر طرف قوت حیات کے خزانے کھڑے ہوئے ہیں۔ مجھے چاہئے کہ جتنا اور جس قدر ہو سکے، ان خزانوں کو سمیٹ لوں۔ دودھیا رنگ کی روشنی کا تصور قائم تھا اور اس روشنی میں حرارت و توانائی کے لامحدود ذخائر بھرے تھے۔ تیسرے پکر پر محسوس ہوا کہ اندر سیٹی ہوئی روشنی کا رنگ سبز رنگوں پر مشتمل اور اس کی تخلوق ہے۔ پھر کسی پہاڑی پر سبز رنگ کا ایک قلعہ نظر آیا۔ اس کے آگے ایک کھلا ہوا میدان تھا جس میں لاکھوں آدمی بھرے ہوئے تھے۔ ان کی ٹوپیاں کھال اور سمور کی بنی ہوئی تھیں اور مونچس نیچے لگی ہوئی تھیں۔ قلب سے آواز آئی کہ یہ چنگیز خاں کی فوج ہے۔ انہوں نے مجھے کاغذ سے براٹھا لیا اور ایک عجیب سی زبان میں میرے لئے نعرہ ”عظیم حسین پلندہ کرنے لگے۔ مشق کے دوران بے حد حساس ہو جاتا ہوں۔ قمیض کے بٹن کھول دیتا ہوں ورنہ گھٹن محسوس ہوتی ہے۔ تیسرے پکر پر کھل یا لاف پیچک دیتا ہوں۔ مشق شروع کرنے سے قبل جو آواز معمولی اور باریک ہوتی ہے، مشق کرتے ہی وہی آواز کئی گنا بھاری اور بڑی محسوس ہوتی ہے کاش! آپ کی طرح میں بھی شاعر ہوتا تو اپنی کیفیات قلب بیان کر سکتا۔ مگر:

یہ وہ نازک حقیقت ہے کہ دہرائی نہیں جاتی

اعصابی حساسیت

یہ محمد ارشد (لال پور) کا بیان ہے سانس کی مشق سے قبل ان کے ذہن میں یہ خواہش تھی کہ آج تھوڑی سی پرواز کی جائے۔ چنانچہ ہلکی تنویدی کیفیت میں جو ان مشتقوں سے لاعلم پیدا ہو جاتی ہے۔ انہوں نے تخیل کے پروں پر اڑنا شروع کیا، پہاڑی، سبز

رنگ کا قلعہ قلعہ کے سامنے کھلا میدان، کھلے میدان میں لاکھوں آدمیوں کا اجتماع ان کی ان عجیب و غریب شکلیں، کھال اور سور کی ٹوپیاں، لنگی ہوئی مونچھیں، لنگر چنگیز کی شبہت یہ سب تصویری نقوش ہیں جو ان کے حافظے میں مخفی تھے، بلکی تنویری کیفیت میں یہ تمام تصاویر نگاہ باطن کے سامنے نمایاں ہو گئیں اور ان کی پرواز مکمل ہو گئی۔ ان مشقوں سے اعصاب بے حد حساس ہو جاتے ہیں اور ان میں ایک برقی قوت دوڑنے لگتی ہے۔ یہ محمد ارشد صاحب کا بیان قابل غور ہے کہ:

مشق شروع کرنے سے قبل جو آواز معمولی اور باریک ہوتی ہے۔

مشق کرتے ہوئے وہی آواز کی گنا بھاری اور بڑی محسوس ہوتی ہے۔

مشق کے دوران اگر کسی خارجی محرک (مثلاً آواز، روشنی کسی کی آمد وغیرہ)

سے توجہ یکا یک ہٹ جائے تو دماغ میں بعض اوقات دھماکہ سا ہوتا ہے اور تمام اعصاب جھنجھٹا اٹھتے ہیں جس سے سخت دھشت ہوتی ہے۔ ش۔ اقبال نصاب تعمیر و تنظیم شخصیت کی مستقل طالبہ ہیں اور مدت سے یہ مشقیں کرتی ہیں۔ میں اکثر ان کے خیال افروز بیانات کے حوالے دیا کرتا ہوں۔ کیونکہ ان کی بعض ذہنی کیفیات سے اہم نتائج برآمد ہوتے اور ہو سکتے ہیں۔

(بیماری کا ذکر کرنے کے بعد) لکھتی ہیں کہ سانس کی مشق نہ کروں تو جی گھبراتا ہے۔ اس لئے علالت کے باوجود ہرگز سانس کی مشق ترک نہ کروں گی۔ آپ کی تاکید یہ ہے کہ سانس کی مشق دوسری مشق کسی ماہرین کی نگرانی میں کرنی چاہیے۔ سوچتی ہوں کہ اگر آپ نے میری سرپرستی سے ہاتھ اٹھالیا تو کیا کروں گی؟ کہاں جاؤں گی؟ ۹/ فروری کو گوشت ترک کئے ہوئے تین سال ہو گئے۔ اگر آپ اجازت دیں تو شور بہ استعمال کرنے لگوں۔ آپ کی حسب ہدایت رات کو سوتے وقت یہ فقرہ ضرور دہرائی ہوں (دہراتے دہراتے سو جاتی ہوں) کہ:

”میری حالت روز بروز بہتر سے بہتر ہوتی چلی جا رہی ہے۔“

یہ فقرہ اپنا اثر تو دکھلا رہا ہے، مگر ابھی مجھے مکمل آرام نصیب نہیں ہوا۔ جسم مثالی میرا پچھا نہیں چھوڑتا، کبھی کبھی نظر آ جاتا ہے۔ اب ذرا طبیعت سنبھلے تو آپ سے دریافت کروں کہ مثالی جسم سے کس طرح گفتگو کی جاتی ہے۔ اپنے خط مورخہ ۲۸ اپریل ۱۹۷۶ء میں لکھتی ہیں کہ:

کل میں دوپہر کو یونہی لیٹی ہوئی تھی کہ اچانک تمام جسم روشن ہو گیا۔ یہ روشنی اس قدر تیز تھی کہ مجھے اپنے جسم کی نسیں تک نظر آ رہی تھی۔ گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔ اٹھتے ہی روشنی غائب ہو گئی۔ لیکن جسم کافی دیر تک ہلکا ہلکا گرم رہا۔ سانس کی مشق کے دوران میں نے جس انجی وجود کا ذکر کیا تھا۔ وہ جسم مثالی کے علاوہ ہے، یعنی جسم مثالی تو نظر کے سامنے رہتا ہے لیکن اس کی موجودگی کا صرف احساس ہوتا ہے۔ اور یہ نادریدہ شے یا شخص صرف پشت یا داہنے ہاتھ کے قریب موجود رہتا ہے۔ عقل حیران ہے کہ یہ کون ہے؟ اور کیوں مجھے اپنی موجودگی کا احساس دلاتا رہتا ہے۔ میں نے شاید آپ کو پہلے بھی لکھا ہوگا کہ مشق تنفس نور کے دوران بار بار میں نے چشم سر اور چشم دل سے دیکھا کہ چاند کی چاندنی کی مانند دو درجہ روشنی چہار جانب پھیلی ہوئی ہے۔ بعض اوقات یہ روشنی اتنی تیز ہوتی ہے کہ آنکھ میں دھوپ پھیل جاتی ہے۔ جب تک سانس کی مشق کرتی رہتی ہوں۔ روشنی قائم رہتی ہے، جو کبھی مشق ختم کرتی ہوں، روشنی غائب ہو جاتی ہے۔

سیرت کی بو

عجیب مگر دل چسپ انکشاف یہ ہے کہ سانس کی مشق (اور مراقبے) سے ش۔ اقبال کی سماعت اس قدر چوکنا اور حساس ہو گئی ہے کہ وہ لوگوں کی سیرت یعنی ان کے اخلاق و کردار کی بونٹ سونگھ لیتی ہیں۔ مثلاً اگر کوئی چور ہے تو اس سے مل کر وہ اس کے نفس سے نکلنے والی بوسگھ لیں گی اور سمجھ جائیں گی کہ وہ چوری کا عادی ہے۔ انہوں نے متعدد خطوط میں اس معاملہ کا ذکر کیا ہے ایک خط میں لکھتی ہیں کہ:

ہاں حضرت! بدکاری کی بو میں عجیب طرح کی بساند ہوتی ہے۔ اس کی بو کو

صرف حساس لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں۔ ذکی لُحس لوگوں کے لئے بسانہ ناقابل برداشت ہوتی ہے۔ اپنا تجربہ عرض کروں، میں امی کے ساتھ کسی تقریب میں گئی۔ وہاں فیشن ایبل خواتین بڑے فیسے کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھیں۔ لیکن ایسی بسانہ پھیلی ہوئی تھی کہ خدا کی پناہ! میں نے امی سے کہا کہ یہاں سے نکل چلیے! میرا جی متلانے لگا۔ جموٹ اور رشوت کی بو کے بارے میں پھر کبھی عرض کروں گی۔ ش۔ اقبال نے جج کہا۔ اشیاء کی طرح اوصاف و اخلاق، میں بھی بو ہوا کرتی ہے، محبت کی خوشبو، نفرت کی بدبو، یہ صرف استعارے ہی نہیں۔ اپنی جگہ خوش طبعی حقیقتیں ہیں، مگر ان کا ادراک آسان نہیں۔

اب مجھے دشمن سے بھی آنے لگی خوشبوئے دوست
اس قدر آوارگی اے کہبت گیسوئے دوست

ان مشقوں سے نہ صرف انداز فکر میں تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے۔ بلکہ بعض راسخ عادات بھی ترک ہو جاتی ہیں۔ نذیر شاہ (گلاسکو G3.8H) رقم طراز ہیں کہ:

آپ کی ہدایت کے بموجب مشق تنفس نور باقاعدہ جاری ہے۔ پہلے پہل تو بے خودی یا غنوک طاری ہو جاتی تھی، مگر اب بالکل طاری نہیں ہوتی۔ کبھی کبھی پاؤں کی اڑیوں میں تپش یا ہونٹوں میں جلن ہوتی ہے۔ کسی نقطہ (POINT) کو نور سے دیکھوں تو وہاں روشنی نظر آتی ہے آپ کا تصور کرتے ہی دماغ میں گھڑی کی طرح ٹک ٹک ہونے لگتی ہے۔ میں نے آپ کا ایک فوٹو اخبار جہاں کراچی میں دیکھا تھا۔ تصویر میں نے محفوظ کر لی تھی۔ مشق شروع کرنے سے قبل تصویر سامنے رکھ کر تصور کرتا ہوں کہ آپ میری طرف توجہ دے رہے ہیں۔ سر میں ہلکا ہلکا درد ہوتا ہے، خیر کتنا ہی درد کیوں نہ ہو۔ بہر حال مشق تنفس نور جاری رہے گی۔ کیونکہ مجھے اس مشق سے بے حد فائدہ ہوئے ہیں۔ میں پہلے اپنا ذہن کا سگریٹ نوش اور شراب نوش تھا۔ مشق تنفس نور کے سبب سگریٹ اور شراب سے شدید تنفر پیدا ہو گیا ہے۔ امید کہ آپ کی توجہ طرف مبذول رہے گی اور مجھے اپنی بے پایاں شفقت سے نوازتے رہیں گے۔

خوش آوازی

زیڈ۔ ڈی۔ قریشی (ماہرہ، ہزارہ) لکھتے ہیں کہ:

وادئ کاخان کے ایک ریسٹ ہاؤس میں مقیم تھا۔ صبح سویرے لان میں سبز گھاس پر بیٹھنے لگا۔ اس روز طبیعت پر خاصا بوجھ تھا، کچھ خفقان کی سی کیفیت تھی۔

طلوع صبح سے ہو اختلاج قلب فزوں

بہانہ خفقاں جلوہ قمر ہو جائے

غیر ارادی طور پر متبادل طرز کی مشق کرنے لگا۔ دو تین چکروں کے بعد طبیعت میں کافی بحالی پیدا ہو گئی۔ پھر تو باضابطہ مشق کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ طلوع صبح، غروب آفتاب اور شب میں سونے سے پہلے پابندی کے ساتھ مشق کرنے لگا۔ اس کے علاوہ جب بھی وقت ملتا سانس کے دو چکر ضرور کر لیتا، ہوا میں روح حیات موجزن ہے اور جب ہم اس روح حیات کو سانس کے ذریعے اندر کھینچتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی عجیب و غریب نعمتیں اور بخششیں ظاہر ہوتی ہیں۔ وہ کامنات جن کا اس مادی دنیا میں وہم و گمان بھی نہیں تھا۔ پھر کون جانے کہ اس کامنات فطرت میں شفا بخشی کی کیسی کیسی عجیب قوتیں سرگرم ہیں۔ میں برابر مشق کے وقفے میں اضافہ کرتا رہا۔ گاہے گاہے آپ کے وہ ڈراؤنے الفاظ بھی یاد آتے کہ از خود مشق کی جرات نہ کرو۔ مگر میں نے بعالم ذوق اس تنہیہ پر توجہ نہ کی، مشق کے سبب ذہن کھلا تو ماضی کی دردناک یادوں کے زخم تازہ ہو گئے اور پہلے سے بڑھ کر تکلیف دینے لگے۔ رفتہ رفتہ کرب ماضی ختم ہو گیا۔ اس کے بعد مایوسی کا ایسا شدید دورہ پڑا کہ معاذ اللہ! دو تین روز تک کسی سے بات نہ کی۔ آخر اس منفی جذبے کی شدت میں بھی کمی آ گئی، لاشعوری مزاحمت پر غالب آنے کے بعد مجھے عجب طرح کی خود اعتمادی اور گفنت طبعی کا احساس ہوا، چہرہ پر کشش ہو گیا۔ آنکھوں میں مستی کے ذور سے تیرنے لگے اور سب سے زیادہ خوش آئند بات یہ کہ میری صلاحیت نفسی

دوبارہ ابھر آئی۔ میں حلقہ احباب میں اپنی خوش آوازی کی بناء پر مقبول تھا۔ مشق تنفس نور کے سبب پھر آواز میں وہی شیرینی اور لطافت پیدا ہو گئی۔ اور میری شخصیت کی تکمیل کا سبب ٹھہری، میں نے یہ مشق اجازت کے بغیر شروع کی تھی۔ بیالیس روز تک آپ کا یہ فقرہ کان میں گونجن رہا کہ ”اجازت کے بغیر کوئی مشق نہ کرو“ مگر میں نے مسلسل اس ہدایت کی خلاف ورزی جاری رکھی۔ تا آنکہ آپ کا یہ جلائی فقرہ کڑی بجلی کی طرح ذہن پر گرا اور لڑکھڑا گیا۔ مجھے اس زمانے میں کافی فوائد حاصل ہوئے تھے۔ ایک طرف یہ فوائد چشم نظر تھے۔ دوسری طرف آپ کا اتنا ہی حکم، غرض مخفی اور مثبت ارادوں کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ یہ کشاکش اتنی جان لیوا تھی کہ اتوائے جنگ کے بغیر چارہ نہ رہا، اور میں نے عاجز آ کر مشق ترک کر دی۔ مشق ترک کر کے ایسا لگا جیسے کسی محبوبہ سے جدا کی ہو گئی ہو۔ رمضان المبارک میں عصر کے وقت سانس کی مشق کرتے ہوئے جب قسم کا سرور طاری ہوتا تھا۔ میں نشے کی اس کیفیت کو بھول نہیں سکتا، مگر کیا کروں۔ آپ کا فقرہ ایسا شیر برہنہ ثابت ہوا کہ روضۂ امید ہی منقطع ہو گیا۔ امر واقعہ یہ ہے کہ مجھے اس مشق سے ننانوے فیصد سے زیادہ فائدہ ہوا ہے، مگر میں آخر میں فرمایا کہ جب تک صاحب کی تاکید ہے کہ اجازت کے بغیر مشق نہ کرو، تو کہیں شدید نقصانات سے دوچار ہونا نہ پڑے۔ بس اس خوف نے چیتالیس روز کے کئے کرائے پر پانی پھیر دیا!

عجیب مناظر و محسوسات

نفس انسانی عجیب و غریب محسوسات کا خزانہ ہے۔ زندگی کے ہر شعبہ میں ان مناظر محسوسات کی عجوبہ کاری کی جھلک نظر آتی ہے۔ تمام فنون لطیفہ نفس انسانی کی اس تخلیقی سرگرمی کا مظہر ہیں۔ شاعری، موسیقی، مصوری، مجسمہ سازی، رقص، حسن کاری، سائنس، فلسفہ، غرض نفع و تہذیب کا ہر شعبہ نفس انسانی کے عمل کی عجائب گاہ ہے۔ یہ مشقیں انہی مضمر صلاحیتوں کو بروئے کار لاتي ہیں۔ ایک شاعر کا بیان سنئے:

اجتھے دوست! ڈھیر سارا خلوص! مشق تنفس نور سے ابتداء میں بڑی الجھن ہوئی۔ جب قسم کی شوریدہ سری مسلط رہی پھر کچھ سکون محسوس ہوا۔ اس مشق کے ذریعہ محسوس ہوتا جیسے میں بہت گھٹے تناور درخت کے سائے تلے بیٹھی ہوں۔ اس سائے میں کیا ٹھنڈک تھی، بیان نہیں کر سکتی۔ پھر اچانک اس درخت کی شاخیں قریب آنے لگیں۔ اتنی قریب تر کہ ایسا لگتا تھا، دم گھٹ جائے گا۔ پھر ایسا لگا کہ یہ گھنیری شاخیں نہیں، کسی کی ہانپیں ہیں، پھر درخت بھی غائب ہو گیا یعنی اس نے میرے محبوب کا روپ دھار لیا۔ اس کے بعد یہ سراپا بھی نظر سے اوجھل ہونے لگا پھر محسوس ہوا کہ میں دھوئیں کے بادل میں روپوش ہو گئی ہوں۔ مگر دھوئیں کے یہ مرغولے کیف نہیں، بے حد لطیف ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ میرا وجود بھی دھوئیں کے انہی مرغولوں میں تحلیل ہونے لگا۔ اس دھوئیں کی خوشبو لطافت پاکیزگی اور ایک الوئی تقدس سے لبریز ہوتی ہے۔ میں ہانپیں سکتی کہ یہ کتنی عجیب چیز ہے یہ حالت چند لمحوں کو طاری ہوتی ہے پھر ٹھنڈا حال ہو جاتی ہوں۔ بالکل بے دم! چکر آتے ہیں رنگ زرد ہو جاتا ہے، دل کو عجیب سے جھٹکے لگتے ہیں تاہم یہ کیفیت سرشار کن ہے۔ کتنی چاہتا ہے بار بار یہ سرشاری طاری ہو، دن بھر دو تین بار اس نشی دنیا سے گزرنا پڑتا ہے۔ لڑکپن سے میرا آئیڈیل میری روح میں بسا ہوا تھا۔ ان مشقوں نے اس کی گہری لطیف اور عطربیز یاد کو اور نکھار دیا ہے وہ جو کہا گیا ہے کہ:

یارب! غم عشق کیا بلا ہے؟

ہر شخص کا تجربہ نیا ہے

یہی حال ان مشقوں کا ہے، ہر شخص کے تجربات مختلف ہیں۔ خالد پرویز (کوئٹہ) سے لکھتے ہیں کہ:

استاد محترم! کچھ دن سے عجیب حالات سے دوچار ہوں، مشق کر کے آرام سے سونے کی کوشش کر رہا تھا کہ ذہن پر سناٹا سا طاری ہو گیا۔ ہلکا ہلکا شور سنائی دیا۔ بیٹیاں سی بجنے لگیں۔ آہستہ آہستہ آوازیں اتنی بلند ہوئیں کہ سارا ماحول شور میں ڈوب

گیا۔ مجھے احساس ہوا کہ میں اپنے دماغ میں جھانک رہا ہوں، اور طرف دماغ میں لوگوں کے ہلکے ہلکے سائے نظر آتے رہے، کوئی منظر صاف نہیں تھا، اور ہاں بگی بگی نیلی نیلی اور سبز روشنی سی ہو رہی تھی اور میں سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ یکا یک چونک کر اٹھ گیا اور دوبارہ سونے کی کوشش کی تو پھر وہی منظر پیش نظر تھا، دوسرے روز بھی یہی ساں دکھائی دیا۔ آج شب مشقوں کے بعد لیٹا تو ایسا لگا کہ فضا میں گھوم رہا ہوں اور پھر کی طرح گھومتے ہوئے گہرائی میں نیچے کی طرف جا رہا ہوں۔ میں نے کروٹ بدل لی، یہ کیفیت ختم ہو جائے، مگر چند سیکنڈ کے بعد پھر اس حالت سے سابقہ پڑا۔ یعنی گھومتا ہوا نیچے کی طرف جا رہا ہوں۔ (خ-پ)

کہیں یہ شور تصاویر کے روپ میں منتقل ہو جاتا ہے۔

بقول امداد شاہ (سینا لوچ، ضلع دادو)

میں مشق تھکنور کا عادی ہوں، عرض ہے کہ اب آنکھوں کے سامنے نورانی میدان آ جاتے ہیں۔ جیسے ایک پردہ تیسری نظر ہے۔ پہلے اس پردہ تیسری پر غور کرنے کے لئے زور لگانا پڑتا تھا۔ اب اشکال توجہ میں زور لگانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ذہن کو آزاد چھوڑ دیتا ہوں تو پردہ تیسری پر تصاویر کا قافلہ رواں دواں ہو جاتا ہے اور اس کاروان اشکال میں آپ کی جھلک نظر آتی ہے۔ پہلے خیالات منتشر تھے اور توجہ برابر ادھر سے ادھر ہٹکتی رہتی تھی۔ لیکن اب ایک متعین نصب العین تیسری شخصیت کا مقصود نظر ہے۔ جب کوئی لغزش سرزد ہوتی ہے تو خمیر سخت سرزد کرتا ہے اور میں اس سے باز رہتا ہوں۔ پہلے خمیر کی خلیش کے باوجود ہر کام کر گزرتا تھا۔ اب الحمد للہ! کردار میں استقامت پیدا ہو گئی ہے۔ خواب میں دیکھا کہ قلب کی شکل کا نقشہ سامنے ہے۔ حقیقت نطق کی جستجو، اس کی تحقیق اور عرفان کا جذبہ انسانی جبلت میں اس طرح مخفی ہے۔ جس طرح تار مژبورہ میں نغمہ اور سینہ آئینہ میں جوہر! یہ بات ہے کہ داخلی یا خارجی رکاوٹوں کی بناء پر تلاش حق اور عرفان حقیقت کا یہ جذبہ ابھرے۔ لیکن اس کے وجود میں شک نہیں کیا جاسکتا۔ ان

مشقوں کی تاثیر یہ ہے کہ بعض افراد کی جبلت کے اس دماغی اور جذبے کو پوری قوت سے جھنجھوڑ کر جگا دیتی ہے۔

اشتیاق احمد کو ایسی کیفیت کا احساس ہوا، روایت کرتے ہیں کہ:

میں آپ کا بے حد شکر گزار ہوں، سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ ان مشقوں سے اس قدر کایا پلٹ جائے گی۔ آپ نے مجھے ایک نئی زندگی سے روشناس کرایا ہے، ان مشقوں سے باہر ہونا قابل بیان فوائد ہوئے ہیں۔ پہلے میں خیال آرائی کا عادی تھا۔ اپنے دماغ میں سنسنی خیز واقعات کی ایک فلم بناتا اور تصور کرتا کہ اس فلم کا ہیرو میں خود ہوں، اس طرح عملی زندگی سے میرا رشتہ منقطع ہو گیا تھا۔ (S.C.T) کی بدولت اس بے کار کر دینے والی عادت سے نجات مل گئی۔ (۲) جنسی ہیجان کے دورے پڑتے اور بے فائدہ جنسی سب رو کی کارکناب کرتا۔ لیکن اب میں اس عادت خود لذتی پر غالب آچکا ہوں۔ (۳) مشقوں کی بدولت خدائے بزرگ و برتر کی عظیم الشان قدرت کو ذہنی اور دماغی طور پر محسوس کرنے لگا ہوں۔ یہ فائدہ کچھ کم ہے چنانچہ کل سے نماز شروع کر دی ہے۔ پہلے ادا کے نماز میں عید سے عید تک وقفہ ہوا کرتا تھا۔ (۴) دماغی کارکناب کی تیز ہوتی جارہی ہے جس کی بناء پر تعلیم میں آسانی ہو گئی ہے۔ پہلے پڑھائی میں جی نہیں لگتا تھا، پہلے جو کورس چھ مہینہ نہ پڑھ سکا تھا۔ اسے چار دن میں ختم کر لیا۔ (۵) پہلے مستقبل سے ناامید تھا، اب یہ ناامیدی امید میں بدل گئی ہے۔ الغرض ایک نیا آدمی میرے اندر جنم لے چکا ہے!

منصف حسین (ایم۔ اے۔ بی ایڈ۔ ہری پوری، ہزارہ) کو مشق تھکنور میں یہ تصور ہوتا ہے کہ موسم بقی سامنے روشن ہے چاہوں تو اس تصور کو دماغ میں قائم کر لوں یہ تصور اس طرح بیدار ہوا کہ میں سانس کی مشق سے قبل شمع جلا کر سامنے رکھ لیا کرتا تھا۔

رخ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ یہ کہتے ہیں

ادھر جاتا ہے دیکھیں یا ادھر پروانہ آتا ہے

اب میری توجہ آپ پر مرکوز ہو چکی ہے، امید کہ آپ کے مشوروں سے محروم نہ رہوں گا۔ کیونکہ مجھے ان مشوروں سے سکون قلب نصیب ہوتا ہے۔ ان مشقوں کا مکمل فائدہ حاصل ہونے کے لئے ترک گوشت بہت حد تک مفید ہے۔ یوسف ذرا حسین (ناک وائڈ) کراچی کو ترک گوشت ہی سے وہ سب کچھ حاصل ہو گیا جس کی توقع وہ سانس کی مشقوں سے رکھتے ہیں کہ آپ نے ہدایت کی تھی کہ میں اکیس روز تک گوشت سے بالکل پرہیز کروں میں نے اکیس روز تک ہدایت پر عمل کیا۔ حالانکہ گوشت کے بغیر میرے کھانے کا تصور ممکن نہ رہا۔ ویسے میں پھلی اور بڑا گوشت کئی سال سے نہیں کھا رہا۔ اب حضرت! میں آپ کی کس زبان سے تعریف کروں اور کس طرح آپ کا شکر ادا کروں کہ آپ نے مجھے تقریباً تمام الجھنوں اور پریشانیوں سے نجات دلا دی۔ میں تصور بھی نہ کر سکتا تھا کہ میری تمام پریشانی کا سبب کیا تھا۔ حالانکہ میں ایک سال سے S.C.T کا طالب علم ہوں۔ (مشقیں کر رہا ہوں) تاہم ہفتہ میں ایک دو بار احتلام ضرور ہو جاتا تھا، بہت علاج کرائے شفا نصیب نہ ہوئی، ذہنی طور پر پریشان، چڑچڑا، بد مزاج، تنہائی پسند اور کسی حد تک خوف زدہ سا رہتا تھا۔ مگر اب تو بالکل بدل چکا ہوں۔ اب اپنی فرحت و تازگی محسوس ہوتی ہے۔ اپنے کو زیادہ چست و توانا محسوس کر رہا ہوں۔ جنسی تیزابی میں بھی نمایاں حد تک کمی آ گئی ہے۔ اب میں نے مکمل ترک گوشت کا ارادہ کر لیا ہے! سانس کی مشق سے اعصابی قوت کو جو بیداری پیدا ہوتی ہے۔ اس کا مظاہرہ طرح طرح سے ہوتا ہے۔

لہروں کا اخراج

محمد سلیم (ساگمڑ) کا بیان ہے کہ مجھے شخص نور کی مشق کرتے ہوئے چھ مہینے ہو گئے ہیں۔ اب حالت یہ ہے کہ ہاتھوں سے ہر وقت لہریں نکلتی رہتی ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ ناک کی جڑ (پیشانی) سے بھی قوت لہروں کی شکل میں بہہ رہی ہے۔ اب مشق میں پہلے کی طرح خیالات نہیں بھٹکتے۔ سید افتداح حسین نقوی

(بدین) کو اس مشق کے سبب قوت اور نور کا احساس ہوتا ہے۔ انہیں کے الفاظ ہیں کہ مجھے اس مشق سے غیر معمولی فوائد حاصل ہوئے مشق کے سبب تازہ صورت حال یہ پیدا ہوئی ہے کہ سانس دیر تک روکے رہنے سے ایسا لگتا ہے کہ پیشانی میں داہنی طرف سورج نکل رہا ہے اور میں باقاعدہ اس کی گرمی محسوس کرتا ہوں۔ میں تا دیر اس تصور کو قائم رکھتا ہوں۔ کیونکہ جتنی دیر یہ تصور قائم رہے گا، اتنے ہی فائدے ہوں گے۔ ہاں تو اعصابی قوت کی بیداری کے مظاہر مختلف ہیں۔ کبھی شعلہ نور، کبھی موج توانائی، کبھی حرارت کی لہر، کبھی حالت سرور۔ شیر آگن (لال پور) رقم طراز ہیں کہ پوری کیفیت لکھنا ممکن نہیں، صرف ایک روز کا حال لکھتا ہوں۔ مشتے نمونہ از خروارے (دیگ میں سے ایک چاول) مشق شخص نور! تاریخ ۱۹/ مارچ ۱۹۷۳ء وقت صبح! آج اگرچہ سورج نکلنے کے بعد مشق کی مگر الحمد للہ ناکامی کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ پانچویں پکر میں شعلہ نور کا تصور واضح تھا۔ ہر پکر میں جب سانس نکالنے لگتا ہوں تو کئی اتنی فحشی حرکت میں آ جاتی ہے اور جسم میں کیف و سرور کی لہریں دوڑ جاتیں، جب سانس خارج کرتا تو آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا جاتا۔ سرور کا کان میں ہوتا۔ لہریں پکڑ لیتی ہیں۔ دوسرے پکرے کے بعد دم لیا تو سر کے بائیں طرف کوئی رگ پھڑکنے لگی۔ پھر مستقل گاسے سر میں تحریک جاری رہی، سر میں سننا ہٹ سی ہو رہی تھی۔ پھر ایسا لگا کہ دماغ کی کوئی رگ پھٹ گئی ہے اور اس میں سے کوئی سیال چیز بہہ رہی ہے۔ مشق کے سبب جسم سے نکلنے والی لہریں کبھی قوت کی لہروں کی طرح محسوس ہوتی ہیں، کبھی نورانی کرنوں کی طرح! محمد خالد نے ان لہروں کو ”شعاع ہائے نور“ کی طرح محسوس کیا۔ ان کا بیان ہے کہ شعلہ نور کا تصور کافی حد تک واضح ہو گیا ہے۔ دس پندرہ روز سے خود بخود تصور ہوتا ہے کہ قلب میں سفید شعلہ نور چمک دک رہا ہے اور قلب و اطراف قلب منور و درخشاں ہیں جب قلب میں پوری طرح شعلہ نور کا تصور قائم ہو جاتا ہے۔ تو پھر ایسا لگتا ہے کہ اس سے نورانی لہریں نکل رہی ہیں اور وہ شعاعیں رگ و پے میں نفوذ کرتی چلی جا رہی ہیں۔ عجیب بات یہ کہ

دماغ اور عضوئے مخصوص میں روشنی کا تصور واضح ہوتا ہے۔ اس احساس سے یہ نکتہ پیدا ہوا کہ جنسی اعضاء درحقیقت رومی قوت کا مرکز ہیں جس طرح دماغ! رومی قوت سے مراد روحانی قوتیں نہیں کہ ہم ان کے ادراک سے قاصر ہیں۔ رومی قوت سے میری مراد وہ نادیدہ توانائی ہے جو جسم کے ہر خطنے کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ ہم تاحال اس نامعلوم توانائی کی حقیقت سے واقف نہیں۔ صوفیاء نے جا بجا لطیفہ زیر ناف کا ذکر کیا ہے۔ یعنی ناف کے نیچے بھی رومی قوت کا ایک مرکز (اعصابی گچھا) واقع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سانس کی مشقوں میں ناف سے سانس کھینچنے کی ہدایت کی جاتی ہے۔ محمد خالد (پرنس روڈ کوئٹہ) نے اس خط میں کسی قدر وضاحت کے ساتھ اپنے تجربات نقل کئے ہیں، لکھتے ہیں کہ:

(الف) شروع شروع میں تصور نور بالکل ناپختہ تھا۔ فعلۃً نور کی جھلک ہی نظر نہ آتی تھی۔ البتہ ریڑھ کی ہڈی میں ہلکا ہلکا درد ضرور ہوتا تھا، لیکن ایک مرتبہ میں نے گوشت کھا لیا۔ ریڑھ کی ہڈی کا درد موقوف ہو گیا محمد خالد کے اس بیان سے حقیقت واضح ہو گئی کہ گوشت کا استعمال قوت حیات (کدائی غنائی) کی پیداوی میں مانع ہوتا ہے۔ چونکہ گھر میں مشق کے لئے موزوں جگہ نہیں۔ لہذا میں کالج کے گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر یہ مشق کر لیتا ہوں۔ ایک مرتبہ شام کو چکاڑوں نے ٹھک کیا تو میں دل ہی دل میں یہ معاملہ طے کیا کہ وہ مجھے نہ ستائیں گی۔ دو روز ہو گئے ہیں چکاڑوں نے شکایت کا کوئی موقع نہیں دیا۔ میں نے معاملت کا پیغام سانس کھینچنے وقت بھیجا تھا۔

(ب) دوسری بات یہ ہے کہ مشقوں سے میرا جسم سڈول ہو گیا ہے۔

توس قزح

بعض حضرات کو نور کے بجائے توس قزح کے رنگ فضا میں بکھرے نظر آتے ہیں۔ ممتاز احمد (پشاور) کا مشاہدہ یہی ہے کہ لکھتے ہیں کہ:

سانس کے ساتھ نور کے خاص تصور کو وابستہ نہیں کر سکا ہوں۔ کبھی سرے سے

کوئی تصور ہی پیدا نہیں ہوتا، کبھی نظروں کے سامنے چاندنی سی بچھ جاتی ہے، کبھی توس قزح کے رنگ نکھرے ہوئے نظر آتے ہیں اور سانس اندر کھینچنے، سینے میں روکنے اور خارج کرنے میں رنگوں کا یہی تصور قائم رہتا ہے۔ جب سانس سینے میں روکتا ہوں تو دل کے قریب بیٹھا بیٹھا سا درد ہوتا ہے۔ پہلے تو میں اس سے خوفزدہ ہوا۔ لیکن پھر پروا کرنی چھوڑ دی۔ سانس چھوڑتے وقت دماغ کی رگیں کھینچتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔ میں حالت قعود (نماز میں دوڑا نو بیٹھنا) میں مشق کرتا ہوں۔ بالخصوص شام کے وقت مشق سے زیادہ تسلی ہوتی ہے۔ (رشیدہ کراچی) نے لکھا ہے کہ اس مشق کے ذریعہ اپنی ادنیٰ اور تخلیقی صلاحیتوں میں نمایاں ترقی محسوس کرتی ہوں۔ اکثر و بیشتر دل میں یہ خواہش بیدار ہوتی ہے کہ کوئی غیر فانی کارنامہ کر جاؤں۔ کوئی چونکا دینے والا کام۔ اب یہ احساس بے حد شدید ہو گیا ہے کہ وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے، میں ادیبہ ہوں اور خواتین ڈائجسٹ میں لکھتی ہوں گزشتہ دو ماہ سے جب سے مشق کر رہی ہوں لکھنے کی حس یا تخلیقی صلاحیت میں نمایاں ترقی ہوئی ہے۔ لکھتے وقت بہت خوب صورت تشبیہات اور بڑے دل آویز جملے سوچتے ہیں۔ پچھلے دنوں ایک نصرت انگیز واقعہ رونما ہوا۔ ہواؤں کے چند روز سے ہر رات دو یا تین بجے میری آنکھ مل جاتی ہے۔ خوف و دہشت سے برا حال ہوتا، حلق خشک ہو جاتا ہے۔ سخت گھبراہٹ طاری ہوتی اور یہ احساس ہوتا ہے کہ کوئی الم ناک واقعہ ظہور میں آنے والا ہے۔ یہ کیفیت تین یا چار روز رہی، وقوع کے روز شام ہی سے عجیب قسم کی دہشت سوار تھی۔ رات اسی مایوسی و بیزاری میں گزری، صبح اٹھ کر پتہ چلا کہ خاندان میں ایک جوان کی موت ہو گئی ہے۔ محمد علی (لاہور) کو بھی مشق کرتے ہوئے توس قزح کے رنگ نکھرے اور نکھرے نظر آئے۔ لکھتے ہیں کہ آپ نے پہلے مشق نفس نور تجویز کی تھی، لیکن میں اس ہدایت پر عمل نہ کر سکا۔ دوسری مرتبہ رہنمائی چاہی تو پھر آپ نے نفس نور شروع کرنے پر زور دیا۔ اس مرتبہ آپ کی ہدایت پر عمل کیا اور اب اس پر سختی سے عمل پیرا ہوں۔ مشق نفس نور شروع کئے ہوئے دو ہفتے ہو چکے ہیں، صرف دو ہفتوں کی روداد

عرض کر رہا ہوں۔ ہاں اس سے قبل یہ بتا دوں کہ میں ۲۰ جون کو برج جوزا (GEMINI) کے دوران میں پیدا ہوا تھا۔ لہذا انتہائی ذہن ہونے کے باوجود (لوگ) میری ذہانت کے بارے میں یہی کہتے ہیں تسلیم کرتے ہیں) اور کماز توجہ کی صلاحیت سے محروم اور دوہری شخصیت کا مالک ہوں۔ آپ ماہر نفسیات ہیں، دوہری شخصیت کے مضمرات اور پیچیدگیوں کو بخوبی سمجھتے ہیں۔ بنا بریں وضاحت کی ضرورت نہیں۔ (دوران) مشق محسوس کیا کہ میں جس قسم کا نور کا چاہوں تصور کر سکتا ہوں۔ (سورج، چاند، شمع وغیرہ) تاہم انجام کار میں نے تو صرف نور کے لئے سورج کے نورانی گولے کو ترجیح دی۔ انتہائی تیز چمک دار اور سفید روشنی، اس کے باوجود کبھی کبھار دوسری طرح کی روشنیاں سامنے آ جاتی ہیں۔ مگر ذہن کو پھر سفید تیز روشنی کی طرف لگا دیتا ہوں۔ اس طرح چشم باطن چندھیا جاتی ہے۔ ہدایت طلب مسئلہ یہ ہے کہ جب شعلہ نور کے چمکنے دیکھتے اور بجگانے کے ساتھ رنگ بکھر جاتا ہے اور پھر رنگ و نور کی ایک حسین و جمیل، حد درجہ کیف آور اور سرور آمیز لیکن کسی حد تک پریشان کن دنیا کے مناظر کا طویل سلسلہ شروع ہوتا ہے کہیں یہ بھی لاشعوری مزاحمت تو نہیں، کیا مشق محسوس نور کا تصور لازمی ہے؟ کیا یہی فی الحال اس رنگ و نور کی دنیا سے لطف اندوز نہیں ہو سکتا۔ محمود علی حسن آجمن میں پڑ گئے کہ نور کا تصور قائم کروں یا رنگ کو ترجیح دوں۔ اس قسم کی جزوی الجھنوں سے بہت سے سانس کی مشق کرنے والے دو چار ہوا کرتے ہیں۔ لیکن یہ سب معمولی باتیں اور ذہنی انحراف کی پریشان کن شکلیں ہیں۔ مقصد صرف یہ ہے کہ سانس اندر کھینچنے سینے میں روکے اور خارج کرتے وقت توجہ کسی ایک نقطہ پر مرکوز ہو جائے خواہ وہ کوئی شے ہو یا محسوس کوئی تصور ہو یا کوئی منظر! اصل چیز یہ ہے کہ ذہن کی اچھل کود پر قابو پایا جائے توجہ کے انتشار کو کم کیا جائے اور خیالات کی رو پر آدمی کی مکمل گرفت قائم ہو جائے۔

عجیب و لطیف جذبہ

اکرم سرور (جلال پور جنال گجرات) کا بیان ہے کہ:

اس دور میں لوگ طرح طرح کی ذہنی الجھنوں (نفسیاتی امراض کہہ لیجئے) میں مبتلا ہیں۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ بیماری کا علاج دوا کے ذریعہ ممکن نہیں کیونکہ میڈیکل سائنس بھی دوسرے علوم و فنون کی طرح ادھوری ہے۔ میں اپنی مثال عرض کر دوں، مجھے ہمیشہ برسات کے موسم یعنی ساروں مہادوں میں بغیر کسی سبب کے شدید ذہنی پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ نفسیات کا طالب علم ہونے کی حیثیت سے نفسیاتی حربے استعمال کیے مگر ناکام رہا۔ لیکن جب مشق محسوس نور شروع کی ہے، زندگی میں عجیب دل کش تبدیلی رونما ہو گئی۔ قلب میں ایک لطیف و عجیب جذبہ بیدار ہو گیا ہے کہ طبیعت فرح ناک رہتی ہے۔ چہرے پر ہلاکت اور آنکھوں میں چمک پیدا ہو گئی۔ اس مشق کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ پیشاب صحیح حالت میں آنے لگا ہے اس سے قبل پیشاب کبھی زرد آتا تھا، کبھی سرخ، کبھی قطرہ بھی آ جاتا تھا۔ سیکڑوں روپے علاج پر صرف کیے۔ بے فائدہ! ہر حکیم اور ڈاکٹر نے جگر کی خرابی جوڑ کی، مگر کوئی جگر کو صحت مند نہ بنا سکا۔ البتہ اس مشق کی بدولت ان تمام شکایتوں میں نمایاں تخفیف محسوس کر رہا ہوں۔ جیسے پہلے صنف نازک ہو گیا تھا کہ سینے میں طوفان جذبات ابل پڑتا تھا اور اس طوفان آتش کی گرمی تادیر محسوس ہوا کرتی تھی۔ لیکن اب یہ صورت نہیں ہے۔

عجیب نظارہ

ریس احمد (نئی کراچی) سگریٹ نوشی کے بے حد عادی تھے، لیکن مشق محسوس نور کی بدولت سگریٹ سے نفرت ہو گئی۔ یہ کامیابی ریس احمد ہی کو حاصل نہیں ہوئی اس کتاب میں ترک عادات کی کئی مثالیں پیش کی جا چکی ہیں۔ (سعید الرحمن کراچی) کا بیان اس سلسلہ میں بے حد دلچسپ ہے، لکھتے ہیں کہ:

میں نے مشقیں شروع کرنے کے تین مہینے بعد آپ کو لکھا تھا کہ مجھے کافی فوائد محسوس ہوئے ہیں اور اب کوئی تکلیف باقی نہیں۔ چنانچہ مشقیں ترک کر دیں اب جب کہ مشقیں ترک کئے ہوئے ایک مہینہ ہو گیا ہے۔ مجھ پر وہی قبل از مشق والی کیفیتیں

طاری ہو رہی ہیں۔ وہی ارادے کی کمزوری اور وہی جھٹی پہچان! میں اب حالات سے خوف زدہ ہوں اور چاہتا ہوں کہ آپ کی اجازت سے دوبارہ مشقیں شروع کروں یا آپ کوئی اور مشق ان کیفیات پر غالب آنے کے لئے تجویز کریں گے؟ میں جب سانس کی مشق کرتا ہوں تو پسینے میں شرابور ہو جاتا ہوں اور بعض اوقات تو بنیان تک گیلی ہو جاتی ہے۔ مشق کرتے ہوئے سر بھاری بھاری ہو جاتا ہے۔ میں تقریباً دو منٹ تک نور کے تصور کے ساتھ سانس کو سینے میں روک لیتا ہوں۔ ایک دفعہ مشق غلغلے نور میں یہ تصور قائم تھا کہ قلب روشنی سے جگمگا رہا ہے۔ اس دوران چشم باطن سے دیکھا یا محسوس کیا کہ قلب میں ایک کمزوری کی شکل رہی ہے اور اس میں سے سفید رنگ کے بے شمار کبوتر نکل کر اڑ رہے ہیں۔ ایک مرتبہ یہ احساس ہوا کہ قلب میں ایک روزن سا پیدا ہوا اور اس روزن سے روشنی کی تیز دھار نکل کر فضا میں پھیل رہی ہے اور سارا جسم جگمگا رہا ہے۔ اس فرحت انگیز تصور سے کتنی تفریح ہوئی کہ نہیں کر سکتا، ان تجربات کے علاوہ اندازہ ہوتا ہے کہ مجھ میں چند صلاحیتیں پیدا ہو رہی ہیں جس کی توجہ نہ لی۔ مثلاً دوستوں یا دوسرے اجنبی لوگوں سے بات چیت کر رہا ہوتا ہوں یا ان کی باتیں سنتا ہوں تو اکثر بیشتر یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ کیا کہنے والا ہے اور عموماً یہ اندازہ صحیح ثابت ہوتا ہے۔ اس صلاحیت کا تکلیف دہ پہلو یہ ہے کہ دو یا تین اموات کا قتل از واقعہ ادراک ہو گیا۔ ہمارے گھر کے سامنے ایک بزرگ رہتے ہیں جو غفور بابا کے نام سے مشہور تھے۔ بچپن ہی سے ان کے پاس اٹھنا بیٹھنا تھا۔ خیر قصہ مختصر سردیوں کا زمانہ تھا۔ میں ایک روز رات کے دس بجے تک ان کے پاس بیٹھا باتیں کرتا رہا اور پھر ان سے رخصت ہو کر گھر چلا آیا۔ وہ کافی صحت مندی کے عالم میں تھے۔ رات کے دھاتی یا تین بجے کے قریب آنکھ کھل گئی، تھوڑی دیر کے بعد کسی کے کھانسنے کی آواز آئی۔ سوچا غفور بابا تو نہیں کھانسیں رہے؟ کہیں طبیعت خراب نہ ہو گئی ہو۔ پھر یکایک دماغ میں یہ صدا گونجنے لگی کہ غفور بابا کا انتقال ہو جائے گا۔ بظاہر اس غیبی آواز کا کوئی سبب موجود نہ تھا۔ بہر حال اپنے اس خیال پر لاجول پڑھ

کر خاموش ہو گیا۔ صبح جاگا تو پتہ چلا کہ غفور بابا اللہ کو پیارے ہو گئے۔ دوسرا واقعہ یہ ہے کہ میں ۹ بجے صبح سوکر اٹھا ابھی بستر پر ہی لیٹا تھا ہماری جان پہچان کی ایک عورت گھر میں آئیں اور اس نے کہا کہ کسی کا جنازہ باہر رکھا ہوا ہے۔ (گھر سے دس پندرہ قدم کے فاصلے پر مسجد ہے نماز جنازہ مسجد میں پڑھی جاتی ہے، یہ بات سنتے ہی میرے ذہن میں ایک صاحب کا نام آیا۔ جو محلہ میں کافی معزز اور بااثر تھے۔ لوگ انہیں حاجی صاحب کہہ کر پکارتے تھے خیال آیا کہ کہیں ان کا انتقال نہ ہو گیا ہو۔ تعجب ہوا یہ خیال کیوں آیا وہ صاحب تندرست تھے، بعد کو پتہ چلا کہ میرا خدشہ صحیح تھا۔ حاجی صاحب صبح کی پرواز سے حج کے لئے جا رہے تھے کہ تین بجے شب کو پیام مرگ آ گیا۔ رئیس صاحب پیش بینی کا یہ پہلو بدھشگونی لئے ہوتا ہے، اور میں اس سے خائف ہوں۔

نوائے سروش

ان مشقوں سے جو صلاحیتیں ابھرتی ہیں، ان کا اندازہ دماغ کو ہو جاتا ہے۔ امتیاز احمد شاہین (کوئٹہ) کا یہ فقرہ قابل غور ہے کہ میرے دل و دماغ میں کوئی چیز چھپی ہوئی ہے۔ جو باہر آنے کو ہے لیکن ہے (اپنے خط مورخہ ۲۲ مئی ۱۹۷۷ء) میں شاہین لکھتے ہیں کہ آپ نے دریافت کیا ہے کہ اب دل و دماغ کی کیفیت کیا ہے تو عرض ہے الحمد للہ بتدریج سنبھل رہا ہوں کام کرنے کی لگن پیدا ہو گئی ہے۔ وہ امتیاز جو پہلے بات بات پر سوچتا اور جھنجھلاتا تھا۔ مرچکا ہے اور ایک نیا امتیاز وجود میں آیا جو پرسکون ہے۔ غیظ و غضب پر قادر ہے فضول تصورات کے دام خیال سے آزاد ہو چکا ہے۔ نفس سرکش کو رام کرنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے۔ خوش خبری یہ کہ تعلیم میں جی لگنے لگا ہے۔ (پہلے یہ بات کہاں تھی) عصر کی نماز کے بعد قلب میں ایسی صفائی اور پاکیزگی پیدا ہو جاتی ہے کہ سبحان اللہ! مشق کے بعد جس موضوع پر قلم اٹھاتا ہوں۔ بے ٹکناں اور بے تکلیف لکھتا چلا جاتا ہوں، ایسے نادر نکتے ذہن میں آتے ہیں حیران رہ جاتا ہوں۔

آتے ہیں غیب سے یہ مفاہیم خیال میں

غالب صریح خامہ نوائے سروش ہے

مشق کرنے والوں کو اکثریت اس مشق سے لطیف ہوتی ہے لیکن بعض حضرات خوف زدہ بھی ہو جاتے ہیں۔ محمد سلیمان (کراچی) ان میں سے ایک ہیں، نقل کرتے ہیں کہ: ۲۳/ اپریل ۱۹۷۳ء کو رات کے بارہ بجے سے مشق تنفس نور کا آغاز کیا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم، دس روز بعد جب میں مشق کر رہا تھا، تو ابتدائی دو چکر تو بخیریت گزر گئے۔ جب تیسرا چکر کیا تو بدن جھنجھٹا اٹھا۔ فوراً آنکھیں کھول دیں۔ پھر بھی مشق جاری ہے۔ مگر ڈرتے ڈرتے! اب ایک اور صورت حال پیدا ہوئی ہے۔ آنکھیں بند کرتا ہوں تو نگاہ کے سامنے کچھ پہاڑ نظر آنے لگتے ہیں۔ نگاہ یہ کہ درمیان میں آسمان اور دونوں طرف کالے پہاڑ، ان پہاڑوں سے ایک ٹکڑا نکل کر میری طرف آتا ہے اور پھر دور چلا جاتا ہے۔ جب آنکھیں بند رہتی ہیں یہی کرشمہ ہوتا رہتا ہے۔ ایک روز میں نے دوپہر کے کھانے کے بعد مشق شروع کی تو آنکھیں بند کرتے ہی کالے دیو زاد پہاڑ آنکھوں کے سامنے گھومنے لگے۔ چنانچہ میں نے فوراً آنکھیں کھول دیں۔ اب یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ خدا نخواستہ ان مشقوں سے مجھے کچھ ہونے لگے۔

روشنی کا گولہ

عبدالرحمن (لاہور) کی روایت ہے کہ:

مجھے مشق کرتے ہوئے ۳۷ دن ہوئے ہیں، صبح و شام ۷، ۷ چکر کرتا ہوں روزانہ کی کیفیات ایک نوٹ بک میں لکھتا رہتا ہوں۔ نور کا تصور پہلے ہی ہفتے میں پیدا ہو گیا تھا۔ لیکن نورانی گولے کی شکل تصور میں قائم نہ ہوتی تھی۔ یہ تصور پیدا ہوتا تھا کہ روشنی لہروں کی شکل میں فتنوں کے اندر داخل ہو رہی ہے اور اندر جا کر سفید دودھیا گولے کی شکل اختیار کر جاتی ہے۔ اور گولے کی روشنی سے ناف سے تا بہ دماغ تمام جسم منور ہے۔ اب میں اس سورج نما گولے کو بائیں طرف قلب کے عین نیچے لے جاتا ہوں۔ جس سے قلب چکا چوند پیدا کر دینے کی حد تک چمک اٹھتا ہے، یہ گولہ دماغ کی

نورانی دھار کی طرح داخل ہوتا ہے اور رگ رگ کو دمکا دیتا ہے، اب تک یہی تصور چل رہا ہے۔

ترغیبی فقرے

اگر سانس کی مشق میں ترغیبی فقرے دہرائے جائیں تو کافی ذہنی فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔ دل دار چوہان (مکتوب ۸/ مئی ۱۹۷۰ء) اسی کے عادی ہیں۔ وہ سانس اندر کھینچتے، سینے میں روکتے اور خارج کرتے وقت دل ہی دل میں حسب ذیل عبارت دہراتے ہیں کہ تیز روشنی کا نورانی فعلہ نور برساتا، چمکتا دمکتا رگ برساتا ہوا کے ساتھ ناک کے اندر داخل ہو رہا ہے اور سٹ سٹا کر قلب میں قندیل کی طرح جلوہ ریز ہے۔ دنیا کی کوئی چیز اس سے چمچی نہیں رہے گی مجھے ہر بات معلوم ہو جائے گی، ہر خواہش پوری ہو جائے گی، روز بروز میری حالت بہتر سے بہتر ہوتی چلی جا رہی ہے۔ نظر تیز ہو رہی ہے اور میرے جسم و جان سے دریائے نور بہہ رہا ہے۔ یہ وہ ترغیبی فقرہ، جسے میں دوران مشق دہراتا ہوں اور جب لطف اٹھاتا ہوں۔ ظفر دہرائی کو یہ اندیشہ تھا کہ قلب جال کی طرح سے ڈھکا ہوا ہے۔ چنانچہ مشق کرتے ہوئے بھی یہی لفظ دہرائی نظر رہا۔ لکھتے ہیں کہ ابتداء میں روشنی کا واضح تصور تھا۔ پھر دو یا تین ٹائمنے ہو گئے اب جو مشق کی تو محسوس ہوا کہ قلب پر سیاہی چھائی ہوئی ہے اور روشنی کا دور در تک پتہ نہیں دیا تین روز سے یہ کیفیت ہے۔

عالم استغراق

نصاب تعمیر و تنظیم شخصیت (S.C.T) کی مشقوں سے اگر استغراق (ذوق جانے) کی کیفیت طاری نہ ہو، تو ان مشقوں کو اچھوڑا سمجھنا چاہیے۔ استغراق کی کیفیت کتنی عجیب ہوتی ہے اس کا اعجاز وہی کر سکتا ہے جو اس کیفیت سے دو چار ہوا ہو۔ فیاض احمد (اندرون کابل دروازہ پشاور) رقم طراز ہیں کہ:

مشق شروع کرنے کے تیسرے روز ایک بجے دوپہر مجھ پر یکا یک استغراق کی حالت طاری ہوگئی اور کچھ پتہ نہ چلا کہ میں کہاں ہوں اور کیا کر رہا ہوں۔ جب ہوش آیا تو مسکرا رہا تھا، زندگی میں پہلی مرتبہ مجھے کھوجانے کا تجربہ ہوا۔ اسی طرح ایک رات مشق کرنے کے بعد اتنا سکون محسوس ہوا کہ بیان نہیں کر سکتا اور عجیب بات یہ ہے کہ مجھے اپنی جلد کپکنی اور لمبائی گنتے گئی۔ ایک خوش گوار تبدیلی یہ ہے کہ پریشان کن خیالات سے نجات مل گئی ہے۔ پہلے جب کبھی کسی دوست کا خیال آتا تھا تو احساس کسٹری کے سبب گھبراہٹ بلکہ بزدلی طاری ہو جاتی تھی اور بار بار اس دوست کا خیال آنے لگتا۔ لیکن اب ان میں ایک بار بھی اس کا خیال نہیں آتا۔ میں اپنے کوفوری طو پر بدل دینے کا خواہش مند ہوں۔ لیکن یہ ممکن نہیں اس لئے بعض اوقات مشقوں کی طرف سے جی بیزار ہو جاتا ہے۔ جب قبض کی حالت طاری ہوتی ہے (یعنی ذہن بند ہوتا ہے) تو اس قدر شدت سے محسوس کرتا ہوں کہ خدا کی پناہ! میں نے سانس کھینچنے، روکنے اور نکالنے میں چاند کا تصور قائم کیا تھا۔ لیکن رنڈ رنڈ یہ تصور بھی معدوم ہو گیا اور اب عالم ویرانی میں بھٹک رہا ہوں۔ مکتوب نگار نے جس ”ویرانی“ کا ذکر کیا ہے وہ کسے محسوس نہیں ہوتی۔ ہمارا ذہن مثبت کنی نہیں مٹتی بھی ہے۔ جس طرح آبادی اور شادابی احساس کا ایک حصہ ہے، اسی طرح ویرانی کا اور اک بھی قطعی طبعی حقیقت ہے۔ مثبت اور منفی کا وجود ایک دوسرے کا رین منت ہے۔ منفی نہ ہو تو مثبت فنا ہو جاتا ہے (کیونکہ مثبت ہے ہی اس لئے کہ منفی کا وجود ہے) اور مثبت نہ رہے تو منفی غالب ہو جاتا ہے۔ سیاہ اس وقت تک سیاہ ہے جب تک سفید موجود ہے کہ ہمیں کبھی اور کسی حال میں یہ توقع نہ رکھنی چاہئے کہ ان مشقوں سے جو ”منو“ بنائے وہ ہمیشہ قائم رہے گا یہ ممکن ہی نہیں، یہ ہو ہی نہیں سکتا۔

صوفیا کا احوال بھی یہی ہے، شیخ سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

گمے برطلام اعلى نشینم
گمے بزیشت پائے خود نہ ینم

کبھی میں اپنے کو عرش معلیٰ پر محسوس کرتا ہوں اور کبھی (اس قدر پستی طاری ہوتی ہے) کہ اپنے پاؤں کے تلوے تک میں دیکھ سکتا ہوں۔ سو یہ کیفیات جاری رہیں گی اور ان کیفیات کو جاری رہنا چاہیے۔ کیونکہ مختلف کیفیات (خوشی، ناخوشی، امید، ناامیدی، کشادگی، بندش، حوصلہ مندی، بے ہمتی وغیرہ کے پے در پے اور اک سے شعور مالا مال ہو کر انسان میں حقیقت پسندی کی صلاحیت بیدار ہوا کرتی ہے۔

صبحی کے بعد

محمد افیس خان معرفت آف موہاٹل (حیدر آباد سندھ) کے بیانات بھی فکر انگیز ہیں۔

۸/ اپریل ۱۹۷۶ء سے مشق کر رہا ہوں۔ ۸/ مئی تک کی رپورٹ حاضر ہے۔

(۱) شعلہ نور کا تصور اب تک قائم نہیں ہو سکا۔

تین یا چار دن میں ایسا محسوس ہوا کہ ایک دم میری گردن لمبی ہوئی ہے اور پورا جسم پھیل گیا ہے۔ (۲) اس کے بعد یہ احساس ہونے لگا کہ ناف کے نیچے سے کوئی چیز نکل کر ریڑھ کی ہڈی کے راستے دماغ میں جا کر لگی ہے (دوبی قوت حیات کی بیداری کا مظاہرہ)۔ (۳) ہر وقت رانوں، پنڈلیوں، گردن کمر اور ریڑھ کی ہڈی میں درد رہتا ہے (یہ درد کنڈائی شکتی یا مار آتشیں کی جنبش و حرکت کا ثبوت ہے)۔ (۴) تنفس نور کے بعد ایک دم گہری نیند آنے لگتی ہے۔ (۵) گرمی کا احساس ہوتا ہے اور پسینے پسینے ہو جاتا ہوں، تنفس نور کرتے وقت ایسا لگتا ہے کہ ”کانوں میں پتھر چل رہے ہیں۔“ (۶) اس مشق سے چھ سال پرانا درد سر دور ہو گیا ہے۔ (۷) خود لذتی جیسی جی ہوئی عادت سے ایک دم نفرت ہو گئی اور اس سے چھٹکارا حاصل ہوتا جا رہا ہے۔ (۸) خود نویسی کرتے ہوئے گندے خیالات، عریاں تصویریں اور گالیاں تحریر ہوتی ہیں۔ (۹) محبوبہ کے خیالات اور تصورات سے پیچھا چھڑانے میں دس فیصد کامیابی ہوئی ہے۔

اہم مگر مبہم اشارے

غنودگی یا بے خودی کے عالم میں جو اشارے نظر آتے ہیں۔ وہ ہر چند بہت مبہم ہوتے ہیں۔ تاہم ان کی اہمیت میں شبہ نہیں۔ انسان کو حیوان ناطق کہا جاتا ہے لیکن نطق و کلام کا یہ درجہ ایک دم حاصل نہیں ہو گیا۔ وہ تدریجی طور پر نطق آشنا ہوا ہے۔ بچہ بولنے سے پہلے اشارے کرنا سیکھتا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ مفرد الفاظ استعمال کرنے لگتا ہے اور پھر مسلسل گفتگو کا عادی ہوتا ہے۔ نطق کا عمل شعوری عمل ہے اور اشارات کا تعلق لاشعور سے ہے۔ آدمی خواب یا نشہ کے عالم میں بے ربط گفتگو کرتا ہے۔ یا صرف اشارے کرتا ہے۔ نوع انسانی کی اکثریت بھی اپنے عالم فظلی میں معنی کے ابلاغ و ترسیل (یعنی بات کہنے اور پیام پہنچانے کے لیے) اشاراتی زبان استعمال کرتی تھی۔ قدمِ ترمیم رسم الخط مثلاً مصری، منگولی، تصویری رسم الخط تھے۔ مثلاً اونٹ یا گھوڑا سفر کا اشارہ تھا، تیر کمان شکار کا۔ آج تک انسانی شعور کا ابتدائی حصہ یعنی نفس کی چٹکی پر نطق و کلام سے اتنی آشنا نہیں۔ جتنی اشارات و علامات سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خواب کی حالت میں نفس اپنا مفہوم اشارات کی شکل میں بظاہر نکالتا ہے مثلاً میں نے خود ایک عزیز کی موت سے قبل خواب میں دیکھا کہ ایک بھگیاں میں میں آ رہا ہوں اور سب لوگ خوف زدہ ہیں۔ اپنی پالتو مرغیوں میں وہاں پھیلنے سے چند روز قبل میں نے دیکھا کہ دو خوشنک بلیاں بچوں کے بل کھڑی مرغی خانے کو تک رہی ہیں۔ اہم ترین واقعات (خواہ ان کا تعلق انفرادی زندگی سے ہو یا اجتماعی زندگی سے) کے ظہور سے قبل انتہائی حساس ذہن کسی نہ کسی طرح ان کا اور اک کر لیتے ہیں۔ یہی حالت استغراق کی حالت آنے والے مشاہدات کی ہے مثلاً سید بشیر حسین (لاہور) نے مشق کے بعد بحالت استغراق دیکھا کہ لگاؤ باطن کے سامنے سورج چمک رہا ہے ایک رات کو سو یا تو دیکھا کہ مغربی افق پر ایک دو نہیں بیسیوں سورج چمک رہے ہیں۔ لکھتے ہیں جنہیں ڈوبے اور مشرق سے طلوع ہوتے دیکھا۔ یہ سب کیا ہے۔ یہ اشارات کی زبان میں سید بشیر حسین کو کوئی اہم خبر پہنچائی جا رہی ہے۔ ان صفحات میں بہت سے حضرات کے مشاہدات اور تجربات آپ کی

نظر سے گزرے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ کتنے پر معنی اور تخیل انگیز اشارات کے ذریعے نفس نے اپنے مقاصد اور رجحانات کا اظہار کیا ہے۔

قاتل کا خوف

ان مشقوں سے ذہنی اور اعصابی طور پر جو شدید حساسیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کا تجربہ ہر اس شخص کو ہے جو لگن کے ساتھ ان مشقوں پر عامل ہے۔ سرور ہاشمی REGT 16FF کا بیان ہے کہ مجھے ان مشقوں نے بے حد حساس بنا دیا ہے۔ رات کو پتہ بھی کھڑکتا تو میں سوتے سے اٹھ جاتا۔ اکثر احساس ہوتا جیسے کوئی شخص دروازے کے باہر اس ارادے سے کھڑا ہے کہ مجھے قتل کر ڈالے گا۔ چنانچہ گھبرا کر اٹھتا، پھر دانی کا فولادی ڈنڈا نکالتا اور ہیکلے سے دروازہ کھول کر ہائی جپ کا مظاہرہ کر کے جوڑو کا پوز بنا لیتا۔ باہر سونا پسند تھا اور عادی بھی تھا۔ لیکن ان مشقوں سے جو شدید الاحساس پیدا ہو گئی تھی۔ اس کے سبب باہر سونے کی جرأت نہ ہوتی۔ رات کو مشق کر کے سونے لیتا تو خود بخود روشنی کا تصور قائم ہو جاتا۔ ایک بار اسی تصور میں انجانے اور ہیبت ناک کالے کالے پہاڑوں کی سیر کر ڈالی۔ کوئی جی رہا تھا کہ آگے یہ کیسے ادھر آ گیا اسے پکڑو سرور صاحب نے سوال کیا ہے کہ آخر یہ کیا بات ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ ابتدا میں ہی سرور صاحب کے لاشعور میں کسی انجان دشمن یا اجنبی قاتل کا خوف جاگزیں تھا۔ نصاب تعمیر و تنظیم شخصیت کی مشقوں کے سبب نفس کے تمام حجابات دور ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ سرور ہاشمی بچپن سے لاشعوری طور پر جس خوف میں مبتلا تھے، وہ انجام کار نمایاں ہو گیا۔ بالِ علی (کراچی) رقم طراز ہیں کہ مشقِ تنفس نور سے میرے وزن میں دو پونڈ کا اضافہ ہو گیا۔ خود اعتمادی میں ترقی محسوس کرتا ہوں۔ پہلے بے خوابی کے مرض میں مبتلا تھا۔ اب مشق کے فوراً بعد نیند آ جاتی ہے، پہلے کام کرنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ اب طبیعت خود بخود کام کی طرف راغب ہے۔ عالم تصور میں خلع نور دل کے آس پاس جھلکتا ہے۔ تودل کے پاس اور حصہ گرم ہو جاتا ہے پھر وہی سننا ہٹ اور برقی جھکوں کی شکایت کی ہے۔ ن۔ م

رحیم یار خان) میں پیدا ہونے کی صلاحیت موجود تھی۔ مشق تنفس نور سے یہ صلاحیت نمایاں ہو گئی۔ لکھتے ہیں کہ مجھے اکثر چیزوں کا قبل از وقت علم ہو جاتا ہے۔ ایک دن صبح سویرے آنکھ کھلی تو دل نے کہا کہ آج ایم اے کا نتیجہ شائع ہوگا۔ یہی ہوا مجھے نہیں آیا کہ مجھے جتنی اس بات کا علم کیسے ہو گیا تھا۔ دوسرا واقعہ یہ ہے کہ یکا یک خیال آیا کہ میرا فلاں دوست جو بہاول پور میں رہتا ہے آج آجائے گا۔ یہ سوچتے ہی کسی نے دروازے پر دستک دی۔ دیکھا کہ وہی دوست سامنے کھڑا ہے۔

مقتناطیس اثرات

ن۔ م کا یہ بھی بیان ہے کہ مشق تنفس نور سے آنکھوں میں عجیب قسم کی کشش پیدا ہو گئی ہے اور یہ مقتناطیس اثرات دوسروں کو بھی محسوس ہوتے ہیں ابھی ایک ہفتہ ہوا کہ ہمارے دفتر میں ایک فراڈ قسم کا ایک شخص آیا۔ لوگوں میں اس کے کمالات کے چرچے شروع ہو گئے۔ وہ اپنے کو بہت بڑا عامل بتاتا تھا۔ خیر اس سے ملنے گیا، دیکھا کہ وہ لوگوں کو الٹے پلٹے جوابات دے رہا ہے میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ وہ اٹھ کر ایک طرف گیا اور مجھے اشارے سے پاس بلا کر کہنے لگا میں غریب آدمی ہوں اور اس طرح گزر اوقات کرتا ہوں۔ خدا کے لئے میرے کام میں دخل نہ دو۔ یہ سب مشقوں کے اثرات ہیں۔ ایک اور صاحب نے بھی مشقوں سے اپنی شخصیت میں مقتناطیس کشش محسوس کی۔ لکھتے ہیں کہ شروع میں زبردست رکاوٹ محسوس ہوئی مگر اب وہ رکاوٹ اور دشواری دور ہو رہی ہے۔ مشق کے بعد طبیعت بہت ہشاش بشاش ہو جاتی ہے۔ جیسے ذہن کا سارا بوجھ اتر گیا، اس میں قلبی سکون کو کیفیت الفاظ کے ذریعہ بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ لوگ کہتے ہیں کہ تمہاری شخصیت میں مجموعی طور پر کشش اور مقتناطیس جاذبیت پیدا ہو گئی ہے۔ اور میں خود بھی اس مقتناطیسیت کو محسوس کرتا ہوں، مشق کے بعد ایسا لگتا ہے کہ گہری خوش گوار نیند سے بیدار ہوا ہوں، اور جسم و جان کی ساری تھکن ریف ہو چکی ہے۔ یہ حالت تین چار منٹ رہتی ہے پھر ذہن اپنے معمولات میں

مصروف ہو جاتا ہے۔ نور کا تصور بخوبی قائم ہونے لگا ہے۔ فعلہ نور ہمیشہ دوران مشق پیش نظر رہتا ہے۔ مشقیں شروع کرتا ہوں تو جی چاہتا ہے کہ مشق کرتا ہی رہوں، اختصار احمد (لاہور) بھی مشق تنفس نور سے بقول خود مجسمہ جذب و کشش بن گئے ہیں۔ درحقیقت روشنی، حرارت و حرکت اور مقتناطیسیت ایک ہی توانائی کے مختلف پہلو ہیں۔ مادے کی طرح توانائی بھی وحدت الوجود کی مظہر ہے۔ بلکہ خود مادہ بھی توانائی کی ہی ایک شکل ہے۔ آپ نے اس کتاب میں جانجا، ہر دو تین سطروں کے بعد ”نور“ کی تکرار پائی، کیا اس تکرار سے اندازہ نہیں ہوتا کہ آدمی کی اصل ”نوری“ ہے، اس موقع پر علامہ اقبال کا مشہور شعر یاد آیا

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی

یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

مگر یہاں نور سے مطلب وہ مادی نور نہیں جس کا تجربہ روایت کے طالب علموں کو ہوتا ہے بلکہ نور یقین و ایمان مراد ہے۔ اختصار احمد لکھتے ہیں کہ جب سانس کو ناک کے سوراخوں کے ذریعہ خارج کرتا تو ایسا لگتا ہے کہ جان نکل جائے گی۔ صبح کے وقت مشق کرتے سے آنکھوں کے سامنے روشنی ہی روشنی پھیل جاتی ہے۔ جیسے کسی نے سرج لائٹ جلا دی ہو، آنکھیں بند ہوتی ہیں۔ مگر لگتا ہے کہ ہر چیز صاف نظر آ رہی ہے۔ آپ سمجھے یہ کیا کرشمہ ہے۔ آنکھیں بند ہونے پر کوئی شخص کس طرح دیکھ سکتا ہے۔ درحقیقت یہ کرشمہ تیسری آنکھ کا ہے۔ جسے غدہ صنوبری (پی نیل گیٹنڈ) کہتے ہیں۔ اس غدد کو پراسرار قوتوں کا مرکز کہا جاتا ہے۔

سرخ ہیولا

سرمد علی (پارہ چنار) کو مشق کے بعد اپنے سامنے سرخ رنگ کا ہیولا سا چلنا نظر آتا ہے۔ اپنے مکتوب (مورخہ ۱۳/ جون ۱۹۷۳ء) میں لکھتے ہیں کہ شروع شروع میں سانس کی مشق سے سخت درد سر کی شکایت پیدا ہو گئی تھی اور اٹھتے بیٹھتے سر پکراتا تھا لیکن

میں نے ہمت نہیں ہاری اور مشق جاری رکھی، رفتہ رفتہ یہ شکایت بھی دور ہو گئی۔ تصور نور اس قدر پختہ ہو گیا ہے، جو نبی آنکھیں بند کیں اور سامنے دریائے نور لہریں مارنے لگا۔

ہوتا ہے شب و روز چراغاں میرے آگے

برپا ہے عجب نور کا طوقاں میرے آگے

اس وقت میں اپنے آپ کو سرتا پاجسمہ نور پاتا ہوں اور اندرونی تجلیات سے جگمگاتا، ایک اور مصیبت درپیش ہے جب گھومنے کی غرض سے باہر نکلتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سرخ رنگ کا ایک ہیولا میرے آگے آگے چل رہا ہے۔ کبھی تین چار رنگ کی دھوپ چاروں طرف پھیل رہی ہے۔ بالکل وہی منظر کسی کمرے میں تین چار رنگ کے بلب جل رہے ہیں۔ اب تو اس جہنم جگہ سے جی گھبرانے لگا ہے۔

ہزار رنگ کے جلوؤں میں گھر گیا ہوں میں

یہ کس عذاب تماشا میں مبتلا ہوں میں

کہیں ایسا نہ ہو کہ گھر سے باہر نکل کر میں اس جہنم رنگ نور میں اپنا راستہ بھول جاؤں۔ خان محمد ڈراما گھر (گودھا) بھی اس مشق کے عامل ہیں اور التضرع (نقطہ نبی) بھی کرتے ہیں۔ انہوں نے چند دلچسپ واقعات تحریر کئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ پہلا واقعہ لاہور میں پیش آیا۔ دوپہر کا وقت تھا کہ یکا یک گھر کا خیال آیا۔ (جو سرگودھا میں ہے اور بڑی شدت سے بچنے کی یاد ستانے لگی۔ کسی قدر غنودگی طاری ہو گئی کہ ناگہاں میرے کان میں تین سالہ بچے خالد کی آواز آئی میں چونکا، پھر کیا دیکھتا ہوں کہ بیوی صحن میں ایک چوکی پر بیٹھی ہنس رہی ہے۔ اور میرا بڑا لڑکا اسے مار رہا ہے اور روتے ہوئے کہہ رہا ہے کہ تم نے مجھے کیوں مارا؟ یہ منظر ایک سینکڑہا پھر ذہن کو برقی جھٹکا لگا اور غنودگی ختم ہو گئی۔ جناب میں اسے خواب ماننے پر تیار نہیں، لیکن پوری طرح بیدار بھی نہ تھا۔ بہر حال یہ منظر پوری طرح واضح تھا۔ تین چار روز کے بعد جب میں گھر گیا تو بیوی سے پوچھا۔ اس نے بتایا کہ ایسا دو چار مرتبہ ہوا ہے جب بھی مارتی ہوں۔ وہ یہی

کہتا ہے کہ تم نے مجھے کیوں مارا؟ جس وقت واقعہ پیش آیا ہے۔ اپریل کی پہلی تہی اور میں یہ سوچ کر مسکرانے لگا کہ ذہن نے میرے ساتھ خوب اپریل فول کا مذاق کیا۔ دوسرا واقعہ گیارہ اپریل کو پیش آیا، صبح کے وقت مشقوں کے بعد میں بیٹھا کوئی کام کر رہا تھا کہ ایک دم جھٹکا سا لگا اور بیرونی دنیا سے میرا رابطہ منقطع ہو گیا کانوں میں گڑگڑاہٹ کی آواز آئی جیسے زیر زمین کوئی بھاری مشین چل رہی ہو، پھر ایک جھٹکا سا لگا۔ ساعت بھال ہو گئی اور میں اس دنیا میں لوٹ آیا۔ تیسرا واقعہ ۱۶ اپریل کو رونما ہوا۔ میرا سالا محمد خان فوج میں ملازم ہے، نہ اس کے آنے کی اطلاع تھی نہ امید، بے اختیار ذہن میں آیا کہ آج محمد خان چھٹی پر آ رہا ہے۔ میں نے یہ بات کسی کو نہیں بتلائی کیونکہ سب کے لئے باعث تعجب ہوتی ہاں محمد خان دو تین گھنٹے بعد گھر پہنچ گیا۔

روشنی چٹ گئی

شیرانگن (گجرات) کا بیان ہے کہ مشق کو چھ مہینے گزر چکے ہیں اور بہت سے فوائد حاصل ہوئے ہیں۔ چہرے پر تازگی اور شکستگی نظر آتی ہے، آواز میں کھٹک اور ترنم پیدا ہو گیا ہے۔ بہت لمبی اور مسلسل تان گلے سے نکال سکتا ہوں، مشق کے بعد ایسا لگتا ہے کہ سینے سے ہر جوہر اتر گیا ہے، میں اپنے آپ کو بہت ہلکا محسوس کرتا ہوں۔ ضبط نفس کی قوت اجاگر ہو رہی ہے۔ یعنی خواہشات پر غالب آ جاتا ہوں، نیز ترک حیوانات پر بھی عامل ہوں۔ البتہ کبھی کبھی یہ مجبوری تھوڑا بہت گوشت چکھنا پڑتا ہے، اس سے فوائد میں کمی نہیں ہوگی۔ آج کل ایک عجیب مشاہدہ ہو رہا ہے وہ یہ کہ دیواروں کے کنارے سے نیلی نیلی خوب صورت روشنی پھوٹی دکھائی دیتی ہے۔ اگر چند سینکڑ کے لئے نظریں مٹا دوں تو بڑی زبردست روشنی اٹل پڑتی ہے۔ عرض یہ ہے کہ میں سلسلہ عالیہ قادریہ رضویہ سے بھی بیعت ہوں اور نماز کا عادی! محمد اشرف خاں کا بیان ہے کہ:

جب سانس کے ساتھ روشنی کا بالہ میرے اندر پہنچ جاتا ہے اور اسے قلب میں جمع کرتا ہوں تو خوف کی دہلی دہلی لہر دل میں محسوس ہوتی ہے۔ تین منٹ تک سانس

روکے رہنے کے باوجود روشنی ہے کہ قلب سے باہر آنے کا نام نہیں لیتی۔ اگرچہ انجام کار میں اسے باہر نکالنے میں کامیاب ہو جاتا ہوں۔ مگر اس سے بڑی الجھن محسوس ہوتی ہے۔ مجھے ایسا کیوں محسوس ہوتا ہے کہ روشنی چٹ گئی اور دم گھٹ رہا ہے۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ صبح سے بارہ بجے تک خوف کا بہت زوردار دورہ پڑتا ہے اور پھر جوں جوں دن ڈھلتا جاتا ہے خوف کی شدت میں کمی آنے لگتی ہے۔

ایک اور مکتوب نگار (۱۱۳/۱) مائل ٹاؤن بی بہاول پور نے عجیب احساس کا اظہار کیا ہے۔ سنئے:

دو دن سے مشق کے چوتھے یا پانچویں پکر میں ایسا لگتا ہے کہ میں چھوٹے سے جسم میں پھنسا ہوا ہوں۔ یہ جسم میرے لئے بہت چھوٹا ہے اس جسم کی ساخت کچھ عجیب سی ہے۔ جیسے موٹے اور نرم تاروں کو ٹیل دے کر ان کے لمبوں سے یہ جسم بنایا گیا ہے۔ سانس روکنے کے درمیان یہ تمام تار قلب سے شروع ہو کر جسم اور اعضائے جسم میں پھیل کر جال سا بنادیتے ہیں۔

میں چو

اے مالک کل میرے والدین پر رحم فرما

افسانے کا ہیرو آرائیں (نژاد غلام علی) نصاب تعمیر و تنظیم شخصیت کے طالب علم ہیں رقم طراز ہیں کہ:

ایک عجیب واقعہ سنئے میں کالج میگزین کے لئے افسانے لکھ رہا تھا کہ یکا یک افسانے کے ایک موڑ پر آ کر قلم رک گیا۔ ہیرو کو کچھ مکالمے بولنے تھے اور یہی افسانے کی جان تھے ہزار کوشش کے باوجود موزوں جملے کچھ سمجھ میں نہ آئے۔ میں نے تنگ آ کر قلم بچ دیا۔ مشق کی اور سونے کے لئے لیٹ گیا اور وہی ترغیبی فقرہ دہرانا شروع کیا کہ ”میرے اندر نور ہے باہر بھی نور ہے“ یہ فقرہ دہراتے دہراتے سو گیا۔ خواب دیکھا کہ وہ منظر میرے سامنے ہے جو افسانے میں بیان کیا گیا تھا میں نے دیکھا کہ میں خود افسانے

کا ہیرو ہوں اور وہی مکالمہ بول رہا ہوں جو میں لکھنا چاہتا ہوں۔ وہ فقرہ آپ بھی سن لیں، ہیرو ہیروئن سے کہتا ہے کہ:

تم نے..... تم نے اپنی آنکھوں کو جھٹسے کے پیچھے چھپا لیا ہے کاش اپنے ضمیر کو بھی کسی جھٹسے کے پیچھے چھپا لیتیں۔

حیرت ہے کہ صبح جاگنے کے بعد وہ فقرہ مجھے بخوبی یاد تھا، حالانکہ میں خود فراموش واقع ہوا ہوں۔

مرغوب فریدی (ناظم آباد) کا جسم اس مشق سے اتنا حساس اور اثر پذیر ہو گیا کہ مشق کرتے ہوئے کرتا بھی جسم پر ناگوار ہوتا ہے۔ لکھتے ہیں کہ سانس کھینچنے وقت بدن میں بجلی کی دوڑ جاتی ہے، گدی میں بے انتہا کھنچاؤ ہوتا ہے۔

محمد علی (پوسٹ بک نمبر ۱۳۸۷ ڈیرہ دہلی) کا بیان ہے کہ:

ایک روز مشق کرتے ہوئے آپ کی صورت نظر آئی، کوئی صاحب ریش بزرگ بھی آپ کے پاس کھڑے تھے۔ آپ کی جو تصویر اخبار میں چھپی ہے۔ ہو بہو ویسے ہی آپ نظر آئے اب سے قبل جو کہ شکلیں نظر آتی تھیں۔ وہ بے حرکت معلوم ہوتی ہیں، اب چلتی پھرتی نظر آتی ہیں۔

توصیف الدین کو مشق میں نور کے بجائے اندھیرے سے سابقہ پڑتا ہے مگر کبھی ایسا لگتا ہے کہ دماغ پر نور ہے اور بائیں طرف (جدر قلب ہے) گھٹا ٹوپ اندھیروں کا راج ہے۔

اہل رہا ہے اندھیروں سے سیلِ نبوت درنگ
کھلا کہ خلعت و غم کا مزاج نوری ہے

محمد صابر قریشی (کراچی) جو بھی مشق ختم کرتے ہیں۔ تصورات کی ایک قلم نگاہ کی سامنے چلنے لگتی ہے۔ سید منظور حسین کاظمی (راولپنڈی) نے مشقیں کرنے والوں کو مشورہ دیا ہے کہ: (۱) یہ مشقیں کرنے والے اگر ہر وقت با وضو نہیں رہ سکتے تو کم سے کم

مشق کرتے وقت پاک صاف لباس پہنیں اور بادلو ہوں۔ (۲) یہ مشقیں کرنے والے پاک و پاکیزہ خیالات کے حامل ہوں، ورنہ فائدے کی بجائے نقصان کا اندیشہ ہے۔ کاظمی صاحب کا مشورہ حق بجانب اور برحکم ہے۔ ایک مشورہ میری جانب سے بھی قبول کیا جائے۔ ان مشقوں کے فوائد تو ظاہر ہیں لیکن جو چیز فائدہ پہنچا سکتی ہے، اس سے گزند کا بھی اندیشہ ہے۔ میں جلد اول میں بھی لکھ چکا ہوں اور اب پھر اس تنبیہ کو دہراتا ہوں کہ یہ مشقیں استاد کی اجازت کے بغیر نہ کی جائیں۔ میں نے جہاں بہت سے لوگوں کو ان مشقوں سے فائدہ اٹھاتے دیکھا ہے۔ وہاں ایسے لوگ بھی نظر سے گزرے جنہوں نے اجازت کے بغیر باقاعدگی کے ساتھ مشقیں شروع کیں اور نقصان اٹھایا۔ آپ میری تصانیف پڑھ کر بھی کوئی مشق بذات خود اور بجائے خود شروع نہ کریں۔ بلکہ پہلے اپنی ذہنی، جسمانی اور نفسیاتی کیفیات سے مطلع کریں، اور پھر ادارہ من عرف نفسہ (م۔ ع۔ ن۔ یعنی معن) کی روایت کا فائدہ (ممبری فارم) بھر کر میری تجویز کردہ مشق پر عمل کریں اور حسب ضرورت مجھے اپنے حالات سے مطلع کرتے رہیں تاکہ آپ کی مناسب رہنمائی کی جاتی رہے۔ آپ دنیا کے کسی گوشے میں ہوں، خط و کتابت کے ذریعہ مجھ سے رابطہ قائم کر سکتے ہیں۔ شیخ خالد محمود قصوری (قصور) جب اندھیرے میں بیٹھ کر مشق محض نور کرتے ہیں تو نور کا تصور واضح ہو جاتا ہے۔ لکھتے ہیں:

روشنی میں مزہ نہیں آتا اس مشق سے میری ذہنی حالت کافی سنبھل گئی ہے اور میں اپنے کو روحانی طور پر تروتازہ محسوس کرتا ہوں۔ آپ نے ”لے سانس بھی آہستہ“ (جلد اول) میں لکھا ہے کہ سانس کی مشق کرتے ہوئے نور کا تصور قائم کرنا مشکل ہے اور ۱۰ فیصدی افراد اس سلسلہ میں ناکام رہتے ہیں۔ لیکن میرا تجربہ مختلف ہے، مجھے تصور نور قائم کرنے میں ذرا بھی دقت نہیں ہوئی۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ فضا میں برقی لہریں دوڑ رہی ہیں اور ان برقی لہروں کا رنگ سنہرا ہے۔ لیکن فوراً خیال آیا کہ سنہرا رنگ آگ کا ہم شکل ہے۔ لہذا سنہرے رنگ کا تصور مناسب نہیں۔ حق تعالیٰ نے اپنے بارے میں فرمایا

ہے کہ اللہ نور السموات والارض (اللہ زمینوں اور آسمانوں کا نور ہے) دماغ نے مشورہ دیا کہ دودھیا رنگ کے نور کا تصور مناسب رہے گا۔ چنانچہ آج کل میں مشق کرتے وقت دودھیا رنگ کے نور کا تصور کرتا ہوں اور اب یہ حالت ہو گئی ہے کہ مجھے اپنے جسم کا ذرہ ذرہ نورانی نظر آتا ہے۔ میں نُس نُس میں نورانی شعاعیں نکلتے محسوس کرتا ہوں۔ قلب جسم کا سب سے زیادہ چمک دار حصہ ہے جب عالم تصور میں قلب پر نظر کرتا ہوں تو دودھیا رنگ کی شعاعیں خارج ہوتے دیکھتا ہوں۔ یہ اتنی تیز ہوتی ہیں کہ نظر نہیں ملا سکتا۔ جس طرح نظام شمسی شعاعوں سے قائم ہے یہی حال میرے باطنی شعاعی نظام کا ہے۔ دوسری بات یہ کہ دل نے چاہا کہ مقام قلب پر اللہ اور اس کے محبوب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم، کلمہ شہادت، خلفائے راشدین اور اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسمائے گرامی کندہ ہو جائیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ مشق سے میرے جنسی ہیجان میں اضافہ ہو گیا۔ شیطان مجھے کافر بنانے کی کوشش میں لگا ہوا ہے۔ لہذا دوشتر کا خیالات ستاتے ہیں یعنی نعوذ باللہ کوئی غذا نہیں ہے۔ میں ان خیالات کو کچھ سے دبا چاہتا ہوں بلکہ ان پر توجہ کا تانتا کے نظام ربوبیت پر مرکوز کر دیتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر غور کرتا ہوں، پھر یہ کہ جس چیز سے ڈر لگتا ہے وہی کام کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ (تاکہ نذر ہو جاؤں) جس تصور پر لرزہ برانداز ہو جاؤں۔ اسی تصور کو دہراتا ہوں (مثلاً اپنی موت کا تصور) پھر پور سانس کھینچتا ہوں تو جسم میں بجلی کی رد کرنٹ دوڑ جاتا ہے اور جسم جھنجھٹا اٹھتا ہے۔ کبھی کبھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جسم میں ٹھنڈی ٹھنڈی اور میٹھی میٹھی ہوا چل رہی ہے اس تصور سے جسم اور آنکھوں میں عجیب قسم کی خشک محسوس ہوتی ہے، کاظمی صاحب! (افضل آپیکل ورکس راولپنڈی) کی کیفیت ہی عجیب ہے مثلاً مشق محض نور کرنے کے بعد سوتا ہوں تو نیم غنودگی کی حالت میں یکا یک دونوں ہونٹ چپک جاتے ہیں اور سانس رک جاتی ہے۔ جس سے جسم کو جھکا سا لگتا ہے۔ جھکے سے آنکھ کھل جاتی ہے تو پھر نیند نہیں آتی، گاہے گاہے نیم غنودگی میں یہ تصور ہوتا ہے کہ دماغ اور آنکھوں سے لہریں نکل

ری ہیں۔ آنکھیں ہر دقت غماز آلود رہتی ہیں، جس طرح نیند اور نشے سے بوجھل ہوں۔ خیال ہوتا ہے کہ بستر پر لیٹتے ہی نیند آجائے گی۔ مگر نیند نہیں آتی یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ بحالت خواب اور بحال غمخوئی نگاہ باطن کے سامنے صاف الفاظ میں کوئی تحریر نظر آتی ہے۔ مگر بڑھی نہیں جاتی کوشش کے باوصف اس تحریر کو پڑھنے سے قاصر رہتا ہوں۔ حالانکہ وہ تحریر اردو کی ہوتی ہے۔ مگر یہ تجربہ روزانہ نہیں، تیسرے چوتھے روز ہوتا ہے۔ ابھی کل (۱۹/ مارچ ۱۹۷۴ء کو) یہ تحریر نمایاں ہوئی صرف یہ جملہ پڑھا جاسکا۔ (ہم حق بات کہنے پر.....) دو تین سطروں میں، میں صرف یہی جملہ پڑھا جاسکا۔ یہ بات کس قدر حیرت ناک اور ناقابل تصور ہے۔ مظفر امام (کراچی) کو مشتق نفس نور کے دوران بھی پھرانی ہوئی آنکھیں، کبھی مردہ بچہ، اور کبھی کسی پیشانی سے خون بہتا ہوا نظر آتا ہے، لیکن بس ایک لمحے کے لیے!

مثبت اور منفی

غیاث الدین (ڈرگ روڈ، کراچی) نے تفصیل کے ساتھ اپنے حالات کھسے ہیں۔ تین سال قبل خوف، گھبراہٹ، احساس کتری اور حساسیت پر غالب آئے تھے لے آپ نے مشتق نفس نور تجویز کی تھی۔ جو میں صرف ڈیڑھ مہینے کر سکا۔ مگر نتیجہ خاطر خواہ نکلا، خود اعتمادی پیدا ہوگئی، لوگوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر باتیں کرنے لگا۔ ذہنی چمک میں اضافہ ہوا۔ خوف اور گھبراہٹ دور ہوگئی اور مزید لطف یہ کہ ایک نئی قوت بیدار ہوگئی۔ یعنی گھڑی دیکھے بغیر صحیح وقت بتا دینا! صبح اٹھتے ہی غمخوئی میں خیال آتا کہ نہ جانے کیا بجا ہوگا۔ فوراً لگا ہوں کے سامنے گھڑی آجاتی اور چشم تصور سے وقت دیکھ لیتا۔ اوہ ساڑھے چھ بج رہے ہیں، گھبرا کر آنکھیں کھول دیتا۔ تکیہ کے نیچے سے گھڑی نکالتا تو سرمو فرق نہ ہوتا۔ واقعی گھڑی میں ساڑھے چھ بجے ہوتے۔ چشم تصور کے سامنے جو گھڑی آتی تھی وہ وہی ہوتی تھی جس میں استعمال کرتا ہوں۔ ساڑھے چھ مہینے بعد پھر مشتق شروع کر دیں۔ (تخص اور اور مشق بنی) باوجودیکہ آپ کی ہدایت کی مکمل پابندی نہ ہو سکی۔ تاہم حسب ذیل فوائد کا احساس ہوا۔ (۱) جلق کی عادت بیکسر ختم ہوگئی۔

(۲) بے خوابی کا مریض تھا، گھری نیند آنے لگی۔ (۳) یونہی کوئی بات زبان سے نکل جاتی تو صحیح ثابت ہوتی۔ (۴) خواب اکثر سچے نکلتے۔ (۵) قوت ارادہ نکھر گئی ہے۔ البتہ کبھی کبھی حسب ذیل منفی کیفیات کا بھی احساس ہوا۔ (۱) خود اعتمادی میں حد درجہ کمی محسوس ہوئی۔ (۲) پہلے میں انتہائی صاف گو تھا، جو کچھ کہنا چاہتا تھا بے دھڑک کہہ دیتا تھا۔ مگر اب میرا طرز عمل بزدلانہ ہو گیا ہے۔ (۳) پہلے جان بوجھ کر سمجھا جاتا تھا، مگر اب ایسا لگتا ہے کہ منہ کو تالا لگ گیا ہے، زبان بھاری ہوگئی ہے الٹا سیدھا بول کر خاموش ہو جاتا ہوں، جیسے زبان تالو سے چپ کر رہ گئی ہے۔ (۴) کند ذہنی اور غمی پن کا دورہ اکثر پڑتا ہے۔ اگر کوئی بولتے میں لقمہ دے دے تو سلسلہ خیال منقطع ہو جاتا ہے۔ (۵) سوچ میں گم رہتا ہوں۔ (۶) اگر کسی ایک نقطہ پر توجہ مرکوز کر دوں تو استغراق کی حالت طاری ہو جاتی ہے اور اس حالت استغراق میں نہ کچھ سنائی دیتا ہے نہ دکھائی دیتا ہے۔ (۷) دل بہت گداز ہو گیا ہے۔ کسی کو جھٹلا تکلیف نہیں دیکھ سکتا۔ یہ چاہتا ہوں کہ ہر شخص کو رضامند مطمئن رکھوں۔ دوسروں کی غلطیاں اپنے سر لے لیتا ہوں۔ (۸) آج کل اس بات کا شدید احساس ہے کہ زندگی کے ۲۵ سال بے مقصد گزار دیئے۔ اب تک صنف نازک کے کسی فرد کو نہ اپنا سکا تنہا یہ ہے کہ سارے تجاوبات اٹھا دوں، کسی کو اپنا لوں۔ (۹) ہر دقت ذہن پر غمی خیالات کا غلبہ رہتا ہے۔ (۱۰) اپنی ممکن صلاحیتوں کو اس حد تک پہنچانا چاہتا ہوں کہ دنیا دگر رہ جائے۔ دیکھا آپ نے؟ ان مشقوں نے غیاث الدین کے ذہن میں کیسا عجیب انقلاب برپا کر دیا۔ درحقیقت جس طرح آگ تر اور خشک دونوں کو جلا دیتی ہے۔ اسی طرح سانس اور ارتکاز توجہ کی مشقیں نفس انسانی کی تمام ممکن قوتوں کو متحرک کر کے انسانوں کو کیا سے کیا بنا دیتی ہیں۔ ان مشقوں سے مثبت صلاحیتیں تو بیدار ہوتی رہتی ہیں، منفی قوتیں بھی سرگرم عمل ہو جاتی ہیں۔ مگر عارضی طور پر ذہن رفتہ ذہن کا مثبت حصہ اس کے منفی حصہ پر غالب آ جاتا ہے۔ ضیاء الحق چشمی (بیچہ وطنی) کا بیان سنئے۔ پہلے ذہن خیالات فاسدہ غلبہ تھا۔ اب اس سے نجات پا چکا ہوں،

مرچو

صحت پہلے سے کافی بہتر ہے۔ دو منٹ تک سانس کو سینے میں روک سکتا ہوں۔ عضلہ نور کا تصور بخوبی قائم ہو جاتا ہے۔ آنکلیں بند کر کے جب کسی شخص یا شے کے بارے میں سوچتا ہوں تو اس جگہ روشنی کا ایک دائرہ سا نظر آتا ہے۔ صبح کی مشق کی بہ نسبت رات کی مشق میں زیادہ لطف آتا ہے۔ بحالت مشق جی چاہتا ہے کہ اسی طرح بیٹھا رہوں۔ اگر سانس کی مشق کے ساتھ ”سرش آسن“ کیا جائے یعنی سر کے بل کھڑا ہونا۔ تو دل و دماغ کی قوت میں حیرت انگیز اضافہ ہو جاتا ہے اور جسمانی صحت پر بڑے خوش گوار اثرات مرتب ہوتے ہیں سرش آسن کا طریقہ یہ ہے کہ فرش پر کھل بچھا کر (شروع شروع) میں دیوار کے سہارے سر کے بل کھڑے ہونے کی کوشش کی جائے۔ رفتہ رفتہ بغیر سہارے سر کے بل کھڑے ہونے کی سکت پیدا ہو جائے گی۔ محمد خورشید خاں سارڈ آر۔ ایم۔ ایس راولپنڈی لکھتے ہیں کہ:

دس نومبر ۱۹۷۵ء کے جنگ (پنڈی) میں آپ کا مضمون ”سر کے بل“ شائع ہوا تھا۔ جس میں سرش آسن کے فوائد گنوائے گئے تھے۔ چنانچہ ۱۵/ نومبر ۱۹۷۵ء سے اب تک اس مشق ”سرش آسن“ پر غائل ہوں۔ (یہ مشق سانس کی مشق سے بعد کی جاتی ہے۔) فوائد حسب ذیل ہیں:

- (۱) میری داڑھی میں گیارہ سفید بال تھے۔ اب نو بال سفید رہ گئے ہیں۔ دو بال بھورے ہو کر کالے ہو گئے، باقی بھی ہو جائیں گے۔
- (۲) انکلیوں کی پور کے بال گر کر دوبارہ اگ آئے ہیں۔
- (۳) پاؤں سردیوں میں پھنسنے تھے اور اپریل میں جا کر ٹھیک ہو جاتے تھے۔ اس سال جنوری میں پاؤں معمول پر آ گئے۔
- (۴) ہر کام میں جی گلتا ہے، پہلے ایسا نہ تھا۔
- (۵) مشق ختم کرنے کے بعد دوڑنے کو جی چاہتا ہے۔ مشق ختم کرنے کے بعد کھڑا ہوں تو پاؤں کی طرف گرمی کا احساس ہوتا ہے۔ کبھی کبھی ہاتھ اور پاؤں میں چوٹیاں سی ریگٹے لگتی ہیں۔ سر، سینے اور چہرے پر پسینہ آ جاتا ہے۔ پیشانی سے پسینے کے قطرے پھٹتے ہیں، قوت برداشت میں برابر اضافہ ہو رہا ہے۔

سید نذیر حسین کاظمی بے حد رقیق القلب اور حساس ذہن کے مالک ہیں، رقم طراز ہیں کہ:

سانس کی مشق میں کبھی تو بہت سرور آتا ہے اور نیند ہی آ جاتی ہے۔ نماز عشاء کے بعد جب سانس کے چکروں میں نور کا تصور قائم کرتا ہوں تو مدہوش طاری ہو جاتی ہے، ہر تصور کے ساتھ نور کا تصور واضح ہوتا ہے۔

ہر تصور میں تیری تصویر ہے

دماغ پر کبھی مثبت خیالات کا جھوم ہوتا ہے کبھی منفی احساسات کا! پہلے بات بات پر غصہ آتا تھا۔ مگر اب یہ کیفیت کم ہے، کبھی کبھی اپنے چہرے پر نور محسوس ہوتا ہے اور جس چہرے پر نظر پڑتی ہے، وہ نورانی ہو جاتا ہے۔ پہلے آئینہ دیکھتا تھا تو رونا شروع کر دیتا تھا اور روکنے پر آنسو نہ روکتے تھے۔ اب آئینہ دیکھتے ہی رونے کی بجائے کھو جاتا ہوں اور نشہ سا طاری ہو جاتا ہے اور یہ محسوس ہوتا ہے کہ میں اوپر کی طرف اٹھ رہا ہوں۔ اس صورت میں جس چیز کو دیکھتا ہوں اس چیز یا چہرے سے نظر چپک جاتی ہے اور دل کہتا ہے کہ ابھی یہ شخص میرے قدموں پر گر جائے گا۔ کبھی خود کو دوسرے کے جسم میں تحلیل ہوتے ہوئے محسوس کرتا ہوں۔ وجدانی کیفیت بدستور ہے۔ دس روز میں تین یا چار بار ایسا ہوا کہ دوست کا خیال آتے ہی دل کے داہنی جانب چوٹ محسوس ہوئی اور ہتھوڑا پٹنے لگا۔ لیکن اب اپنے ہاتھ کو کانٹے اور توالی کی طرح گردن ہلانے سے باز رکھتا ہوں۔ البتہ بڑی کوشش سے اس وارنٹی پر قابو پاسکا ہوں۔ دل کی دھڑکن سے جو حرکت پیدا ہوتی ہے، وہ دماغ میں پھیل چلا دیتی ہے اور خود بخود بلنا شروع ہو جاتا ہے۔ ۱۲ مئی سے قبل تزکیہ نفس شروع کیا تھا، یعنی ۲۳ گھنٹے یا ۳۶ گھنٹے میں ایک دفعہ کھانا کھاتا تھا۔ جس سے غیر معمولی فوائد محسوس ہوئے تھے۔ آج سے پھر اگر آپ اجازت دیں تو یہ عمل شروع کر دوں، (یعنی قلت طعام)

واقعہ یہ ہے کہ قلت طعام یعنی رکھ کر کھانا کھانا۔ جسم اور نفس کی صحت

ہوں اور یہ فائدہ کچھ کم نہیں۔

مرغوب زیدی کا بیان ہے کہ:

میں نے تحریر کیا تھا کہ سانس کی مشق شروع کرنے کے بعد فصد بہت آنے لگا ہے۔ خیر اب اس کیفیت میں کچھ کمی ہوگئی ہے۔ اب فصد کے بجائے پسینہ آنے لگا ہے۔ شاید فصد پسینے کے راستے نکل رہا ہے۔ مشق میں آنکھیں بند کرتا ہوں تو نور کی بجائے نگاہوں میں اندھیرے کا گھٹا ٹوپ گھپ سمندر ہوتا ہے۔ ایسی تاریکی جس سے ہول آنے لگے۔ دل چاہتا ہے کہ مشقیں ادھوری چھوڑ کر بھاگ جاؤں۔ اب ہولناک خوابوں کا سلسلہ بھی قریب الختم ہے۔ سانس کھینچنے وقت سینے میں روکتے وقت اور خارج کرتے وقت بدن میں بجلیاں سے بھر جاتی ہیں اور جسم اتنا حساس ہو جاتا ہے کہ کرتے کا بوجھ بھی ناقابل برداشت لگتا ہے۔

علی احمد ابوظہبی سے لکھتے ہیں کہ:

تجوید کردہ مشق ۱۵/ دسمبر ۱۹۷۳ء سے کر رہا ہوں۔ مشق کے ابتدائی دنوں ہی سے گردن کے پیچھے اور ریزہ کی ہڈی میں محسوس ہوتا ہے کہ چھوٹیاں سی ویک رہی ہیں۔ اگرچہ روشنی کا تصور پوری طرح قائم نہیں ہوا۔ تاہم نور کی جھلکیاں ہر اہل نظر آتی ہیں اور جناب والا! میں نے اپنے میں ایک عجیب تبدیلی یہ محسوس کی کہ آنکھیں پہلے کی نسبت بڑی چمک دار اور پرکشش ہوگئی ہیں اور کئی لوگوں نے اس کا اعتراف کیا اور اقرار بھی کیا ہے۔ جہاں بھی میں جاتا ہوں جس مجمع میں قدم رکھتا ہوں لوگ بہت جلد میری طرف کھینچ آتے ہیں۔ خواہ وہ عرب ہوں یا ایرانی، انگریز ہوں یا امریکن، ناجائز مذاق سے سخت نفرت اور چڑ ہے۔ علی احمد (ابوظہبی) نے گردن کے پیچھے اور ریزہ کی ہڈی میں جس کیفیت (جیسے چوٹیاں رینگ رہی ہیں) کا ذکر کیا ہے، اس سے آپ بخوبی واقف ہیں۔ یعنی کڈائی شکلی کی جنبش و حرکت، تو یہ بیان کیا ہی جا چکا ہے کہ ریزہ کی ہڈی میں قوت حیات کا سرچشمہ اور روحی بیداری کا مرکز واقع ہے۔ سلطان محمود ملک (رسول نگر)

کے لئے اسیر ہے جس طرح دماغ (شعور) معدے کو متاثر کرتا ہے۔ (مثلاً شدت جذبات میں بھوک غائب ہو جاتی ہے) اس طرح معدے کی صحت ذہنی صحت میں اضافہ کر دیتی ہے۔ معدے پر گرانی نہ ہوتو انسان دماغی طور پر عجیب شکستگی اور روحانی طور پر عجیب تازگی محسوس کرتا ہے، شاعر کہتا ہے کہ:

اندروں از طعام خالی دار

تا در نور کبریا بینی

یعنی پیٹ کو کھانے سے خالی رکھو، تاکہ تمہیں اس میں نورانی نظر آئے۔ کم خوری اور روزے کے فوائد پر دفتر کے دفتر لکھے جائیں تب بھی کم ہیں۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں کہ ”خوردن برائے زمین است نہ کہ زمین برائے خوردن“ (کھانا صرف اس لئے ہے کہ زندہ رہا جائے نہ یہ کہ صرف کھانے کے لئے زندہ رہا جائے)۔ سانس کی مشقیں خالی پیٹ بجلی کا اثر کرتی ہیں۔ صوفیوں کا ارشاد ہے کہ قلت طعام اور قلت منام (کم کھانا اور کم سونا) روحانی ترقی کی بنیادی شرط ہے اور میری عرض یہ ہے کہ کم خوری اور کم خوابی نفسانی صحت کے لئے ضروری ہے۔ نسیم خالد لکھتے ہیں۔

آپ کے حکم کے مطابق دن میں تین مرتبہ سانس کے سات سات پکر کرتا ہوں اور ہر مرتبہ آدھا گھنٹہ اس مشق میں صرف ہوتا ہے۔ تین مہینے کے نتائج حسب ذیل ہیں:

(۱) خواب آدھ گولیاں تین مہینے سے بالکل بند ہیں۔ (۲) پہلے ہفتوں میں تین بار کوڈین سیرپ اور ایفون استعمال کرتا تھا۔ ڈیڑھ مہینے سے ان چیزوں کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ (۳) پہلے بے حد گندے جنسی تصورات آتے اور ستاتے تھے۔ لیکن اب اتنی قوت ارادی پیدا ہوگئی ہے کہ سلسلہ خیال پر قابو پالیتا ہوں۔ جذبات انگیز فانیس، نگلی تصویریں اور فحش خیالات کی یلغار سے کسی قدر نجات مل گئی ہے۔ فحش خیالات آتے ہیں تو انہیں ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کرتا ہوں، خیر اب تک اتنا ہوا ہے کہ سانس کی مشق سے اتنی قوت ضرور ہوگئی ہے کہ جب چاہوں اور جہاں چاہوں سلسلہ خیال کو منقطع کر سکتا

کا تجربہ بھی یہی ہے، سینے:

گوشتیں شروع کئے تین مہینے ہو چکے ہیں۔ مگر تصور نور پر مکمل دسترس حاصل نہیں ہوئی۔ سانس اندر کھینچنے اور خارج کرتے وقت تو نور کی جھلک دکھائی دے جاتی ہے۔ البتہ سینے میں دور دور تک کوئی روشنی نظر نہیں آتی۔ اب چار پانچ روز سے پختہ اور محکم ارادے کے ساتھ سانس کی مشق شروع کی ہے۔ یہ بات تصور سے باہر ہے کہ تصور نور کی پختگی کے بغیر قوت حیات کس طرح بیدار ہو سکتی ہے؟ میری ریڑھ کی ہڈی میں بعض اوقات درد کی لہریں اٹھتی ہیں۔ پھر کانوں میں شور سنائی دیتا ہے۔ ساتھ ہی مشق کرتے ہوئے شدید گرمی اور چیونٹیاں کاٹنے کا احساس ہوتا ہے۔ بائیں ہمد میں تصور نور پر مکمل گرفت محسوس نہیں کرتا گو دوسرے فائدے نمایاں طور پر محسوس ہوئے ہیں۔ اس مشق سے بعض اوقات ایک عیب حالت طاری ہو جاتی ہے۔ جیسے میں خود بخود اوپر کو اٹھ رہا ہوں یکم فروری سے عجیب غریب واقعات ظہور پذیر ہونے لگے۔ دوران مشق تو ”کیفیات عجیبہ“ سے سابقہ پڑتا ہی ہے۔ خواب بھی عجیب عجیب نظر آتے ہیں۔ پہلی اور دوسری فروری کی درمیانی رات میں سو رہا تھا، کہ موتے میں محسوس ہوا کہ ایک نادیہ بھٹی مجھ پر آ پڑی اور جسم اس کے بوجھ تلے دب گیا۔ ہلے جلنے کی کوشش کی، مگر بے سود و اوج رہے کہ میں پوری طرح ہوش میں تھا اور دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔ آنکھیں بند تھیں، جسم تھر تھرا رہا تھا۔ مثلاً پھٹ رہا تھا۔ کانوں میں ایسی آواز آ رہی تھی جس طرح کسی نے پرندے کو دبوچ رکھا ہو اور وہ چپیں چپیں کر رہا ہے۔ پھر یکایک آنکھوں کی سامنے ایک عجیب سا منظر آ گیا۔ دیکھا کہ میں عمر کے لحاظ سے ڈیڑھ سال کا ہوں اور ایک کمرے میں کھڑا ہوں۔ ایک اجنبی شخص اس بچے (یعنی میری طرف) دیکھ رہا ہے۔ پہلے اندیشہ ہوا کہ کا بوس (ہاتھ پاؤں مل ہو جانا) کا دورہ نہ ہو۔ پھر خیال آیا شاید کسی بھوت کی کارستانی ہے۔ تاہم ذرہ برابر خوف و ہراس نہ تھا۔ بھوت یعنی آسیب کا خیال آتے ہی میں نے آئیہ انگریسی تلاوت کی۔ فوراً جان چھوٹ گئی باقی رات جاگتے گزری صبح کو یہ واقعہ گھر

والوں کو سنایا تو والدہ صاحبہ نے کلام پاک کی کچھ آیات دم کیں۔ دوسرے روز بھی اس عمل کو دہرایا مگر جب سویا تو آدھی رات کو پھر اسی اجنبی قوت نے آ کر دبوچ لیا۔ میں نے سوچا شاید قوت حیات (کنڈالنی شکتی) کی بیداری کے ساتھ یہ سب کچھ پیش آتا ہے مگر غور کیا تو حالت ہی کچھ اور تھی۔ اب تو یہ روز کا معمول بن گیا ہے کہ رات میں دو یا تین بار وہ نادیہ مہمان آؤں جھکتا ہے۔ دسویں تاریخ کی رات میں خوب رگیدا گیا۔ اس پر میں نے آپ کو خط لکھنے کی ٹھانی۔ کل رات وہ تو نہ آئے البتہ بہت سی بلایاں نظر آئیں جن کا رنگ اور جسامت ایک سی ہے، مگر ان کی آنکھوں میں ایسی خوف ناک چمک ہے کہ دیکھنے سے تھر تھری پڑ جاتی ہے یہ سب بلایاں مجھے گھورتی نظر آتی ہیں۔ رئیس صاحب! یہ کیا اسرار ہے؟

وہ کون سی قوت ہے جو سلطان محمود ملک کو رات میں دبوچ لیتی ہے؟ وہ قوت وہی روح حیات ہے جو ریڑھ کی ہڈی میں عجب شان سے انگڑائی لے کر بیدار ہو رہی ہے۔ جب قوت حیات جاگتی ہے تو خواب و بیداری میں عجب عجیب مناظر نظر آتے ہیں۔ محمد خالد (کوئٹہ) کو اعتراف ہے کہ سانس کی مشق سے بھوک خوب کھل کر لگتی ہے اور طبیعت چست ہوتی لگتی ہے۔

مرچو
امین
گہرے کنویں میں

نبی احمد کے اعتراضات بھی قابل غور ہیں، ملاحظہ ہوں:

مجھے انسان بنانے میں آپ کی تصانیف نے غیر معمولی حصہ لیا ہے۔ میری داستان بھی وہی ہے۔ جسے سنتے سنتے آپ بیزار ہو چکے ہیں۔ یعنی خود لذتی کی عادت احساس کمتری وغیرہ، خود لذتی کی عادت تو آپ کی تجویز پر عمل کر کے ترک ہو گئی مگر احساس کمتری چار سال سے بدستور ہے۔ کوئی بیس روز سے سانس کی مشق شروع کر دی ہے۔ تصور نور کے ساتھ ناک کے سوراخوں سے سانس اندر کھینچتا ہوں۔ قابل برداشت حد تک سینے میں روکتا ہوں اور آہستہ آہستہ ناک کے سوراخوں سے خارج کر دیتا ہوں۔

اب یہ صورت ہے کہ جب بھی یہ مشق کرتا ہوں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جسم ہی نہیں ہے۔ یعنی اتنا ہلکا ہو گیا ہوں کہ وزن غائب ہو گیا ہے۔ چھو کر دیکھتا ہوں کہ کہیں میرا جسم تو غائب نہیں ہو گیا۔ ”کل آپ کی کتاب لے سانس بھی آہستہ“ (اول حصہ) نظر سے گزری تو یہ حقیقت متکشف ہوئی کہ اس قسم کی کوئی مشق استاد کے بغیر نہ کرنی چاہیے، بغیر کسی رہنمائی کے کی جائے گی تو دل و دماغ کو نقصان پہنچ جانے کا اندیشہ ہے۔ حضرت اس اندیشہ کے پیش نظر یہ عریضہ لکھ رہا ہوں آپ ازراہ کرم یہ مشورہ نہ دیں کہ تم یہ مشق ترک کر دو! مجھے سانس کی مشق کے سامنے دولت دنیا بچ نظر آتی ہے۔ سید مشرف نے بھی سانس کی مشق کو غیر فانی اور لذت و سرور کا سبب قرار دیا ہے، اور وہی کیفیت بیان کی ہے جس سے آپ بخوبی واقف ہیں۔ یعنی ریزہ کی ہڈی کے نچلے حصے میں حدت و تپش کا شدید احساس! ایک دن محسوس ہوا کہ میں کسی گہرے کنوئیں میں بیٹھا ہوں اور میرا جسم بہت لمبا اور بڑا ہو گیا ہے۔ کل مشق کے دوران پیر کے ٹکڑوں اور گردن کے پچھلے حصے میں ایسی سنناہٹ دوڑی کہ بدن کا پٹنے لگا اور اتنی سردی کے باوجود میں پسینے میں ڈوب گیا۔ پچھلے بطن سے جنسی ہیجان نکل کر غیر معمولی اضافہ ہو گیا ہے۔ اس کی وجہ سے بھٹ پریشان ہوں، میں اس ہیجان پر قابو نہیں پاسکتا۔ نبی احمد کو حکایت ہے کہ سانس کی مشق سے جنسی ہیجان میں ناقابل برداشت اضافہ ہو گیا ہے اور امتیاز حسین شاہین (کونست) کا تجربہ ہے کہ میں نے سانس کے سبب جنسی ہیجان پر قابو پا لیا، لکھتے ہیں کہ:

ذہن میں کافی ٹھہراؤ پیدا ہو گیا ہے۔ پہلے خیالات منتشر رہتے تھے، لیکن اب انتشار خیال پر غالب آچکا ہوں۔ رئیس صاحب! ان مشقوں نے جنسی جذبات پر شدید اثرات ڈالے تھے لیکن ان ہی مشقوں کی پیدا کردہ ذہنی قوت اور خورادادی کے سبب میں اس ہیجان جنسی کو کنٹرول کر سکا۔ پچھلے نو مہینے سے عجیب چیز کا مشاہدہ کر رہا ہوں یہ کہ عروج ماہ کے زمانے میں جذبات بے ساختہ بھڑک اٹھتے ہیں عجیب قسم کے باطنی جزر و مدار ذہنی جوار بھائے سے گزرتا پڑتا ہے۔ خصوصاً جنسی طوفان امد آتا ہے۔ مگر ذہنی

ساخت کچھ ایسی بگڑ گئی ہے کہ گندے خیالات کو دل قبول ہی نہیں کرتا مشق سے پہلے میری سوچ کا رخ منفی تھا۔ اب یہ فضل خدا انداز فکر مثبت ہے۔ اپنے اندر اچھے کاموں کی نگاہ پاتا ہوں۔ فرضی محبتوں اور جھوٹے معاشقوں میں جی نہیں لگتا، کوئی اہم کام ہونا چاہیے۔ مگر کیا ہو وہ اہم کام؟ ذہن اسی کرید میں لگا ہوا ہے۔ آخر میں ایک چھوٹی سی گزارش اور ہے۔ آپ مجھے برادر م! نہ لکھا کریں۔ اگر برخوردار یا عزیزم سے خطاب فرمائیں تو میری ہمت دو چند ہو جائے گی۔ میری عمر صرف ۱۹ سال کی ہے۔ ان مشقوں کا مقصد ہے کردار سازی جیسا امتیاز حسین شاہین نے سطور بالا میں اقرار کیا کہ مشق شخص نور کے سبب میری انداز فکر مثبت ہو گئی ہے۔ کردار سازی یہ کہ ہم مثبت انداز فکر کے ذریعے اپنے کردار کی تشکیل نو کریں۔ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ انسانی کردار میں بعض خارجی (بیرونی) اور داخلی (اندرونی) عوامل اور محرکات کے سبب کو انجینئریں گریں اور عقدے پڑ جاتے ہیں، انہیں عقل سلیم کی روشنی میں سلجھایا جائے۔ یہ کام ہم مفید، مثبت اور تعمیری ترغیبات و تلقینات SUGGESTION کے ذریعے کر سکتے ہیں۔ امر واقعہ یہ ہے کہ تشکیل کردار میں سب سے زیادہ اہمیت انداز فکر کی ہے، کہ آپ یہ سوچتے ہیں کہ کس طرح سوچیں گے اسی طرح عمل کریں گے اور سوچ پختہ ہوتی ہے۔ خود ترقیبی! مثلاً اگر آپ یہی فقرہ دہراتے رہیں کہ میں ناکارہ آدمی ہوں۔ یہی سوچتے رہیں کہ میرا وجود فضول اور بے معنی ہے تو یقین کیجئے۔ آپ کی شخصیت اور کردار تباہ ہو کر رہ جائے گا۔ مفید عملی اور حقیقت پسند آدمی بننے کے لئے مثبت سوچ اور تعمیری انداز فکر بنیادی چیز ہے۔ آثار آرائیں (ٹنڈو غلام علی) کا ذاتی تجربہ ملاحظہ ہو لکھتے ہیں کہ:

اب مشق شخص نور میں جو نبی آنکھیں موندھتا ہوں۔ نگاہ کے سامنے ایک نامعلوم دھماکہ کے ساتھ روشنیوں کے فوارے پھوٹنے لگتے ہیں۔ ایک رات تو یہ روشنی اس قدر تیز تھی کہ آنکھیں بند ہونے کے باوجود مجھے یہ احساس ہوا کہ کمرہ بقدہ نور ہو گیا ہے۔ حالانکہ میں نے خود ہی بجا کر مشق شروع کی تھی۔ یکا یک تیز روشنی کے سبب خوف کی

ایک لہری میرے اندر دوڑ گئی اور میں نے گہرا کر آنکھیں کھول دیں۔ لیکن وہاں کیا رکھا تھا؟ میں تھا اور میری اذلی رفیقہ..... میری ابدی تنہائیاں!

تھکے کو اب تک نظر نہیں آئی
بھری محفل میں میری تنہائی

علاوہ ازیں جب میں سانس کو پوری طرح کھینچ کر سینے میں بھرتا ہوں تو ایسا لگتا ہے کہ کوئی رخ موڑ رہا ہے۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ آنکھیں کھول کر دیکھتا ہوں تو رخ بدلا ہوا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اگر آپ خلاف تہذیب نہ سمجھیں تو ایک بات عرض کر دوں۔ پہلے جب میں کسی سفر پر جایا کرتا تھا تو یہ خیال ستاتا تھا کہ دوران سفر کہیں مجھے رفق حاجت کی ضرورت نہ پڑ جائے۔ اگر ایسا ہوا تو مصیبت آجائے گی وغیرہ وغیرہ اور بسا اوقات واقعی ایسا ہوتا تھا، اور حاجت کی ضرورت پڑ جاتی تھی۔ چاہے گھر سے فارغ ہو کر ہی کیوں نہ جاؤں اب خدا کے فضل سے یہ حیرت انگیز بات ہوتی ہے کہ سفر سے پہلے دو تین مرتبہ رفق حاجت کا تصور کرتا ہوں، تو رفق حاجت کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور میں گھر سے فارغ ہو کر نکلتا ہوں۔ اگر بد قسمتی سے فارغ ہو کر نہ چلاؤں اور راستے میں رفق حاجت کی ضرورت پڑ جائے تو دل ہی دل میں یہ ترغیب دہرانے سے کہ ”مجھے رفق حاجت کی مطلق ضرورت نہیں ہے۔ مجھے رفق حاجت کی مطلق ضرورت نہیں ہے۔“ سچ مجھ رفق حاجت کی ضرورت معدوم ہو جاتی ہے۔ اس طرح میں نے تین تین دن تک رفق حاجت کی خواہش کو دبا کر رکھا ہے۔ میں آج تک نہ سمجھ پایا کہ میرے ذہن نے وہ کون سا جادو کا ڈنڈا ایجاد کر لیا ہے جس کی زور سے میں ایسا کر لیتا ہوں۔ کیا آپ اس اسرار پر کچھ روشنی ڈالیں گے؟

جادو کا ڈنڈا

وہ جادو کا ڈنڈا جس کا ذکر آثار آرائیں نے اس زور شور سے کیا ہے۔ ترغیب پذیری کی وہ صلاحیت ہے جو ان مشقوں کی بدولت آثار آرائیں کے اندر پیدا ہو گئی ہے۔

درحقیقت ترغیب و تصور میں بڑی قوت ہے۔ میں بعض نفسیاتی مریضوں کو یہ مشورہ بھی دیا کرتا ہوں کہ وہ مشق محض نور میں تصور کی قوت کو پختہ کرنے کی کوشش کریں۔ مثلاً ایک مریض نے شکایت کی کہ وہ تنہائی میں بخوبی بول لیتا ہے لیکن کلاس روم میں ایک حرف بھی اس کی زبان سے نہیں نکلتا۔ وہ بولنے کی کوشش کرتا ہے تو زبان اٹکنے لگتی ہے اور وہ ہکلانے لگتا ہے۔ میں نے یہ علاج تجویز کیا کہ جب تم سانس ناک کے سوراخوں سے خارج کرو تو آنکھیں بند کر کے یہ تصور قائم کرو کہ میں ایک مجمع میں بڑے جوش و خروش سے تقریر کر رہا ہوں۔ دن اور رات میں جب بھی موقع ملے دل ہی دل میں یہ ترغیب دہراؤ کہ میں احساس کثرتی پر غالب آ کر خود امتدادی کا مجسمہ بنتا چلا جا رہا ہوں۔ مریض (ناصر علی ملیر) نے اس ہدایت پر عمل کیا اور اب وہ کالج میں بہترین مقرر گنا جاتا ہے۔ تصور اور ترغیب درحقیقت ایک ہی چیز ہے۔ آپ اپنے متعلق جو تصور قائم کرتے ہیں خود کو دیا ہی بن جانے کی ترغیب دیتے ہیں۔ اپنے متعلق آپ کا تصور مثبت ہوگا۔ تو مثبت ترغیب کہیں گے۔ منفی ہوگا وہ ترغیب ہوگی۔ اللہ اکبر! تصور کی طاقت کا کیا ٹھکانہ ہے۔

جہاں پہ کوئی تصور ہی حکمران تو نہیں؟

نصاب تعمیر و تنظیم شخصیت (بایسلف کلچر ٹریننگ کورس) کی مشقوں (مشق محض نور، مقابلہ طرز محض، التسلیم، التصویر، التعلی، آئینہ بنی، بلور بنی، شمع بنی، ماہ بنی، آفتاب بنی، سایہ بنی اور مراقبہ وغیرہ) سے انسانی اعصاب بے حد حساس ہو جاتے ہیں۔ اعصابی حساسیت سے ذہانت کی چمک بڑھتی ہے اور خود ترغیبی اور خود تصویری کا عمل نہایت آسان اور مؤثر ہو جاتا ہے۔ ناپختہ تصورات خام ذہنی کی علامت ہوا کرتے ہیں۔ تاہم بالغ شعور کوئی سلسلہ تصور پہنچنے کے ساتھ قائم نہیں کر سکتا۔ ان مشقوں سے مزاج میں جو نزاکت اور حواس میں جو نفاست پیدا ہوتی ہے۔ اس کا انداز بہت سے حضرات کے تجربات و محسوسات سے آپ کو ہو چکا ہوگا۔ مثلاً آپ نے پڑھا ہوگا کہ بہت سے

حضرات کو مشق کرتے ہوئے ایک عجب قسم کی خوش بو محسوس ہوتی ہے۔ محمد اسماعیل (جہلم) کی روایت ہے کہ:

۱۳ جنوری ۱۹۷۴ء سے مشق شروع کی ہے، پہلے تو خوب تصور قائم ہو جاتا تھا لیکن اب ایک ہفتے سے کمر میں درد ہونے لگا ہے۔ (وہی قوت حیات کی بیداری کا معاملہ) اس وقت بھی ہلکا ہلکا درد ہو رہا ہے پہلے تو کبھی خواب نظر نہ آتے تھے، مگر جب سے مشق شروع کی ہیں۔ خوابوں کا طویل سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ یہاں تک کہ اگر دوپہر کو کبھی آنکھ لگ جائے تو خوابوں کی دنیا میں پہنچ جاتا ہوں۔ البتہ جاگنے کے بعد یاد نہیں رہتا کہ رات میں کیا خواب دیکھا تھا، ناک کے سوراخوں سے سانس خارج کرتا ہوں۔ تو عجیب قسم کی خوشبو کا جھونکا کہیں سے آتا اور مشام جاں کو مضطرب کرتا ہے۔

نیم صبح نہ جانے کہاں سے آئی ہے

مہک رہی ہے فضا میں ایک اجنبی خوشبو

بتا نہیں سکتا کہ یہ کس قسم کی خوشبو ہے۔ اب تو روشنی کا تصور بھی ٹوٹ ٹوٹ جاتا ہے۔ اس کے بجائے اندازے نظر آتے ہیں۔ لاشعوری مزاحمت کا عالم یہ ہے کہ بعض اوقات یہ تمام مشقیں محسوس نظر آتی ہیں اور کئی چاہتا ہے ان تمام مشقوں کو تنہا کر دوں، پھر بھی تا حال مشق محسوس نور جاری ہے اور کوشش یہ ہے کہ پابندی سے جاری رکھوں اور کوئی فائدہ اس مشق سے ہو نہ ہو، یہ فائدہ ضرور ہوا ہے کہ میں پابندی سے پانچوں وقت کی نماز پڑھنے لگا ہوں، یہ بھی کون سا کم فائدہ ہے۔

انوکھے تجربے

حالانکہ میرا تعلق نہ کسی سلسلہ خاندانی سے نہ پیری و مریڈی سے! میں نفسیات کا ایک ادنیٰ طالب علم ہوں۔ تاہم میرے دوست غلام محمد (چک لالہ راولپنڈی) مجھے پیر و مرشد کے خطاب سے یاد کرتے ہیں! بہت خوب!

جنوں کا نام خرد رکھ دیا خرد کا جنون!

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

ہاں! تو غلام محمد صاحب کے خط کے چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیں:

میں آپ کے ادارہ من عرف نقب (م۔ع۔ن) کا ادنیٰ طالب علم۔ آپ نے میرے لئے وقتاً فوقتاً مشقیں تجویز فرمائی تھیں۔ (۱) مشق نفس نور۔ (ب) مراقبہ نور، (ج) اور شیخ نبی! چند انوکھے تجربے ہوئے۔ ایک رات مشق کرتے ہوئے محسوس ہوا کہ زمین پر میرا وزن نہیں پڑ رہا۔ ایک رات مشق کے دوران میرے جسم سے روشنی کا ایک جسم نکلا اور اڑنے لگا۔ اس کا منہ آسمان کی طرف تھا (جیسے چارپائی پر لیٹا ہوا آدمی اوپر اٹھ جائے۔) چاہا یعنی دل میں ارادہ کیا کہ جسم نورانی تیرنے کی پوزیشن میں آجائے اور گاؤں کی طرف پرواز کرنے لگے۔ (چنانچہ فضا میں تیرنے والے جسم نور نے ایسا ہی کیا۔) واضح رہے کہ میں زمین پر موجود تھا اور وہ جسم فضا میں میری محبوبہ کے گھر کے سامنے پہنچا تو محسوس کیا بلکہ چشم تصور سے دیکھا کہ لڑکی کے ماموں کا روشنی سے بنا ہوا جسم (میرے جسم کو) فضا میں روکنے کے لئے نمودار ہوا۔ پھر میں نے چاہا کہ میرا جسم میرے دوست کے گھر جائے، چنانچہ وہ جسم دوست کے گھر گیا (میں یہ سب کچھ اپنے مقام سے دیکھ رہا تھا یا محسوس کر رہا تھا۔) تو وہ دوست سو رہا تھا پھر یہ معاملہ ختم ہو گیا اور چند روز کے بعد میں نے دوست سے پوچھا کہ رات کیا گزری؟ اس نے کہا کہ مجھے کچھ نہیں معلوم! حضرت ہم دل کے ہاتھوں مجبور ہیں۔ مجبور ایک مجذوب کی بھانجی ہے۔ مجذوب نے اشاروں کنایوں میں مجھے اس کام سے باز رکھنے کی کوشش کی کہ تم اس ارادے سے باز رہو ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔ چنانچہ میں نے سنگ ممبر سینے پر رکھ کر محبوبہ کو آخری خط لکھا کہ میں تمہیں زندگی بھر چاہتا رہوں گا۔ لیکن کبھی ہاتھ نہ لگاؤں گا۔ ہماری محبت ہر قسم کی آلائش سے قطعی پاک ہے اور اس سلسلے میں میرے خمیر پر کوئی بوجھ نہیں۔ اس عہد ترک تعلق کے باوجود دل پر کسی طرح قابو نہیں پا رہا۔ چنانچہ مجبور ہو کر ایک بزرگ سے دم کرایا۔ انہوں نے میرے قلب پر ہاتھ رکھا اور سانپ کی طرح پھٹکارنے لگے۔ فوراً مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے اس لڑکی کو میرے دل سے الٹا کر باہر پھینک دیا ہے۔ یہ

واقعہ میں نے اپنے تجربہ کی وضاحت کے لئے بیان کیا ہے پچھلے مہینے مشقوں سے جی اچاٹ ہو گیا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ مثنیٰ ارادہ (کہ مشقیں ترک کر دی جائیں) لاشعور کا پیدا کردہ ہے۔ بے بس ہو گیا اور عارضی طور پر مشقیں ترک کر دیں۔ خدا کا شکر ہے کہ اب پھر مشقیں کرنے کے قابل ہو گیا ہوں۔ کل رات مشقِ محض نور کے بعد شیخ بنی شروع کی تو بے ساختہ ایسا لگا کہ کوئی شخص میری گردن توڑنا چاہتا ہے۔ کانوں میں شااں شااں، شااں شااں کی آوازیں! کھینچاؤ اتنا شدید جیسا کوئی بڑا پہلوان مجھ پر دھوئی پاٹ آزار رہا ہے۔ اس دفعہ خط کی طوالت سے گھبرا رہا ہوں۔ کہیں آپ پر طول مضمون بار خاطر نہ ہو۔

کسی کو کیا ہو دلوں کی شگفتگی کی خبر
کہ ٹوٹنے میں یہ شے صدا نہیں رکھتے

مکتوب نگاروں اور ادارہ من عرف نفسہ کے طلبہ و طالبات کے خطوط کے مطالعہ سے آپ کو اندازہ ہوا ہوگا کہ بعض افراد کو نور کا تصور قائم کرنے میں ذرا بھی دقت نہیں ہوتی، جو وہ سانس (یا مراقبہ) کی مشق میں شعلہ نور کا تصور کرتے ہیں۔ دریائے نور ان کے سامنے لہریں مارنے لگا ہے۔ البتہ میں چاہتا ہوں فیصد افراد ایسے بھی ہیں جو یا تو تصور نور قائم کرنے میں ناکام رہتے ہیں یا اس سلسلے میں جزدی کامیابی ہوتی ہے۔ طاہر علی (راولپنڈی) کے خط مورخہ ۲۶/۱۹۷۶ء کا اقتباس ملاحظہ ہو لکھتے ہیں کہ: مشقِ محض نور کرتے ہوئے ڈیڑھ سال ہو چکا ہے اس دوران کبھی کبھی ناتھ بھی ہوئے۔ تاہم مشق مسلسل جاری رہی مگر حیران ہوں کہ نور کا تصور اب تک قائم نہیں ہوا البتہ چند بار ایسا ہوا ہے کہ بستر پر لیٹا ہوں۔ آنکھیں بند ہیں کہ اچانک اتنی تیز روشنی ہوئی کہ آنکھیں (باطنی نگاہ) چندھیا گئیں۔ لیکن یہ روشنی صرف چند لمحہ قائم رہتی ہے۔ سانس کی مشق سے فائدہ ہوئے ہیں۔ پہلے موت سے قریب تھا، اب زندگی سے قریب ہوں۔ پہلے مر جھایا رہتا تھا اب چہرہ پر شادابی اور روشنی نظر آتی ہے۔ لیکن اس کا کیا علاج

کہ مشق میں نور کا تصور قائم نہیں ہوتا۔ امر واقعہ یہ ہے کہ باطنی طور پر طاہر علی کے اندر تصور نور قائم کرنے کی استعداد کھل رہی ہے۔ چنانچہ کئی بار ایسا ہوا کہ وہ لیٹے ہیں، آنکھیں بند ہیں کہ یکایک تیز روشنیوں کا طوفان نظر سے اوجھل ہو گیا۔ اس صورت میں نصابِ تعمیر و تنظیمِ شخصیت (ادارہ من عرف نفسہ ع۔ م۔ ن معن) کے طالب علم کو پریشان نہیں ہونا چاہئے اور نہ مایوس ہو کر مشقیں ترک کر دینی چاہئیں۔ بلکہ آہستگی نرمی اور پابندی کے ساتھ تصور نور قائم کرنے کی کوشش جاری رکھنی چاہیے۔ بعض لوگ ان مشقوں سے خواہ مخواہ دہشت زدہ ہو جاتے ہیں۔ انہیں اندیشہ ہوتا ہے کہ مشق کرتے ہوئے کسی جن، بھوت یا کسی اور طلسمی طاقت سے ان کا ٹکراؤ نہ ہو جائے یا وہ پاگل نہ ہو جائیں، دماغ نہ چل جائے، ظاہر ہے کہ یہ سب اندیشہ ہائے بے بنیاد ہیں۔ ان مشقوں سے کسی نقصان کا اندیشہ نہیں شرط یہ ہے کہ ماہر فن اور دانائے رموز کی نگرانی اور رہنمائی میں کی جائیں اور ہر نئے مرحلے اور نئے مشاہدے اور تجربہ کے بارے میں اس کی رائے حاصل کر لی جائے۔ اگر کسی استاد کے بغیر یہ مشقیں شروع کی جائیں تو عین ممکن ہے دماغی نقصان کا سبب بن جائیں۔ پروین کے بیانات بھی پڑھتے چلیے!

جذبات کی اہمیت

میں استغراق، بے خودی کی کیفیت سے ڈرتی ہوں۔ یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں استغراق یعنی ذوب جانے کے عالم میں کوئی مجھے سمجھوڑ دے اور میں پاگل نہ ہو جاؤں کیا میرا یہ خوف صحیح ہے؟ دوسری بات جواب طلب یہ ہے کہ ان مشقوں کے سبب ذہن میں جو جذبے ابھرتے ہیں مثلاً انتقام یا خوف، یا نفرت کا غصہ وغیرہ اور میں مشقوں کے ذریعہ ان جذبات کو خارج کر دیتی ہوں تو کہیں ایسا تو نہ ہوگا کہ جذبوں کو خارج کرتے کرتے میں سپاٹ اور محسوس ہو جاؤں، میرے اندر کوئی جذبہ ہی نہ رہے۔ میں زندگی کے گونا گوں تجربات سے محروم ہو جاؤں اور بالکل مشین بن کر رہ جاؤں یعنی ایک شخص میرے ساتھ دشمنی کر رہا ہے اور میں بے حس ہوں۔ کیونکہ عداوت کا جذبہ ہی مشقوں کے

سبب ختم ہو گیا ہے تو آپ دو سوالوں کے جواب ضرور دیں۔ (۱) استغراق کی مشق خطرناک تو نہیں ہوتی۔ مداخلت کے نتیجے میں۔ (۲) خود نویسی کے ذریعہ اخراج جذبات کے سبب مشین تو بن کر رہ نہ جاؤں گی؟ ان سوالات کا جواب یہ ہے کہ بے شک ڈوب جانے کی حالت میں بیرونی مداخلت خطرناک نہیں تو پریشان کن اور تکلیف دہ ضرور ہے اور اس صورت حال سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے۔ میں ایک مرتبہ تنویری (سیلف ہپ نامز) حالت میں تھا کہ کسی شخص نے مجھے پکارا۔ خود تنویری کی کیفیت ٹوٹ گئی اور میرا دماغ جھنجھٹا گیا، ذہن بھٹا گیا۔ مجب غلش سی پیدا ہوئی ہومیو پتھی کے اصول پر اس کا علاج بالکل کرنا چاہیے، یعنی استغراق میں مداخلت سے جو تکلیف ہوتی ہے۔ اس تکلیف کا علاج یہ ہے کہ دوبارہ اپنے اوپر استغراق طاری کرنے کی کوشش کریں۔ ان شاء اللہ وہ تکلیف اور جھنجھٹا ہٹ جائے جو استغراق ٹوٹنے کے سبب پیدا ہوئی ہے۔ خود بخود رنج ہو جائے گی۔ اب رہا اخراج جذبات کا معاملہ تو خود نویسی (یا دوسری مشقوں کا) مطلب یہ نہیں کہ اخراج جذبات کے ذریعہ آدمی کو ہر جذبے سے محروم کر دیا جائے اور وہ مشین بن کر رہ جائے۔ جذبات زندگی کا زور اور روح کی سجاوٹ ہیں۔ دنیا کا یہ حسین ترین کارخانہ جذباتی ٹوٹ ہی سے تو چل رہا ہے۔ انسانیت کے دامن میں جذبات کے علاوہ اور دھرا کیا ہے۔ تہذیب تمدن کی تمام رنگینیاں مذہب و عقائد کی تمام سرگرمیاں، جمالیات کی تمام رعنائیاں، فنون لطیفہ کے حیرت انگیز کوشے، شعر و ادب کا شہکار، حسن و عشق کی معجز نما مہمات اور انقلاب انگیز معرکے، یہ سب کے سب بس انسانی جذبات کی تجو بہ آفرینیاں ہیں۔ نفس انسانی کی کوئی تحریک یعنی کوئی جلی جذبہ منفی نہیں۔ انتقام، حسد، رشک و عداوت، بغض، وکیت، بزدلی، بہادری، مایوسی، بیزار، احساس کتری، حرص، لالچ، ہوا و ہوس! ہر جذبہ معقول حدود میں انسان کی بقا کا ضامن ہے۔ اگر انسانوں میں انتقام کا جذبہ نہ ہوتا تو کوئی شخص کسی کے شر سے محفوظ نہ رہتا۔ حسد کی معقول اور صحت مند شکل رشک ہے۔ اگر ہم جذبہ رشک سے محروم ہوتے تو گویا

ترقی کرنے کی صلاحیت کو کھو بیٹھے۔ ہم دوسرے کو ترقی کرتے دیکھ کر بے چینی محسوس کرتے اور اسی کی طرح ترقی کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ذہن کی صحت مند تحریک ہے اسی طرح عداوت بھی ضروری ہے۔ مگر ایک خاص حد تک۔ جرائم کا انسداد اسی طرح ممکن ہے کہ ہم مجرمانہ ارادوں سے دشمن کا سار تاد کریں اور بعض کے ساتھ مفید استعمالات ممکن ہیں۔ اگر ہمیں غصہ نہ آئے تو ہم شجاعت کے وصف سے محروم ہو جائیں۔ کون نہیں جانتا کہ غم روح انسانی کے نفیس ترین جوہروں کو ابھارنے کا سبب ہوا کرتا ہے۔ بعض اوقات شدت غم انسانی کردار کو اس طرح تبدیل کر دیتی ہے کہ شیطان فرشتہ بن جاتا ہے۔ بزدلی کا شائبہ ہمارے اندر نہ ہو تو ہم احمقانہ جسارت سے اپنی جان کو خطرے میں ڈال دیں۔ الغرض کوئی جذبہ، منفی نہیں، ہر جذبہ بقائے حیات کی لئے بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ البتہ اگر یہ جذبے مریشانہ صورت اختیار کر لیں اور نفسیاتی گرہیں (کامپلیکس) بن کر رہ جائیں تو ان مشقوں کے ذریعے فاسد جذبات کا اخراج اور تطہیر ضروری ہے۔ پروں کا یہ اندیشہ کہ وہ کہیں مشین بن کر نہ رہ جائیں بے بنیاد ہے۔ آگے چل کر یہ لڑکی لکھتی ہے کہ: لیتے ہی جب نیند آنے لگتی ہے تو مجھے محسوس ہوتا ہے کہ جیسے میرے جسم سے کوئی چیز نکل کر (بلکہ ایک جسم ہی) فضا میں معلق ہے۔ یہ صورت اکثر پیش آتی ہے۔ کل رات بھی ایسا ہی ہوا۔ میں رات کو گھبرا کر کروٹیں بدل بدل کر لیٹ رہی تھی کہ یہ حالت طاری نہ ہو، مگر جوئی غنودگی پیدا ہوئی، اک جسم میرے جسم سے نکل کر ہوا میں معلق ہو جاتا۔ ناک، بغل، کان، ہاتھ، ٹانگ، پاؤں اور اندرونی جسم میں چوڑیاں رنگتی محسوس ہوتی ہیں۔ چوڑیاں رنگنے کے احساس سے عجیب نشی کھلی جسم میں پیدا ہو جاتی ہے اور بڑا لطف ملتا ہے۔ لمبے لمبے سانس لینے سے دماغ سن ہو جاتا ہے۔ ۴/۷ مارچ کی شب کا واقعہ ہے کہ جیسے آنکھیں بند کر کے پہلا سانس لیا تو نہ صرف یہ کہ وزن غائب ہو گیا۔ بلکہ یہ محسوس ہوا کہ میں پتنگ سے اڑ کر فضا میں معلق ہو گئی ہوں۔ تاہم سانس کی مشق جاری رکھی۔ حالانکہ ڈر بھی لگ رہا تھا کہ سر کہیں چھت سے نہ گر جائے، یا مجھے کوئی

لے سانس بھی آہستہ

234

معلق نہ دیکھ لے! آنکھیں کھول کر دیکھا تو اپنے کو اپنے پنگ پر پایا۔ مراقبے میں بہت ہمت افزا نور سے دوچار ہوئی یعنی یہ دیکھا کہ آپ تعجب کریں گے کہ میری دو سہلیاں چاند کے روپ میں آنکھیں اور میرے قلب میں چل رہی ہیں۔

من مگر جس کی جوت سے روشن اے سکھی! چاند؟ ناسکھی چندن

بد بودار دھواں

محمد اسماعیل (جہلم) کا بیان ہے کہ انہیں دورانِ مشق عجیب و غریب خوشبو کا

احساس ہوتا ہے۔

مشام جاں معطر ہے شمیم زلف جاناں ہے

نصیاء الحق چشتی (چچہ وطنی) کا تجربہ اس کے برعکس ہے۔ رقم طراز ہیں کہ مشق

تفصیل نور، یکم جنوری ۱۹۷۴ء سے شروع کی ہے۔ پانچ دن تو نور کا تصور بخوبی قائم رہا لیکن چھ روز سے اس تصور میں کمی آنے لگی۔ اب سانس خارج کرتے وقت ایسا لگتا ہے کہ ناک کے تھنوں سے بد بودار دھواں نکل رہا ہے۔ اس کے ساتھ شہوانی خیالات کا

دھارا اندر سے ابلنے لگتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ پانچ روز سے برابر احتکام ہو رہا ہے۔ نصیاء الحق کے نفس (نفسانی اصطلاح میں لاشعور) میں بیجان آمیز بھی جذبات کا جو طوفان

بھرا ہوا تھا۔ وہ اس حقیقت کی نشاندہی ہے کہ مشقِ نفس نور کے ذریعہ نصیاء الحق کے نفس کا میل بکھیل دھل رہا ہے اور یہ جذباتی فاسد مواد احتکام کے ذریعے خارج ہو رہا ہے۔ اس

ضمین میں محبوب الہی (پشاور) کا بیان بھی ملاحظہ ہو۔ ۳/ جولائی کے خط میں محبوب الہی رقم طراز ہیں کہ

مشق کرتے وقت لگاؤ باطن کے سامنے روشنی کا رنگ بھی سرخ، کبھی نارنجی اور

کبھی زردی مائل ہو جاتا ہے۔ کبھی روشنیاں پھیل جاتی ہیں۔ کبھی سٹ جاتی ہیں کل رات مشق کرتے ہوئے دماغ کو ایک برقی جھلکا لگا اور عجیب کیفیت طاری ہو گئی۔ روح بکلی اور قلب ٹکافتہ ہو گیا۔ کیا بتاؤں کس قسم کی انجانی مسرت آمیز رودرگ و پے میں دوڑ رہی

لے سانس بھی آہستہ

235

تھی۔ مشق کے بعد عضو تناسل میں ایک میٹھا اور دل خوش کن درد شروع ہو گیا اور درد کے سبب میں خود لذتی کا مرکب ہوا۔ ایک طرف تو ہلکے پھلکے پن کی یہ کیفیت اور دوسری طرف یہ حال کہ (محبوب الہی) لکھتے ہیں کہ رات مشق کے بعد ذہن پر بہت بوجھ محسوس کر رہا تھا۔ جیسے میرے سر پر کسی نے من بھر لوہے کی سل دھر دی ہے۔ اس کتاب کے قارئین بخوبی واقف ہیں کہ ان مشقوں میں ذہن کا منفی حصہ یعنی لاشعور کی ضدی طاقت بڑی رکاوٹ ڈالتی ہے۔ ظہیر احمد (حیدر آباد) کی الجھن سنئے:

رات خواب میں کئی مرتبہ اسرار کر کے مجھ سے کسی نے کہا کہ:

”تم مشقیں نہ کرو، تمہیں ان سے نقصان پہنچے گا۔ تم بہت جلد مر جاؤ گے۔“

اس واقعہ کے بعد رات میں بہت ڈر لگنے لگا۔ دو دو تین مرتبہ شب میں آنکھ کھل جاتی اور یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ دم نکل جائے گا سانس کی مشق سے جلدی بیجان میں اضافہ ہو گیا ہے۔ البتہ دماغی پریشانیوں اور ذہنی الجھنوں میں کمی ہو گئی ہے۔ احساس کسرتی بھی گھٹ رہا ہے

جیسے اور جئے جانے کی تمنا بیدار ہو رہی ہے۔

روشنی سانپ بن گئی

رشید احمد ملک (ملتان) کا معاملہ سب سے الگ ہے اور ہر اعتبار سے عجیب

تر، انہیں کی زبانی سنئے:

کل رات سانس کی مشق کے دوران عجیب معاملہ پیش آیا۔ میں اندھیرے میں

مشقِ نفس نور کرتا ہوں تاہم اس تاریکی کے باوجود ایک خاص قسم کا دائرہ نور مجھے اپنے گرد محسوس ہوتا رہتا ہے، آنکھیں بند رہتی ہیں۔ ایک کوئی پر مختلف سائز کی چٹونیں،

پٹیاں، (بٹلیس) لگی ہوئی ہیں۔ ناگہاں ان پٹیوں نے سانپوں کی شکل اختیار کر لی اور

صحبت کی طرف رواں ہوئیں۔ یہ تین سانپ تھے (روشنی کے) ایک دوسرے سے آگے

جانے کی کوشش میں ایک سانپ زمین پر گر گیا، باقی دو کی دوڑ جاری رہی۔ چند لمحوں کے

بعد یہ منظر غائب ہو گیا۔ اب میرے سامنے لا انتہا مخصوص روشنیاں تھیں، یہ روشنی ایسی

تھی۔ جیسے مغرب کے عین وقت ہوتی ہے۔ بعض اوقات سانسے سے ایک چمک دار چندھیا دینے والی روشنی نظر آتی ہے۔ ان مشقوں سے چند فوائد بھی محسوس ہوئے ہیں۔ مثلاً (۱) بعض ذاتی لغزشوں کی بناء پر خاندان کے ۸۰ فیصدی افراد مجھ سے بے حد ناراض تھے اور گویا حقہ پانی بند کر دیا تھا۔ لیکن میرے طرز عمل میں ایسی خوش گوار تبدیلی پیدا ہو گئی کہ اب سب مجھ پر مہربان ہیں۔ (۲) اب تک والد صاحب کے ساتھ مل کر کام کرتا تھا۔ لیکن اب دوا سے بچے اختیار کرنے کی راہ ہموار ہو گئی ہے۔ جنہیں میں ذاتی طور پر پسند کرتا ہوں۔ میں اسے بھی مشقوں کا فائدہ قرار دیتا ہوں۔ (۳) اچانک دل میں تمنا بیدار ہوئی کہ روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری دی جائے۔ فوراً پاسپورٹ بن گیا۔ اللہ اپنی رحمت سے دوسرے سامان سفر بھی فراہم کر دے گا۔ اگر ادھر سے بلاوا آ گیا تو ان شاء اللہ اس سال عمرے کی سعادت بھی حاصل کر لوں گا۔ ہو سکتا ہے کہ مستقبل میں وہیں رہائش اختیار کر لوں۔ بندے کا ایک ماموں زاد بھائی ۱۹۵۲ء سے مدینہ منورہ میں مقیم ہے اور وہاں کی مستقل سکونت اختیار کر چکا ہے۔ ہو سکتا ہے بہت جلد آپ سے بھی ملاقات ہو جائے یہ بھی میری تمنا ہے۔

نشر اور جنسی بیجان

چار سادہ سے ایک دوست لکھتے ہیں کہ:

میں نے ۱۹۷۲ء میں مشق تخلص نور شروع کی تھی۔ اس کے بعد ترک کر دی پھر اس کے بعد ۱۹۷۴ء میں سانس کی مشق شروع کی، آٹھویں روز سے ایک ہلکا سا لطیف نشہ محسوس کیا اور پھر یہ نشہ میرے دل و دماغ پر چھا گیا اب مجھے اس نشہ میں لذت محسوس ہونے لگی۔ ایک عجیب عالم مدہوشی تھا سرشار کن کیفیت! جی چاہتا تھا کہ یہ نشلی سرشاری ہمیشہ طاری رہے سات یا آٹھ روز تک یہی حالت طاری رہی۔ عجیب قسم کا سکون تھا بعد ازاں اس سکون سے جنسی بیجان ابھرنا شروع ہوا۔ خطرناک قسم کے گندے شرمناک خیالات ذہن میں آتے تھے۔ مختصر یہ ہے کہ میں نشر آور جنسی بیجان کے سبب شکاری بن

گلیا۔ جس کا شکاری جو کسی صید زبوں کی تلاش میں ادھر ادھر گھومتا پھرتا تھا اور جب بات یہ ہے کہ اس جنسی بیجان کے ساتھ خوف خدا بھی دل میں سامنے لگا۔ ۲۲ روز ذہن کی یہ حالت تھی کہ خوف خدا، جنسی بیجان کے سامنے شکست کھا چکا ہے۔ گرمیوں کے دن تھے، سہ پہر کے وقت کھانا کھا کر آرام کرنے لیٹ گیا تو بالکل شمار آفریں عالم تھا۔ اس شمار آفریں کیفیت میں دماغ میں اچانک ایک دھماکا۔ بالکل یہ محسوس ہوا اور ایک ہیبت ناک جنسی طوفان نے دل و دماغ پر بلہ بول دیا۔ میں بے بس ہو گیا اور اس جنسی بیجان اور گھسٹنا کے خوف نے! حضرت نے! مشقیں ترک کر گئیں۔ محمد ابصار (طبر) لکھتے ہیں کہ سانس افسردہ رکھنے والے ہوں تو اعضائے جنسی میں شدید قسم کی جنبش و حرکت پیدا ہو جاتی ہے اور ایک شہوت انگیز لہر، رگ و پے میں دوڑ جاتی ہے اور پھر انزال ہو جاتا ہے۔ حمید احمد (ایبٹ آباد) کا تجربہ یہ ہے کہ انہیں سانس کی مشقوں میں وہ لطف محسوس ہوتا ہے جو ایک قوی شخصیت فتنہ کو جنسی عمل میں!

اور یس (حیدر آباد) سے لکھتے ہیں کہ:

پہلے پہلے مشقوں سے جنسی تسکین نہ ہوتی تھی۔ بلکہ مشق ذہنی کا جذبہ ابھر آتا تھا۔ اس بیجان کو فرو کرنے کے لئے میں ہر ہفتہ روزہ رکھنا شروع کیا۔ واقعی اسلام عظیم مذہب ہے ہر روز سے ضبط نفس، خود اعتمادی اور تطہیر قلب کا رجحان پیدا ہوتا ہے اور حیرت انگیز طور پر انداز فکر میں مثبت تبدیلی رونما ہوتی ہے۔ روزے کے عالم میں جب میں سانس کی مشق کی تو عجیب قسم کا لطف و سرور پیدا ہوا۔ اس لئے میں نے بار بار روزے کے عالم میں سانس کی مشقیں کیں اور بخدا وہ لطف آیا جو جنسی عمل میں آتا ہے۔ روزے کے عالم میں مشق کرتے ہوئے اکثر گرد و پیش کی طرف سے بے خبری ہو جاتی ہے اور عالم بے خبری میں نور کا تصور نہایت واضح اور درخشاں اور چمک دار ہوتا ہے۔ اس مشق کے نتیجے میں میرا معدہ بالکل درست ہو گیا۔ صحت بہتر ہو گئی۔ کم کھانے، کم سونے اور کم بولنے کا رجحان خود بخود پیدا ہو رہا ہے بلکہ پیدا ہو چکا ہے۔ میں مشق صرف تین وقت

(صبح وشام اور سونے سے قبل) نہیں کرتا بلکہ جب بھی معدہ خالی ہوتا ہے یہ مشقیں شروع کر دیتا ہوں۔ اس کی واحد وجہ یہ ہے کہ مجھے معدے میں عجب قسم کا سرور ملتا ہے۔ اس لذت کا کوئی جواب نہیں۔

لطف زیر ناف

ایک رات اندھیرے میں مشق کرنے بیٹھا، آنکھیں بند کیں تو دائیں جانب ایک تیز قسم کی روشنی نظر آئی۔ میں ڈر گیا، مگر پھر فوراً ہی نارمل ہو گیا۔ یکا یک توجہ ناف کی طرف مرکوز ہو گئی اور مجھے احساس ہوا کہ زیر ناف کوئی سانپ بیٹھا ہے۔ لیکن مجھے اس سے کوئی وحشت نہیں ہوئی چنانچہ ایک شب خواب میں سانپ ہی سانپ دیکھتا رہا۔ جیسے کسی ”سانپوں کی بستی“ میں آ گیا ہوں۔ میرے ارد گرد بہت سے چھوٹے بڑے سانپ لہرا رہے ہیں۔ میں اس بستی میں اکیلا ہوں پھر اچانک یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہاں کوئی دوسرا شخص بھی موجود ہے۔ اس نے ایک سانپ کو مشتعل کر دیا۔ سانپ مجھ پر چھینا اور بائیں پاؤں میں کاٹ دیا۔ میں ذرا پریشان نہ ہوا اور زخم کو دیکھ کر کھٹکھٹلا کر ہنسی پڑا اور کہنے لگا۔ آجے اوسانپ! بھلا تیرا زہر میرا کیا بگاڑے گا۔ میرے جسم میں جو نظام کار فرما ہے وہ تیرے زہر کو بے اثر بنا دے گا۔ منظر بدل جاتا ہے۔ میں اپنے زخم خوردہ پاؤں کے ساتھ گھرا آ جاتا ہوں۔ پاؤں میں درد شروع ہو جاتا ہے۔ فوراً کسی ڈاکٹر کی تلاش میں نکل جاتا ہوں۔ مگر کے دروازے پر ہمارے مولوی صاحب نظر آتے ہیں کہ ہندو یوگیوں کے انداز میں آلتی پالتی مارے بیٹھے ہیں۔ وہ میرا پاؤں پکڑ کر زخم کو چوس لیتے ہیں، میں ٹھیک ہو جاتا ہوں۔ مگر حیرت اس بات پر ہوئی کہ مولوی صاحب نے زہر چوس کر تھوکا کیوں نہیں۔ اس عالم حیرت میں آنکھ کھل جاتی ہے۔ خدارا! وضاحت کریں کہ سانس کی مشق میں سانپ کا قصور اور پھر خواب کا یہ انداز محض آوارہ خیالی کا نتیجہ ہے یا اس کی کوئی معنی خیز اہمیت بھی ہے۔ ان مشقوں کی بدولت خود لذتی پر بخوبی قابو پانچا ہوں۔ مذہب کی طرف واضح رجحان رکھتا ہوں۔ نماز پڑھتے وقت ایک ایک نقطہ پر غور کرتا ہوں اور

بعض اوقات اس آیت کے مخفی مفہام اور مطالب واضح ہونے لگتے ہیں۔ پھر میرا تصور اور توجہ جم جاتی ہے اور وہ آیت اپنے مفہام کے لحاظ سے ایک ”بحر بیکراں“ نظر آنے لگتی ہے۔ کبھی کبھی بلا مبالغہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ براہ راست خدا سے ہم کلام ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ میری نمازیں اکثر کافی طویل ہو جاتی ہیں۔ قرآن پاک کی تلاوت کے وقت مجھے وہ آیت بہت میٹھی، پیاری اور دل نشین لگتی ہے۔ جس میں خدا کی تعریف و توصیف اور حمد الہی کا ذکر ہوتا ہے۔ آن آیتوں کو بار بار پڑھتا ہوں اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتا ہوں۔ پتہ نہیں کیوں؟ یہ رونا دھونا میرے اختیار سے باہر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس رونے دھونے کا سبب نہ کوئی مصیبت ہے نہ مسئلہ، نہ کوئی گناہ، نہ غم انگیز یاد بلکہ یہ گریہ بے اختیار ہے۔

میری پلکیں تو محبت میں کبھی نم نہ ہونیں

کون روتا ہے الہی! میرے دل میں چھپ کر

اور کبھی یہ ہوتا ہے کہ نماز بے خشوع و خضوع اور سمجھ ہائے بے کیف و سرور

محسوس ہوتے ہیں، وہی معاملہ کہ:

کبھی قبلہ رخ جو کھڑا ہوا تو حرم سے آنے لگی ندا

تیرا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں

گویا سب دروازے بند ہو گئے۔ رئیس صاحب! اگر یہ سب روحانی بیداری کی علامتیں ہیں تو بتائیے کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ محض مشق محض نور سے بیریابی نہیں ہوتی۔ ان مشقوں سے سکون تو ضرور نصیب ہوا ہے، مگر کچھ اور ملنا چاہیے۔ میری حالت اس شرابی کی سی ہے جو پکارتا ہے کہ ساتی کچھ جام اور کچھ جام اور، کچھ جام اور، ایک آدھ تجربہ کشف کا بھی ہوا۔ امتحان سے ایک روز قبل کوئی چیز میرے اندر زور زور سے کہہ رہی تھی کہ یہ ضرور پڑھو یہ ضرور پڑھو۔ یہ سوال امتحان میں ضرور آئے گا۔ میں اس سوال کو ترک کر دینے کا ارادہ کر رہا تھا مگر وہ طاقت بار بار مجھے مجبور کر رہی تھی کہ یہ ضرور آئے گا اور

یہ احساس اور یہ یقین دہانی کمرہ امتحان میں داخل ہونے تک ہوتی رہی اور سو فیصدی صحیح ثابت ہوئی لیکن اگر خود کوئی بات بذریعہ کشف جاننا چاہوں تو اس کوشش میں کامیابی نہیں ہوتی۔ اگر اندازہ لگا لوں تو غلط ثابت ہوتا ہے۔ اب کوئی تصور یا خیال پریشان نہیں کرتا۔ تشویش کس مواقع پر بھی پرسکون رہتا ہوں، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ خود بخود میری روح میں لطیف و دل پذیر نغمے گونجنے لگتے ہیں۔ شوخ گیت پسند نہیں آتے البتہ نیم کلاسیکی انداز میں گائے ہوئے گیت روح میں اتر جاتے ہیں۔ جب خود گاتا ہوں تو روح میں سنسناتی ہوتی رہتی رودور جاتی ہے اور کلاسیکی انداز میں گائے لگتا ہوں تو آواز میں عجیب غمایت اور لطف و سرور پیدا ہو جاتا ہے۔ رئیس صاحب! سادہ مشق نفس نور میں پہلے بھی کرتا تھا لیکن اس سے فائدے کے بجائے نقصان ہوتا تھا۔ اس کے باعث میں نے وہ مشق ترک کر دی۔ درحقیقت مجھے یہ سارے فوائد تصور نور اور خود نویسی کی بدولت ہوئے ہیں۔ بعض اوقات مجھے کوئی طاقت مجبور کرتی بلکہ شدید اصرار کرتی ہے کہ اپنی ناف پر توجہ مرکوز کر دو۔ اس اصرار کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ آخر ناف پر توجہ کیوں کروں؟ ایک روز ٹھنکی باندھ کر ناف کو ٹکنا شروع کیا۔ تو اپنی یہ حرکت بالکل فضول معلوم ہوئی۔ ایک دن عجیب بات ہوئی لیٹا ہوا تھا، آنکھیں بند تھیں کیا جی میں آیا کہ میں نے اپنا سارا سانس خارج کر دیا۔ اور پیچھے ہڑوں کو خالی کر کے سانس لینا بند کر دیا۔ پھر میری نگاہیں خود بخود پیٹ کے وسط میں ایک لپٹے ہوئے گچھے پر مرکوز ہو گئیں۔ میں نے وہیں چپکتے ہوئے نور کا تصور قائم کر دیا کافی دیر سانس نہ لیا بلکہ سانس لینے کو جی ہی نہ چاہتا تھا۔ پھر سانس کی بندش ناقابل برداشت ہوئی۔ ازراہ کرم وضاحت فرمائیں کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ اور میں صاحب کے تجربات خاصے دلچسپ ہیں۔ انہیں مشق نفس نور میں کبھی کبھی وہی مزہ آتا ہے جو جسمانی ملاپ اور جسمانی عمل میں محسوس ہوتا ہے۔ میں نے پہلے بھی آپ سے عرض کیا تھا اب پھر سن لیجئے کہ روحانی طاقت درحقیقت جنسی توانائی کی مظہر اور تہذیب یافتہ شخص ہے۔ نامرد کبھی اعلیٰ روحانی صلاحیتوں کا مظاہرہ نہیں کر سکتا۔ اور میں صاحب

نے یہ مشقیں شروع کیں تو وہ جنسی ہیجان میں مبتلا ہو گئے۔ روزے کی برکت سے انہوں نے اس ہیجان پر قابو پایا۔ ان کی روحانی قوت بیدار ہو رہی ہے۔ اس کا ایک مرکز لطیف زیر ناف بھی ہے۔ زیر ناف (ریڑھ کا ہڈی کے نیچے) کنڈالنی ہشتی کا مرکز ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ قوت (جنسی یوگی اپنی اصطلاح میں ماد آتھیں) کہتے ہیں۔ سانپ کی شکل میں کنڈل مارے خوابیدہ ہے۔ نصاب تعمیر و تنظیم شخصیت کی مشقوں سے یہ قوت جاگتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اور میں صاحب کو خواب میں سانپ نظر آئے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ کنڈالنی ہشتی میں جنش اور حرکت پیدا ہو رہی ہے۔ پھر خواب ہی میں ایک مولوی صاحب نظر آئے، جو یوگیوں کی طرح آلتی پالتی مارے بیٹھے تھے۔ سانس کی مشقیں براہیہ یوگ اسکول سے تعلق رکھتی ہیں۔ اسی مناسبت سے اور میں صاحب کو خواب یوگی نما مولوی صاحب نظر آئے۔ ان تمام بیانات میں بطور خاص اہم چیز یہ ہے کہ مشق کرنے والے کو مشق میں جنسی عمل کا مزہ ملتا ہے۔ کنڈالنی ہشتی کی بیداری کے وقفے میں یقیناً جنسی لذت کا احساس ہوتا ہے۔ لطیف زیر ناف پر ارتکاز توجہ سے یہ لطیف بیدار ہو کر گرم ہے۔ لطیف زیر ناف کی بیداری دیر گزری ہے کبھی کبھی ثبوت کے زبردست دورے کے بعد انزال ہو جاتا ہے۔ ایک بزرگ کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ جب وہ بعالم جدے میں جاتے تھے، تو ان کا مادہ خارج ہو جاتا تھا۔

یہی اور میں صاحب اپنے خط مورخہ ۱۶/ اگست ۱۹۷۶ء میں لکھتے ہیں کہ:

سانس کی مشق میں کبھی تو سرے سے تصور نور قائم ہی نہیں ہوتا اور کبھی نگاہ باطن کے سامنے سورج سا چمکنے لگتا ہے۔ خود نویسی سے عجیب طرح کا سکون محسوس کر رہا ہوں قلم سے بے اختیار پرانے واقعات عشق تحریر ہونے لگتے ہیں۔ ایک دن روزے سے تھا سانس کی مشق شروع کی تو دریائے کیف و سرور میں غرق ہو گیا۔ ایک روز جب نماز کے بعد سجدے میں گیا تو استغراق کی حالت طاری ہو گئی، دیکھا کہ میرے قریب ایک سایہ بھی حالت رکوع میں ہے۔ پھر وہ سایہ نظر سے اوجھل ہو گیا۔ کبھی کبھی شدید بیزار

کے باعث صبح کی مشق ترک ہو جاتی ہے۔ ایک روز آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا کہ شدید ڈراؤنی شکل کی عورت نظر آئی، جس کی آنکھیں موٹی تھیں اور ان میں عجب قسم کی پراسرار چمک تھی۔ جناب! اس مشق کا اہم فائدہ یہ ہوا کہ ”خود لذتی“ کی عادت چھوٹ گئی ہے۔ اور بس صاحب نے اعتراف کیا ہے کہ سانس کی مشق کے سبب ”خود لذتی“ کی عادت ترک ہو گئی اور محمد عرفان کا بیان ہے کہ میں نے ۱۷/ فروری ۱۹۷۵ء کو آپ کی ہدایت کے بموجب سانس کی مشق شروع کی مثال کی طرف مت کر کے بیٹھ جاتا تھا۔ کمر، گردن، پشت اور سر ایک سیدھ میں ہوتے تھے۔ آنکھیں اور ہونٹ بند کر کے گہرا سانس آہستہ آہستہ کھینچتا تھا اور سانس کو سینے میں لا کر روک لیتا تھا اور پھر جب سانس کا سینے میں روکنا مشکل ہو جاتا تو ناک کے سوراخوں سے سانس کو خارج کر دیتا تھا۔ تجربہ یہ ہوا کہ سانس کی مشق سے خود لذتی کی عادت میں اصافہ ہو گیا ہے۔ سانس اندر کھینچنے ہی اعضائے جنسی میں ناقابل ضبط ہیجان پیدا ہو جاتا ہے اور پھر میں اپنے اوپر قابو پانے سے قاصر ہو جاتا ہوں۔ میں نے محمد عرفان کو ہدایت کی کہ برابر سانس کی مشق جاری رکھیں اور خود لذتی کی کثرت سے پریشان نہ ہوں۔ انصاف تعمیر شخصیت (S.C.T) کی مشق سے نفس اور اعصابی نظام پر شدید ہیجانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور ذہن کے اندر جو کیفیت اور جو کچھ دبا ہوا ہوتا ہے آسودہ خواہشیں، گناہ کے ادھورے منصوبے ناقص آرژوئیں، ناکامیاب انگلیں اور پرشور یادیں فاسد جذباتی مواد، لاشعور سے نکل کر شعور میں آ جاتا ہے اور اس طرح ہم اس کے اخراج پر قادر ہو جاتے ہیں۔ مشق شخص نور کے دوران مادہ منویہ کا اخراج بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ علی احمد (حیدر آباد سندھ) کا بیان ہے کہ:

بیٹے بھرتا نے کے بعد مشق شخص نور شروع کی تو نور کا تصور قائم ہو گیا۔ اس مشق سے خود اعتمادی میں ناقابل یقین اضافہ ہوا ہے اور قوت فیصلہ اور حافظے میں بھی ترقی ہوئی ہے۔ مجھے خیالی پلاؤ پکانے کی عادت تھی، اپنے تصورات میں مست اور مگن

رہتا تھا۔ لیکن اب حقیقت پسند بنتا چلا جا رہا ہوں۔ میرے ایک کرم فرما کا بیان ہے کہ اس مشق سے آنکھوں میں جو ایک مقناطیسی چمک پیدا ہو گئی تھی اب وہ باقی نہیں رہی۔ ہفتہ میں ایک آدھ روز ضرور بے دلی اور اداسی کا دورہ پڑ جاتا ہے اگر آپ کی تصانیف اس زمانے میں زیر مطالعہ نہ ہوتیں تو میں مشقتیں جاری نہ رکھ سکتا تھا۔ ان کتابوں کو پڑھ کر حوصلہ بڑھتا ہے اور نئے نئے فوائد کی توقع پیدا ہو جاتی ہے۔ دوران مشق آنکھیں بند کر کے عجب فرحت و تازگی کا احساس ہوتا ہے نور کا تصور کبھی واضح ہوتا ہے، کبھی دھندلا اور کبھی اس قدر عظیم چمک کہ آنکھیں چکا چوند ہو جاتی ہیں۔ جب تصور نور پختہ ہو جاتا ہے تو چلتیاں اوپر کی جانب چڑھ جاتی ہیں، بے وزنی کی کیفیت تقریباً ہر چکر میں محسوس ہوتی ہے۔ جب یہ تصور ہوتا ہے کہ نور قلب میں جمع ہو رہا ہے تو قلب کی درخشاں شبیہ نگاہ باطن کے سامنے آ جاتی ہے اور ایسا لگتا ہے جیسے کئی سفید مرج بل رہی ہوں۔ نوری لہریں کبھی نیلی ہوتی ہیں، کبھی پیلی، کبھی لال، آج کل غصہ بہت آتا ہے (وہی اندرونی ہیجان) اور ضبط نہیں ہوتا، عجیب سے بے سکے خواب نظر آتے ہیں۔ بے سکے خواب بھی اس بات کی علامت ہیں کہ نفس کے اندر دبے ہوئے پیچیدہ جذباتی دھتے سلینے کی کوشش کرتے ہیں۔ سانس کی مشق سے حواس غصہ کی کارکردگی میں بھی غیر معمولی اضافہ ہو جاتا ہے۔

ندیم ضیاء (لمٹان) لکھتے ہیں کہ:

جس جگہ مشق شخص نور کرتا ہوں۔ وہاں موہے کے کچھ پھول پڑے ہیں۔ مشق سے قبل مجھے ان کی بہت معمولی خوشبو محسوس ہوتی ہے لیکن شخص نور کے دوسرے چکر میں جب سانس اندر کھینچتا ہوں تو ان پھولوں کی عجیب بھنی بھنی خوشبو محسوس ہوتی ہے۔ چند روز سے مشق کرتے ہوئے غنودگی طاری ہونے لگتی ہے۔ (مکتوب ۸/ اگست ۱۹۷۶ء)

بے سکے خواب

محبوب الہی (کھال بالا) اپنے مکتوب مورخہ ۸ ستمبر ۱۹۷۶ء میں لکھتے ہیں کہ:

آپ کے حکم کے بموجب مشق شخص نور اور خود نویسی باقاعدہ کر رہا ہوں۔ خود نویسی سے مجھے خاصا فائدہ ہوا ہے۔ پہلے جو ناگوار بوجھ ذہن پر رہتا تھا وہ اتر گیا ہے۔ اپنی ذات پر اعتماد پیدا ہوا ہے، لیکن شرم اور جھجک کی عادت اب تک نہیں نکلتی۔ اپنا مافی الضمیر بیان کرنے سے عاجز ہو جاتا ہوں، گفتگو میں رکاوٹ ہوتی ہے۔ پسینہ جاری ہو جاتا ہے۔ البتہ کبھی اتنی خود اعتمادی اور چالاکی پیدا ہو جاتی ہے کہ خود حیران رہ جاتا ہوں۔ مشق شخص نور کرتے وقت آنکھوں کے سامنے روشنی کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگتا ہے۔ کبھی کبھی تیز رنگ سے نکلنے لگتی ہے۔ بعض اوقات بند آنکھوں کے سامنے بجلیاں سی کوندنے لگتی ہیں، جس طرح بادلوں میں کوندتی ہیں اور پھر نظر سے اجھل ہو جاتی ہیں۔ جسم کبھی اتنا ہلکا ہو جاتا ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ رگ و پے میں برقی رودروں جاتی ہے اور لا جواب سرور سے دوچار ہو جاتا ہوں۔ مشق ختم کرنے کے بعد جب آنکھیں کھولتا ہوں تو سامنے دیوار پر روشنی نظر آتی ہے۔ جی چاہتا ہے کہ انہی روشنیوں میں غرق رہوں۔

یہ عالم نور کا دیکھنا نہ جائے

آپ علی (علیہ السلام) کا بیان ہے کہ میں نے مشق شروع کرنے کے بعد عجب ”بے سکتے خواب“ نظر آتے ہیں۔ اب محبوب الہی کا خواب سنئے، لکھتے ہیں کہ:

خواب دیکھا کہ میرے سامنے ایک بلند و بالا دیوار ہے۔ میں اس دیوار پر چڑھنے لگتا ہوں اور خاصی دشواری کے بعد چوٹی پر پہنچ جاتا ہوں۔ نیچے قدرت کی نیرنگیوں کے جاں فرما مناظر ہیں۔ ان سے لطف اندوز ہوتا ہوں۔ یکا یک پیچھے سے شور بلند ہوتا ہے، مڑ کر دیکھتا ہوں تو لوگوں کا جم غفیر بیچ رہا ہے، غل چار رہا ہے۔ حقیقت حال معلوم کرنے کے لئے جلد از جلد نیچے اترتا ہوں تو پتہ چلتا ہے کہ کوئی بین الاقوامی شخصیت آنے والی ہے۔ یکا یک ایک ہوائی جہاز آسمان کی نیلگوں فضاؤں کو چیرتا ہوا نمودار ہوتا ہے اور دو تین پکر لگانے کے بعد زمین پر اتر آتا ہے لوگ ہوائی جہاز کو گھیر لیتے ہیں۔ جہاز کا دروازہ کھلتا ہے اور اندر سے ورلڈ ہیوی ویٹ باکسنگ چیمپیئن محمد علی

برآمد ہوتا ہے اور ہاتھ ہلا کر لوگوں کو سلام کا جواب دیتا ہے۔ لوگ اس سے تقریر کی درخواست کرتے ہیں۔ محمد علی تقریر شروع کرتا ہے۔ جس پر لوگ نہ صرف اظہارِ ناراضگی کرتے ہیں بلکہ محمد علی پر حملہ بھی کر دیتے ہیں۔ میں عالمی چیمپیئن کو دشمنی حالت میں سسکیاں لیتے پاتا ہوں اور چیخ کر زار و قطار رونے لگتا ہوں۔ محمد علی کو چارپائی پر ڈالتے ہیں۔ اچانک محمد علی کا سر ایک طرف ڈھلک جاتا ہے اور دو تین آدمی یہ کہہ کر رونے لگتے ہیں کہ محمد علی مر گیا۔ میں بھی شریک ماتم ہو جاتا ہوں۔ منظر بدل جاتا ہے۔ اب میں اپنے گھر میں ہوں گھر کے کبھی لوگ پریشان ہیں۔ پریشانی کا سبب پوچھتا ہوں تو والدہ بتاتی ہیں کہ ہمارے گھر کے تہہ خانے میں عظیم مغریت چھپے ہوئے ہیں۔ میں جھانک کر دیکھتا ہوں تو ایک قوی الجیڈ، بلا نظر آتی ہے۔ یہ بلا خوف ناک قہقہے مارتی ہوئی باہر آتی ہے اور ایک سالم مرغی کو نکل جاتی ہے۔ والد صاحب نے کہا کہ آخر اس بلائے بے درماں سے کس طرح نجات پائیں کہیں یہ کوئی نقصان نہ پہنچا دے، ابھی ہم اس معاملے پر غور کر رہے تھے کہ کوئی شخص دروازہ کھٹکھٹاتا ہے، میں دروازہ کھولتا ہوں۔ دیکھتا ہوں ہمارے دروازے پر دو آدمی ہیں ایک کے ہاتھ میں رائفل ہے دوسرے کے ہاتھ میں بطل ہے۔ کہتے ہیں کہ ہم اس مغریت کو ختم کرنے آئے ہیں۔ پھر تہہ خانے میں جھانکتے ہیں وہ بلا سٹریجیوں پر لپٹی تھی، میرے پڑوسی اس پر اندھا دھند فائرنگ شروع کر دیتے ہیں۔ مغریت کا بال بھی بیکا نہیں ہوتا۔ وہ بدستور قہقہے لگا رہا ہے۔ یہ دیکھ کر پڑوسی خوف زدہ ہو کر بھاگ نکلتے ہیں۔ میں رائفل لے کر تین گولیاں چلاتا ہوں۔ جو مغریت کے جسم کو چھلنی چھلنی کر دیتی ہیں۔ مغریت با آواز بلند فریاد کرنے لگتا ہے۔ میں تین گولیاں اور چلاتا ہوں اور مغریت کی دل دوز چٹھیں بند ہو جاتی ہیں۔ یہ دیکھ کر حیران رہ جاتا ہوں کہ تہہ خانے سے ایک اور مغریت نمودار ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ ظالم و سنگ دل انسان! تم نے اس کو کیوں مار دیا! آج تو ہماری شادی ہونے والی تھی۔ تم نے اسے مار دیا۔ آخر اب میں کس سے شادی رچاؤں گی۔ پھر وہ دوسرا (مادہ) مغریت مردہ مغریت کے گرد

ناچنے لگتا ہے اور میری آنکھ کھل جاتی ہے، یہ حیرت انگیز خواب ختم ہو جاتا ہے۔

محبوب الہی کے اس خواب سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان کا نظام تصورات کس قدر الجھا ہوا ہے۔ خواب اشاروں اور استعاروں اور تشبیہوں سے مرکب ہوتا ہے۔ شاعری اور خواب کی ترکیب و تشکیل یکساں مواد سے ہوتی ہے۔ اس خواب کے اہم اور معنی خیز استعاروں پر غور کیجئے۔ (الف) دیوار پر چڑھنا۔ (ب) شور و غل (ج) کسی بین الاقوامی شخصیت کا انتظار۔ (د) ہوائی جہاز کا نمودار ہونا۔ (ه) محمد علی جناح۔ (و) ہجوم کا قہر و غضب (ز) محمد علی پر حملہ (ح) پہاڑ کی اوٹ سے تین آدمیوں کا نمودار ہونا۔ (ط) گھر کے تہ خانے میں عفریت کی موجودگی۔ (ی) عفریت سے لڑائی۔ (ک) عفریت کی موت۔ (ل) دوسرے عفریت کا نمودار ہونا۔ یہ اس کہانی کے اہم جزو ہیں اور ہر جزو کے ساتھ کوئی نہ کوئی ڈرامہ وابستہ ہے۔ صرف اسی ایک خواب کے ذریعے محبوب الہی پر تحلیل نفسی (PSYCHO ANALYSIS) کا کامیاب عمل کیا جاسکتا ہے اور ان کے ذہن میں جتنی فراموش شدہ تجلیاں دفن ہیں، ان کو کھود کر باہر نکالا جاسکتا ہے۔ تحلیل نفسی کی عام تکنیک یہ ہے کہ معمول سے کہا جاتا ہے فلاں لفظ (مثلاً عفریت) سے تمہارے ذہن میں جتنے تصورات پیدا ہوتے ہیں، انہیں بے تکلفی سے بیان کر دو۔ ہر خواب اپنی تعبیر اپنے ساتھ لے کر نمودار ہوتا ہے یعنی خواب کی تعبیر خواب کے اندر موجود ہوتی ہے۔ ضرورت یہ ہے کہ خواب دیکھنے والے سے اجزائے خواب کے بارے میں پے در پے سوالات کئے جاتے ہیں۔ وہ خود مشابہت خیال کے قانون کے تحت اپنے خواب کی وضاحت کرتا چلا جائے گا۔

☆☆☆

مختصر یہ کہ

مختصر یہ کہ سانس کی مشقیں (جن کے بہت سے طریقے ہیں) تندرستی اور سن درستی کے لئے غیر معمولی فوائد کی حامل ہیں۔ لیکن بہر حال یہ مشقیں کسی ماہر فن کی نگرانی اور رہنمائی میں کرنی چاہئیں۔ ذرا سی بے احتیاطی سے تعبیر و تنظیم شخصیت کی مشقیں کرنے والا نقصان اٹھا سکتا ہے۔ سانس کی مشقوں کے ذریعے ہم کائنات کی اس حیات بخش طاقت ”نیم جان فرا“ (پران) کو اپنے اندر داخل کرتے ہیں، جس پر کارخانہ تخلیق کی تمام سرگرمیوں کا انحصار ہے۔ سانس کی مشق اگر علی الصبح یعنی طلوع آفتاب سے قبل کی جائے تو اس کی جاں بخشی میں سو فیصدی اضافہ ہو جاتا ہے۔ پھر مغرب کے وقت اور پھر رات کے کھانے کے ڈھائی تین گھنٹے بعد سونے سے قبل۔ لیکن اگر ان اوقات کی پابندی نہ ہو سکے تو اپنی سہولت و آسانی کے پیش نظر مشق نفس نور یا تبادل طرز نفس کے اوقات رکھے جائیں۔ سانس کی مشق کی بہتر نشست وہ ہے، جس کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔ لیکن بعض حضرات اس طرز نشست پر قادر نہیں ہوتے تو انہیں آرام دہ پوزیشن میں بیٹھ کر سانس کی مشق کرنی چاہیے۔ بعض حالات میں پرسکون طور پر لیٹ کر بھی سانس کی مشق کی جاسکتی ہے۔ بعض چلتے پھرتے بھی سانس کی مشق کرتے ہیں۔ منہ سے سانس لینا اور خارج کرنا طبی عمل نہیں بہتر یہ ہے کہ ناک کے سوراخوں سے سانس اندر کھینچی جائے اور اسی راستے خارج کیا جائے۔ لیکن اگر زکام کے سبب ناک بند ہو تو ہونٹوں سے سانس کو اندر کھینچنا اور خارج کیا جائے۔ (S.C.T) کے بعض طلباء سوال کیا کرتے ہیں کہ ہم ایک وقت میں سانس کے کتنے چکر کریں تو عرض یہ ہے کہ چاہے وہ سانس کا ایک ہی چکر کیوں نہ ہو۔ مگر سانس اندر کھینچنے، سینے میں روکنے اور خارج کرنے کا وقفہ طویل ہونا چاہیے۔ وہ جتنی دیر تک سانس کو آہستہ آہستہ کھینچیں گے۔ جتنی دیر سانس کو سینے میں روکیں گے اور جتنی دیر میں سانس خارج کریں گے انتہائی بہتر اور مفید ہے۔ بعض حضرات پانچ منٹ میں سانس اندر کھینچتے ہیں۔ بیس منٹ تک سانس کو سینے میں روکنے

اور دس منٹ میں خارج کرتے ہیں اور اس قدر مشق و مہارت طویل عرصہ کے بعد حاصل ہوتی ہے اور ہر شخص کو اس قدر محنت طلبی اور مشقت کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ سانس کی مشق حکم خالی کے ساتھ کی جائے اور آہستہ آہستہ ناف سے سینے تک ہوا بھری جائے اور تادیر سانس کو سینے تک اور بالائے ناف روکا جائے اور پھر آہستہ آہستہ سانس کو خارج کیا جائے۔ (ناف سے سینے تک کی ہوا نکال دی جائے) تو سبحان اللہ سانس کی مشق میں آنکھیں بند کرنے سے ذہنی یکسوئی نصیب ہوتی ہے اور عجب طرح کی فرحت و تازگی کا احساس ہوتا ہے۔ آپ نے ”لے سانس بھی آہستہ“ کی دونوں جلدوں کا مطالعہ کر کے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ یہ مشقیں نصاب جسم، نصاب اعصاب، انداز فکر اور طرز احساس پر کس طرح شدت و ہمہ گیری کے ساتھ اثر انداز ہوتی ہے۔ تاہم متوقع فوائد حاصل ہونے میں وقت لگتا ہے اور اس دوران برابر لاشعوری مزاحمت جاری رہتی ہے۔ لاشعوری مزاحمت کا مقابلہ کرنے کے لئے کوشش نہ کریں۔ لاشعور کو اپنے مقام پر مزاحمت کرنے دیں اور آپ بجائے خود مشق جاری رکھیں چند روز بعد آپ دیکھیں گے کہ لاشعوری مزاحمت کم اور بڑھ رہی ہے۔ بعض حضرات نور کے تصور کے بارے میں الجھ جاتے ہیں۔ یہ بھی لاشعوری مزاحمت ہی کی ایک شکل ہے۔ ذہن سانس کی مشق میں جس نور کا تصور کرنا چاہے کرنے دیں یا اگر روشنی کے بجائے اندھیرا یا اور اشیاء نظر آتی ہیں تو نظر آنے دیں۔ ذہن کو ہرگز کسی خاص تصور پر مجبور نہ کریں جو تصور آسانی کے ساتھ قائم ہو جائے اسے قائم ہو جانے دیں اور بسم اللہ کر کے میری اجازت سے مشق شروع کر دیں۔

☆☆☆



Written by :
Rais Amrohvi

مصنف کی دیگر کتابیں

جنات	7	نفسیات وما بعد النفسیات	1
پننا نزم	8	عجائب نفس	2
عالم برزخ	9	مظاہر نفس	3
حاضرات ارواح	10	جنیات	4
عالم ارواح	11	توجہات	5
قطعات	12	مراقبہ	6

